۱۵۶

24

مباحثۂ اہل اسلام و عیسائیان بمقام امرتسر

۲۲ مئی سنہ ۱۸۹۳ء

تقریر حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمد و آلہ واصحابہ اجمعین

امابعد۔ واضح ہو کہ آجکا روز جو ۲۲۔ مئی ۱۸۹۳ء

ہے اوس مباحثہ اور مناظرہ کا دن ہے جو مجھ میں اور ڈپٹی عبد اللہ آتہم صاحب مین
قرار پایا ہے۔ اور اس مباحثہ سے مدعا اور غرض یہہ ہے۔ کہ حق کے طالبوں پر یہہ
ظاہر ہو جائے کہ اسلام اور عیسائی مذہب مین سے کونسا مذہب سچا اور زندہ اور
کامل اور منجانب اللہ ہے اور نیز حقیقی نجات کس مذہب کے ذریعہ سے مل سکتی ہے
اس لئے مین مناسب سمجھتا ہون کہ پہلے بطور کلام کلی کے اسی امر مین جو مناظرہ کی
علت غائی ہے انجیل شریف اور قرآن کریم کا مقابلہ اور موازنہ کیا جاوے لیکن
یہہ بات یاد رہے کہ اس مقابلہ اور موازنہ مین کسی فریق کا ہرگز یہہ اختیار نہیں ہوگا
کہ اپنی کتاب سے باہر جاوے۔ یا اپنی طرف سے کوئی بات مونہہ پر لاوے بلکہ لازم
اور ضروری ہوگا کہ جو دعوے کرین۔ وہ دعوے اس الہامی کتاب کے حوالہ سے
کیا جاوے جو الہامی قرار دیگئی ہے اور جو دلیل پیش کرین وہ دلیل بھی اسی کتاب کے
حوالہ سے ہو کیونکہ یہہ بات بالکل سچی اور کامل کتاب کی شان سے بعید ہے کہ اسکی

وکالت اپنے تمام ساختہ پرداختہ سے کوئی دوسرا شخص کرے۔ اور وہ کتاب بکلی خاموش اور ساکت ہو۔

اب واضح ہو کہ قرآن کریم نے اسلام کی نسبت جس کو وہ پیش کرتا ہے یہہ فرمایا ہی ان الدین عند اللہ الاسلام۔ سپارہ۔ ۳۔ رکوع ۱۰۔ ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاخرۃ من الخاسرین۔ سپارہ ۳۔ رکوع ۱۷۔ ترجمہ یعنے دین سچا اور کامل اللہ تعالے کے نزدیک اسلام ہے اور جو کوئی بجز اسلام کے کسی اور دین کو چاہیگا تو ہرگز قبول نہیں کیا جاویگا۔ اور وہ آخرت میں زیان کاروں میں سے ہوگا۔

پہر فرماتا ہے۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا سپارہ ۶۔ رکوع ۵۔ یعنے آج مینے تمہارے لئے دین تمہارا کامل کردیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کردی اور مینے تمہارے لئے اسلام کو پسندیدہ کرلیا۔ ھوالذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ وکفی باللہ شھیدا۔ سپارہ ۲۶۔ رکوع ۱۳۔ وہ خدا جسنے اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھہ اور دین حق کے ساتھہ بہیجا تا وہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کردے۔ پہر اللہ جل شانہ چند آیتیں قرآن کریم کی تعریف مین جو دین اسلام کو پیش کرتا ہے بیان فرماتا ہے چونکہ قرآن کریم کی تعریف درحقیقت دین اسلام کی تعریف ہے اس لئے وہ آیتیں بہی ذیل مین لکہی جاتی ہین ولقد صرفنا فی ھذا القرآن من کل مثل فابی اکثر الناس الا کفورا۔ سپارہ ۱۵۔ رکوع ۱۰۔ اور البتہ طرح طرح بیان کیا ہمنے واسطے لوگوں کے قرآن مین ہر ایک مثال سے پس انکار کیا اکثر لوگوں نے مگر کفر کرنا۔ یعنے ہمنے ہر ایک طور سے دلیل اور حجت کے ساتھہ قرآن کو پورا کیا مگر پہر بہی لوگ انکار سے باز نہ آئے۔

قل اللہ یھدی للحق سپارہ ۱۱ رکوع ۹ - اللہ الذی انزل الکتاب بالحق والمیزان یعنے خدا وہ ہے جسنے کتاب یعنے قرآن شریف کو حق اور میزان کے ساتھہ اوتارا یعنے وہ ایسی کتاب ہے جو حق اور باطل کے پرکھنے کے لئے بطور میزان کے ہے -

انزل من السماء ماء فسالت اودیة بقدرھا سپارہ ۱۳ رکوع ۸ ترجمہ آسمان سے پانی اوتارا پس ہر ایک وادی اپنے اپنے قدر میں بہہ نکلا ان ھذا القران یھدی للتی ھی اقوم یہہ قرآن اوس تعلیم کی ہدایت کرتا ہے جو بہت سیدھی اور بہت کامل ہے -

قل لئن اجتمعت الجن والانس علی ان یاتوا بمثل ھذا القران لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا کہ اگر جن اور انس سب اسبات پر اتفاق کریں کہ اگر اور کتاب جو کمالات قرآنی کا مقابلہ کر سکے پیش کریں تو نہیں پیش کر سکینگے اگرچہ وہ ایک دوسرے کی مدد ہی کریں -

پہر ایک اور جگہہ فرماتا ہے ما فرطنا فی الکتاب من شیء یعنے تعلیمات ضروریہ میں سے کوئی چیز قرآن سے باہر نہیں رہی اور قرآن ایک مکمل کتاب ہے جو کسی دوسرے مکمل کا منتظر نہیں بناتا - انہ لقول فصل سپارہ ۳۰ - رکوع ۱۱ حکمة بالغة قرآن قول فصل ہے جو ہر ایک امر میں سچا فیصلہ دیتا ہے - اور انتہائے درجہ کے حکمت ہے فلا اقسم بمواقع النجوم وانہ لقسم لو تعلمون عظیم - س ۲۷ - ر ۱۶ انہ لقران کریم - فی کتاب مکنون لا یمسہ الا المطھرون یعنے میں قسم کہاتا ہوں مطالع اور مناظر نجوم کے اور یہہ قسم ایک بڑی قسم ہے اگر تمہیں حقیقت پر اطلاع ہو کہ یہہ قرآن ایک بزرگ اور عظیم الشان کتاب ہے اور اسکو وہی لوگ چہوتے ہیں جو پاک باطن ہیں - اور اس قسم کی مناسبت اس مقام میں یہہ ہے کہ قرآن کی یہہ تعریف کی گئی ہے کہ وہ کریم ہے یعنے روحانی بزرگیوں پر مشتمل ہے - اور بباعث نہایت بلند اور رفیع دقایق حقائق کے بعض کوتاہ بینوں کے نظروں میں اسی وجہ سے چہوٹا معلوم ہوتا ہے جس وجہ سے ستارہ چہوٹے ۲ اور نقطوں سے معلوم ہوتے ہیں

سپارہ ۲۵ رکوع ۲
سپارہ ۱۵ رکوع ۹
سپارہ ۱۵ رکوع ۱۰
سپارہ ۷ رکوع ۱۰

اور یہہ بات نہیں کہ درحقیقت وہ نقطوں کے مانند ہیں۔

بلکہ چونکہ مقام الخاہیت اعلے وارفع ہے اس لئے جو نظرین قاصر ہیں انکی اصل ضخامت کو معلوم نہیں کر سکتین انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ انا کنا منذرین فیھا یفرق کل امر حکیم سیپارہ ۲۵ - رکوع ۱۴ - ہمنے قرآن کو ایک ایسے بابرکت رات مین اتارا ہے جسمین ہر ایک امر حکمت تفصیل کے ساتھہ بیان کیا گیا ہے اس سے مطلب یہ ہے کہ جیسے ایک رات بڑی ظلمت کے ساتھہ نمودار ہوئی تھی اسکے مقابل پر اس کتاب مین انوار عظیمہ رکھی گئی ہیں جو ہر ایک قسم کے شک اور شبہہ کی ظلمت کو ہٹاتے ہین اور ہر ایک بات کا فیصلہ کرتے ہین - اور ہر ایک قسم کی حکمت کی تعلیم کرتے ہین - اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُہُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ سیپارہ ۳ رکوع ۲ - اللہ دوست ہے ان لوگون کا جو ایمان لائے اور انکو اندہیرے سے روشنی کیطرف نکالتا ہے - وانہ لتذکرۃ للمتقین ع ۲ ان ھذا لحق الیقین سیپارہ ۲۹ - رکوع ۱۶ - وَمَا ھُوَ عَلَی الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ ع ۲ یعنے قرآن متقیون کو وہ سارے امور یاد دلاتا ہے جو انکی فطرت میں مخفی اور مستور تھے اور یہہ حق محض ہے جو انسان کو یقین تک پہنچاتا ہے - اور یہہ غیب کے عطا کرنے مین بخیل نہیں ہے یعنے بخیلون کیطرح اس کا یہہ کام نہین کہ صرف آپ ہی غیب بیان کرے اور دوسرے کو غیبی قوت نہ دے سکے بلکہ آپ ہی غیب پر مشتمل ہے - اور پیروی کرنے والے پر بہی فیضان غیب کرتا ہے - یہہ قرآن کا دعوی ہے جس کو وہ اپنے تعلیم کی نسبت آپ بیان فرماتا ہے اور پہر آگے چل کر اسکا ثبوت بہی آپ ہی دیگا لیکن چونکہ اب وقت تھوڑا ہے اسلئے وہ ثبوت جواب الجواب مین لکہا جاویگا - بالفعل ڈپٹی عبداللہ آتہم صاحب کی خدمت مین یہہ التماس ہے کہ بپابندی اون امور کے جو ہم پہلے لکہہ چکے ہین انجیل شریف

کا دعوے ہی اسی طرز اور اسی شان کا پیش کریں کیونکہ ہر ایک مصنف جانتا ہے کہ ایسا تو ہرگز نہیں ہو سکتا کہ مدعی سست اور گواہ چست خاص کر اللہ جلّ شانہ جو قوی اور قادر اور نہایت درجہ کے علوم وسیع رکھتا ہے جس کتاب کو ہم اسکی طرف منسوب کریں وہ کتاب اپنے ذات کے آپ قیوم چاہیے انسانی مگر دریاں سے بالکل بری اور منزہ چاہیے کیونکہ اگر وہ کسی دوسرے کے سہارے کی اپنے دعوے میں اور اثبات دعوے میں محتاج ہے تو وہ خدا کا کلام ہرگز نہیں ہوسکتا اور یہہ کہ یاد رہے کہ اسوقت صرف مدعا یہہ ہے کہ جب قرآن کریم نے اپنی تعلیم کی جامعیت اور کاملیت کا دعوے کیا ہے یہی دعوے انجیل کا وہ حصہ بھی کرتا ہو جو حضرت مسیح علیہ السلام کیطرف منسوب کیا جاتا ہے اور کم سے کم اسقدر تو ہو کہ حضرت مسیح اپنی تعلیم کو مختتم قرار دیتے ہوں اور کسی آئندہ وقت پر انتظار میں نہ چھوڑتے ہوں۔

نوٹ یہ سوال اسقدر لکھا گیا تہا تو اسکے بعد فریق ثانی نے اس بات پر اصرار کیا کہ سوال نمبر۲ یعنے بحث کے کسی دوسرے موقعہ میں پیش ہو بالفعل الوہیت مسیح کے بارے میں سوال ہونا چاہیے ہا چنانچہ انکے اصرار کے وجہ سے یہہ سوال جو ابھی غیر مختتم ہے اسی جگہ چھوڑا گیا بعد میں بقیہ اسکا شائع کیا جائے گا۔

سوال الوہیت مسیح پر
۲۲ مئی ۱۸۹۳ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد والہ واصحابہ اجمعین

امابعد واضح ہو کہ بموجب شرائط قرار دادہ پرچہ علیحدہ مورخہ ۲۴ اپریل ۱۸۹۳ء۔ پہلا سوال ہماری طرف سے یہہ تجویز ہوا تہا۔ کہ ہم الوہیت حضرت مسیح علیہ السلام کے بارہ میں مسٹر عبداللہ اتہم صاحب سے سوال کرینگے۔ چنانچہ مطابق اسی شرط کے ذیل میں لکھا

جاتا ہے۔ واضح ہو کہ اس بحث مین یہہ نہایت ضروری ہوگا۔ کہ جو ہماری طرف سے کوئی سوال ہو یا ڈپٹی عبداللہ آتھم کیطرف سے کوئی جواب ہو وہ اپنی طرف سے نہو بلکہ اپنے اپنے الہامی کتاب کے حوالہ سے ہو جسکو فریق ثانی حجت سمجھتا ہو اور ایسا ہی ہر ایک دلیل اور ہر ایک دعوے جو پیش کیا جاوے وہ بھی اسی التزام سے ہو غرض کوئی فریق اپنے اس کتاب کے بیان سے باہر نجائے جسکا بیان بطور حجت ہو سکتا ہے۔

بعد اسکے واضح ہو کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی الوہیت کے بارہ مین قران کریم مین بغرض رد کرنے خیالات ان صاحبون کے جو حضرت موصوف کی نسبت خدا یا ابن اللہ کا اعتقاد رکھتے ہین یہہ آیات موجود ہین۔

ما المسیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل وامہ صدیقۃ کانا یاکلان الطعام انظر کیف نبین لھم الایت ثم انظر انی یوفکون۔

س - ۶ - ر ۱۴ - یعنے حضرت مسیح ابن مریم مین اس سے زیادہ کوئی بات نہین کہ وہ صرف ایک رسول ہے اور اسسے پہلے بھی رسول ہی آتے رہے ہین۔ یہ کلمہ کہ اس سے پہلے بھی رسول ہی آتے رہے ہین۔ یہہ قیاس استقرائی کے طور پر ایک استدلال لطیف ہے کیونکہ قیاسات کے جمیع اقسام مین سے استقراء کا مرتبہ وہ اعلے شان کا مرتبہ ہے کہ اگر یقینی اور قطعی مرتبہ سے اسکو نظر انداز کر دیا جائے تو دین و دنیا کا تمام سلسلہ بگڑ جاتا ہے اگر ہم غور سے دیکھین تو معلوم ہوگا کہ حصہ کثیرہ دنیا کا اور ازمنہ گذشتہ کے واقعات کا ثبوت اسی استقرا کے ذریعہ سے ہوا ہے۔ مثلاً ہم جو اسوقت کہتے ہین کہ انسان مونہہ سے کہاتا اور آنکھون سے دیکھتا اور کانون سے سنتا اور ناک سے سونگھتا اور زبان سے بولتا ہے اگر کوئی شخص کوئی مقدس کتاب پیش کرے اور اس مین یہ لکھا ہوا ہو

کہ یہ واقعات زمانہ گذشتہ کے متعلق نہین ہین
بلکہ پہلے زمانہ مین انسان آنکھون کے ساتھ کہایا کرتا تہا اور کان کے ذریعہ ہی
بولتا تہا اور ناک کے ذریعہ سے دیکھتا تہا ایسا ہی اور باتون کو بہی بدل دے
یا مثلاً یہ کہے کہ کسی زمانہ مین انسان کے انکھین دو نہین ہوتے تہین بلکہ بیس ہوتے
تہین دس تو سامنے چہرہ مین اور دس پشت پر لگی ہوئی تہین تو اب
ناظرین سوچ سکتے ہین کہ گو فرض کے طور پر ہم تسلیم بہی کرلین کہ ان عجیب تحریرون
کا لکہنے والا کوئی مقدس اور راست باز آدمی تہا مگر ہم اس یقینی نتیجہ سے
کہان اور کدہر گریز کر سکتے ہین جو قیاس استقرائی سے پیدا ہوا ہے - میری
رائے مین ایسا بزرگ اگر نہ صرف ایک بلکہ کروڑ سے بہی زیادہ ہون اور قیاس
استقرائی سے نتائج قطعیہ یقینیہ کو توڑنا چاہئین تو ہرگز توڑ نہین سکینگے بلکہ اگر
ہم منصف ہون اور حق پسندی ہمارا شیوہ ہو تو اس حالت مین کہ اس بزرگ کو
ہم درحقیقت ہم ایک بزرگ سمجتے ہین اور اسکے الفاظ مین ایسے ایسے
کلمات خلاف حقایق مشہودہ محسوسہ کے پاتے ہین تو ہم اس کی بزرگی کی خاطر
سے صرف عن الظاہر کرینگے - اور ایسے تاویل کرینگے جس سے اس بزرگ کی
عزت قایم رہ جاوے ورنہ یہ تو ہرگز نہو گا کہ جو حقایق استقراء کے یقینی اور قطعی
ذریعہ سے ثابت ہو چکے ہین وہ ایک روایت دیکہ کر ٹال دئیے جادین - اگر ایسا کسی
کا خیال ہو - تو یہ بار ثبوت اسکی گردن پر ہے کہ وہ استقرا اشتبہ موجودہ قطعیہ یقینیہ
کے برخلاف اس روایت کی تائید اور تصدیق مین کوئی امر پیش کردیوے مثلاً جو
شخص اس بات پر بحث کرتا اور لڑتا جہگڑتا ہی - کہ صاحب ضرور پہلے زمانہ مین
لوگ زبان کے ساتھ دیکہتے اور ناک کے ساتھ باتین کیا کرتے تہے - تو اسکا ثبوت
پیش کرے اور جبتک ایسا ثبوت پیش نکرے تبتک ایک مہذب عقلمند کی شان سے

بہت بعید ہے کہ ان تحریرات پر بہروسہ کرکے کہ جنکی بصورت صحت بہی بیسیوں
بیسیون معنے ہو سکتے ہین وہ معنے اختیار کرے جو حقایق ثابت شدہ سے بالکل
مغایر اور منافی پڑے ہوئے ہین مثلاً اگر ایک ڈاکٹر یہی اس بابت کا تذکرہ ہو کہ سم الفار
اور وہ زہر جو تلخ بادام سے تیار کیا جاتا ہے اور بیش یہہ تمام زہرین نہین ہین۔
اور اگر انکو دو دو سیر کے قدر پر بہی انسان کے بچون کو کہلایا جاوے تو کچھ ہرج نہیں۔
اور اس کا ثبوت یہہ دیوے کہ فلان مقدس کتاب مین ایسا ہی لکہا ہے۔ اور راوی
معتبر ہی۔ تو کیا وہ ڈاکٹر صاحب اس مقدس کتاب کا لحاظ کرکے ایک ایسے امر کو چہوڑ
دینگے جو قیاس استقرائی سے ثابت ہو چکا ہے۔ غرض جبکہ قیاس استقرائی دنیا
کے حقایق ثابت کرنیکے لئے اول درجہ کا مرتبہ رکہتا ہے تو اسے جہتہ سے اللہ جل شانہٗ
نے سب سے پہلے قیاس استقرائی کو ہی پیش کیا۔ اور فرمایا۔ قد خلت من
قبلہ الرسل۔ یعنے حضرت مسیح علیہ السلام بے شک نبی تہے اور اللہ جلشانہ کے
پیارے رسول تہے مگر وہ انسان تہے تم نظر اٹہا کر دیکہو کہ جب سے یہ سلسلہ تبلیغ اور کلام
الہی کے نازل کرنیکا شروع ہوا ہے ہمیشہ اور قدیم سے انسان ہی رسالت کا
مرتبہ پا کر دنیا مین آتے رہی ہین یا کبھی اللہ تعالے کا بیٹا بہی آیا ہی۔ اور خلت کے
لفظ سے اس طرف توجہ دلاتا ہی کہ جہانتک تمہاری نظر تاریخی سلسلہ کو
دیکہنے کے لئے وفا کر سکتی ہی۔ اور گذشتہ لوگون کا حال معلوم کر سکتے ہو خوب
سوچو اور سمجہو کہ کبہی یہ سلسلہ ٹوٹا بہی ہے کیا تم کوئی ایسی نظیر پیش
کر سکتے ہو جس سے ثابت ہو سکے کہ یہہ امر ممکنات مین ہی ہے۔ پہلے بہی کبہی کبہی
ہوتا ہی آیا ہے۔ سو عقلمند آدمی اسجگہ ذرہ ٹہر کر اور اللہ جل شانہ کا
خوف کر کے دل مین سوچے کہ حادثات کا سلسلہ اس بات کو چاہتا
ہے کہ اس کی نظیر بہی کبہی کسی زمانہ مین پائی جاوے۔

ہان اگر بائبل کے وہ تمام انبیاء اور صلحاء جنکی نسبت بائبل مین بھی الفاظ موجود ہین کہ وہ خدا تعالے کے بیٹے تھے یا خدا تھے حقیقی معنون پر حمل کر لئے جاوین تو بیشک اسصورت مین ہمین اقرار کرنا پڑیگا کہ خدا تعالی کی عادت ہے کہ وہ بیٹے بھی بھیجا کرتا ہے بلکہ بیٹی کیا کبھی کبھی بیٹیان بھی اور بظاہر یہ دلیل تو عمدہ معلوم ہوتی ہے اگر حضرات عیسائی صاحبان اسکو پسند فرماوین اور کوئی اسکو توڑ بھی نہین سکتا کیونکہ حقیقی غیر حقیقی کا تو وہان کوئی ذکر ہی نہین بلکہ بعض کو تو پہلوٹا ہی لکھدیا ہے ہان اس صورت مین بیٹون کی میزان بہت بڑھ جائیگی۔ غرض اللہ جل شانہ نے سب سے پہلے ابطال الوہیت کے لئے یہی دلیل استقرائی پیش کی ہے پھر بعد اسکے ایک اور دلیل پیش کرتا ہے وامہ صدیقہ یعنے والدہ حضرت مسیح علیہ السلام کی راست باز تھی یہ تو ظاہر ہی کہ اگر حضرت مسیح ع کو اللہ جل شانہ کا حقیقی بیٹا فرض کر لیا جاوے تو پھر ضروری امر ہے کہ وہ دوسرون کی طرح ایسی والدہ کے اپنے تولد مین محتاج نہو جو باتفاق فریقین انسان تھی کیونکہ یہ بات نہایت ظاہر اور کھلی ہی کہ قانون قدرت اللہ جلشانہ کا اسیطرح پر واقع ہی کہ ہر ایک جاندار کی اولاد اسکی نوع کے موافق ہوا کرتی ہے مثلاً دیکھو کہ جسقدر جانور ہین مثلاً انسان اور گھوڑا اور گدہا اور ہر ایک پرندہ وہ اپنی اپنی نوع کے لحاظ سے وجود پذیر ہوتے ہین یہ تو نہین ہوتا کہ انسان کسی پرندہ سے پیدا ہو جاوے یا پرند انسان کے پیٹ سے نکلے پھر ایک تیسری دلیل یہ پیش کی ہے کانا یاکلان الطعام۔ یعنے وہ دونو حضرت مسیح ع اور آپکی والدہ صدیقہ کھانا کہایا کرتے تھے اب آپ لوگ سمجھ سکتے ہین کہ انسان کیون کھانا کھاتا ہے اور کیون کھانیکا محتاج ہے۔ اسمین اصل بھید یہ ہی کہ ہمیشہ انسان کے بدن مین سلسلہ تحلیل کا جاری ہے یہانتک کہ تحقیقات قدیمہ اور جدیدہ سے ثابت ہی کہ چند سال مین پہلا جسم تحلیل پا کر معدوم ہو جاتا ہے اور دوسرا بدن بدل ما یتحلل ہو جاتا ہی۔ اور ہر ایک قسم کی جو غذا کھائی جاتی ہے اسکا بھی روح پر اثر ہوتا ہے کیونکہ یہ امر بھی ثابت شدہ ہے کہ کبھی روح جسم پر اپنا اثر ڈالتا ہی اور کبھی جسم روح پر اپنا اثر ڈالتا ہے جیسے اگر روح

کو یکدفعہ کوئی خوشی پہنچتی ہے تو اس خوشی کے آثار یعنے بشاشت اور چمک چہرہ پر بھی نمودار ہوتی ہے اور کبھی جسم آثار ہنسنے رہنے کے روح پر پڑتے ہین اب جبکہ یہ حال ہے تو کسقدر مرتبہ خدا کے سے یہ بعید ہوگا کہ ابن اللہ کا جسم بھی ہمیشہ اڑتا رہے اور تین چار برس کے بعد اور جسم آوے ماسوا اسکے کہانے کا محتاج ہونا بالکل اس مفہوم کے مخالف ہی جو خدا یتعالی کی ذات مین مسلم ہی اب ظاہر ہے کہ حضرت مسیح اُن حاجتمندیون سے بری نہین تہے جو تمام انسانون کو لگی ہوئی ہین پھر یہ ایک عمدہ دلیل اسبات کی ہے کہ وہ باوجود ان دردون اور دکھون کے خدا ہی تہے یا ابن اللہ تہے اور درد ہمنے اسلیئے کہا کہ بہوک بہی ایک قسم درد کی ہے اور اگر زیادہ ہوجاے تو موت تک نوبت پونچاتی ہے

جواب از طرف مسٹر عبد اللہ آتہم صاحب مسیحی

اگر یہ جناب کا قول صحیح ہی کہ ہر امر کی حقیقت تجربہ ہی پر مدار رکھتی ہے یعنے جو تجربہ کے برخلاف ہے وہ باطل ہے تب تو ہمکو صفت خالقہ کا بھی انکار کرنا پڑیگا۔ کیونکہ ہمارے تجربہ مین کوئی چیز خلق نہین ہوتی اور آدم کا بغیر والدین پیدا ہونیکا بھی انکار کرنا پڑیگا اور ہم نہین جانتے کہ ایسا ہم کیون کرین کیونکہ ناممکن مطلق ہم اسکو کہتے ہین جو کوئی امر کسی صفت ربانی کے مخالف ہو اور یہ چیزین جو ہمارے تجربہ کے باہر ہین مثلاً خلقت کا ہونا یعنے بلا سامان کے عدم سے وجود مین آنا اور آدم کا بخلاف سلسلہ موجودہ کے پیدا ہونا ہم کسی صفت مقدسہ خدا تعالی کے مخالف نہین دیکھتے۔ دوم بجواب آپکے دوسرے مقدمہ کے آپکو یقین ہونا چاہئے کہ ہم اس شے مرئی کو جو کہاتے پیتے وغیرہ حاجتون کے ساتھہ ہی اللہ نہین مانتے بلکہ مظہر اللہ کہتے ہین اور یہ ایک ایسا مقدمہ ہے جب قرآن مین بابت اس آگ کے جو جہاڑی مین نظر آتی تہی لکہا ہے کہ اے موسی اپنی نعلین دور کر کیونکہ یہ

داؤدی طونی ہی اور کہ مین تیرے باپ ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کا خدا ہون موسی نے
اسکو تسلیم کیا اب فرمائیے شے مرئی تو خدا نہین ہو سکتی اور رویت مرئی تہی پس ہم
اسکو مظہر اللہ کہتے ہین۔ اللہ نہین کہتے۔ ویسے ہی یسوع مخلوق کو ہم اللہ نہین کہتے ہین
بلکہ مظہر اللہ کہتے ہین کیا یہ ستون جو خشت و خاک کا سامنے نظر کے ہی اُسمین سے
اگر خدا اواز دیکر کہنا چاہے کہ مین تمہارا خدا ہون اور میری فلان بات سنو۔ تو گو تجربہ
کے برخلاف یہ امر ہے تو کیا امکان کے بہی برخلاف ہے کہ خدا ایسا نہین کر سکتا
تمہارے نزدیک تو امکان کے برخلاف نہین ہے۔

سوم ہمنے ابن اللہ کو جسم نہین مانا ہم تو اللہ کو روح جانتے ہین جسم نہین۔

چہارم امر کے بارہ مین ہماری التماس یہ ہی کہ بیشک تاویل طلب امر کو تاویل کرنا چاہیئے
لیکن حقیقت کو چاہیئے کہ تاویل نہ بگاڑے اگر کوئی حقیقت برخلاف امر واقعی کے
ہے تو بالمرہ حکم بطلان کا اسپر دینا چاہیئے نہ کہ بطلان کو مروڑ کے حق بنانا۔

پنجم امر کے بارہ مین جناب کی خدمت مین واضح ہو کہ لفظ بیٹے اور پہلوٹے کا بائبل مین
دو طرح پر بیان ہوا ہی۔ یعنے ایک تو یہ کہ وہ یکتن ساتہہ خدا کے ہو دوم یہ کہ یکمن
ساتہہ رضا الہی کے ہو۔ (ایک تن وہ ہے جو ماہیت مین واحد ہو۔ اور یکمن وہ ہے
جو ماہیت کا شریک نہین بلکہ رضا کا شریک ہو) کس نبی یا بزرگ کے بارہ مین بائبل
مین یہ لکہا ہی کہ اے تلوار میرے چرواہے اور ہمتا پر اٹہہ۔ زکریاہ ۱۳-۷۔ اور پہر کس کے
بارہ مین ایسا لکہا ہے کہ تخت داؤدی پر یہوداصدقنو آویگا پر میا۔ اور کس نے یہ کہا
کہ مین الف اور میگا و قادر مطلق خداوند ہون اور کسکے بارہ مین یہ لکہا گیا کہ مین جو حکمت
ہون قدیم سے خدا کے ساتہہ رہتی تہی اور میرے وسیلہ سے یہ ساری خلقت ہوئی
اور یہ کہ جو کچہہ خلقت کا ظہور رہے اسی کے وسیلے سے ہی خدا باپ کو کسی نے نہین
دیکہا۔ لیکن اکلوتے (خدا) نے اسے ظاہر کر دیا۔ یوحنا۔ ۱-۱۸

اب اسپر انصاف کیجیے کہ یہ الفاظ متعلق یک تن کے ہین یا یکسمن کے نیز یہ بھی ایک بات یاد رہنے کے لایق ہے یسعیاہ ۹-۶ مین کہ وہ جو بیٹا ہمکو بخشا جاتا ہے اور فرزند تولد ہوتا ہے وہ ان خطابون سے منزین ہے یعنے خدای قادر اب ابدیت شاہ سلامت مشیر عجوبہ تخت داؤد پر آنے والا جسکی سلطنت کا زوال کبھی نہ ہوگا

ششم جو آپنے قرآن سے استدلال کیا ہے مجھے افسوس ہے کہ مین ابتک اسکے الہامی ہونے کا قائل نہین جب آپ اسکو الہامی ثابت کرکے قایل کردینگے تو اسکے سندات آپ ہی مانی جائینگی -

ہفتم - جناب من فطرت یا خلقت فعل الہی ہے اور الہام قول الٰہی فعل اور قول مین تناقص نہین ہونا چاہئے اگر کوئی کلام مبہم معلوم ہووے یا بادی النظر مین مشکل معلوم ہووے تو اُسکی تادیل ہم معقولات ہی سے کرینگے ورنہ کہان جائینگے چنانچہ جناب نے خود ہی فرمایا کہ امور تادیل طلب کے تادیل واجب ہو اور جناب اس سے بھی بڑہکر فرماتے ہین کہ تجربہ کے برخلاف ہم کچہہ نہ لیوینگے - تو گویا یہ بھی رجوع کرنا طرف فطرت کے ہی جسکے ہم کلیتہ متفق نہین ہین -

ہشتم بجواب آٹھوین کے اتنی ہی عرض ہے کہ جہان بیٹے حقیقی اور غیر حقیقی امتیاز بائبل مین نہ ہو تو ہماری عقل کو روک نہین کہ ہم اسمین امتیاز نہ کرین اور دوسرون کے ساتھہ بھی اگر یہی صفات ملحقہ ہون جیسے مسیح کے ساتھہ ہین تو ہم اُنکو بھی مسیح جیسا مان لینگے -

روئداد جلسہ مباحثہ

۲۳ مئی ۱۸۹۳ء

آج پھر جلسہ منعقد ہوا۔ اور آج پادری جے۔ ایل۔ ٹھاکر داس صاحب بھی جلسہ مین تشریف لائے۔ یہ تحریک پیش ہوئی اور باتفاق رائے منظور ہوئی کہ کوئی تحریر جو مباحثہ مین کوئی شخص اپنے طور پر قلمبند کرے قابل اعتبار نہ سمجھی جاوے جبتک کہ اُسپر ہر دو میر مجلس صاحبان کے دستخط نہ ہون۔

اُسکے بعد ۶ بجے ۳۰ منٹ پر مرزا صاحب نے اپنا سوال لکھنا شروع کیا اور انکا جواب ختم نہ ہوا تھا کہ اُنکا وقت گذر گیا۔ اور مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب اور میر مجلس عیسائی صاحبان کی طرف سے اجازت دی گئی کہ مرزا صاحب اپنا جواب ختم کرلین اور ۱۶ منٹ کے زاید عرصہ مین جواب ختم کیا بعد ازان یہ قرار پایا کہ مقررہ وقت سے زیادہ کسی کو نہ دیا جائے۔ مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب نے آٹھ بجے ۱۱ منٹ پر جواب لکھنا شروع کیا درمیان مین فہرست آیات کے پڑھے جانیکے متعلق تنازعہ ہوا۔ اور وہ وقت جو اس تنازعہ مین صرف ہوا یعنی ۵ منٹ۔ مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب کے وقت مین ازاد کئے گئے۔ اور نو بجے ۱۰ منٹ پر جواب ختم ہوا۔

مرزا صاحب نے ۹ بجے ۲۰ منٹ پر جواب لکھنا شروع کیا اور ۱۰ بجے منٹ پر ختم ہو گیا اور بعد ازان فریقین کی تحریرون پر میر مجلس صاحبان کے دستخط کئے گئے اور تحریرین فریقین کو دی گئین اور جلسہ برخاست ہوا

دستخط بحروف انگریزی مارٹن کلارک پریزیڈنٹ از جانب عیسائیان | دستخط بحروف انگریزی غلام قادر پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام

مطبوعہ ریاض ہند پریس امرتسر

بیان جناب مرزا صاحب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی

کل ۲۲ مئی ۱۸۹۳ء کو جو مینے حضرت مسیح کی الوہیت کے بارہ مین ڈپٹی عبد اللہ آتھم صاحب سے سوال کیا تہا۔ اُسمین قابل جواب تو امر تہے سب سے پہلے مینے یہ لکہا تہا کہ فریقین پر لازم و واجب ہوگا کہ اپنی اپنی الہامی کتاب کے حوالہ سے سوال و جواب تحریر کرین پہر ساتہ ہی اسکے یہ بہی لکہا گیا تہا کہ ہر ایک دلیل یعنی دلیل عقلی اور دعوے جسکی تائید مین وہ دلیل پیش کیجائے اپنی اپنی کتاب کے حوالہ اور بیان سے دیا جاے۔ میرا اسمین یہ مدعا تہا کہ ہر ایک کتاب کی اسطور سے آزمایش ہو جاے کہ ادن مین یہ قوت اعجازی پائی جاتی ہے یا نہین۔ کیونکہ اس زمانہ مین جو مثلاً قرآن کریم پر قریب تیرہ سو ۱۳۰۰ برس کے گذر گئے جب وہ نازل ہوا تہا۔ ایسا ہی انجیل پر قریب انیس ۱۹ سو برس کے گذرتے ہین جب انجیل حواریون کی تحریر کے مطابق شائع ہوئی۔ تو اسصورت مین صرف اُن منقولات پر مدار رکہنا جو ان کتابون مین لکہے گئے ہین اُس شخص کے لئے مفید ہوگا جو ان پر ایمان لاتا ہے۔ اور اُن کو صحیح سمجہتا ہے اور جو معنے اُنکے کئے جاتے ہین۔ اُن معنون پر بہی کوئی اعتراض نہین رکہتا لیکن اگر معقولی سلسلہ اسکے ساتہہ شامل ہو جاوے تو اس سلسلہ کے ذریعہ سے بہت جلد سمجہہ آجائیگا کہ خدا تعالی کا سچا اور پاک اور کامل اور زندہ کلام کون سا ہے سو میرا یہ مطلب تہا کہ جس کتاب کی نسبت یہ دعوی کیا جاتا ہے کہ فی حد ذاتہ کامل ہے اور تمام مراتب ثبوت کے وہ آپ پیش کرتی ہے تو پہر اسی کتاب کا یہ فرض ہوگا کہ اپنے اثبات دعاوے کے لئے دلائل معقولی بہی آپ ہی پیش کرے نہ یہ کہ کتاب پیش کرنے سے بالکل عاجز اور ساکت ہو اور کوئی دوسرا شخص کہڑا ہو کر اسکی حمایت

کرے اور ہر ایک منصف بڑی آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ اگر اس طریق کا التزام فریقین اختیار کر لین تو احقاق حق اور ابطال باطل بہت آسانی سے ہو سکتا ہے مین امید رکھتا تہا۔ کہ مسٹر عبد اللہ آتہم صاحب جو پہلے سے یہ دعوے رکھتے ہین کہ انجیل درحقیقت ایک کامل کتاب ہے نہ اس دعوے کے ساتھ ضرور اس بات کو مانتے ہونگے کہ انجیل اپنے دعاوی کو معقولی طور پر آپ پیش کرتی ہے۔ لیکن صاحب موصوف کے کل کے جواب سے مجھے بہت تعجب اور افسوس بہی ہوا کہ صاحب موصوف نے اسطرف ذرا توجہ نہین فرمائی بلکہ اپنے جواب کے دفعہ ششم مین مجکو مخاطب کر کے فرماتے ہین کہ آپنے قرآن سے جو استدلال کیا ہے مجھے افسوس ہے کہ مین ابتک اُسکے الہامی ہونیکا قائل نہین۔ جب آپ اُسکو الہامی ثابت کر کے قائل کر دینگے تو اُسکی سندات آپ ہی مانی جائینگی اب ہر ایک سوچنے والا غور کر سکتا ہے کہ میرا یہ منشا کب تہا کہ وہ ہر ایک بات قرآن شریف کی بے تحقیق مان لین مینے تو یہ لکھا تہا یعنے میرا یہ منشاء تہا کہ دلائل عقلیہ جو فریقین کی طرف سے پیش ہون وہ اپنی ہی خیالات کے منصوبون سے پیش نہین ہونی چاہئین۔ بلکہ چاہیے کہ جس کتاب نے اپنی کامل ہونیکا دعویٰ کیا ہے وہ دعوے بہی بہ تصریح ثابت کر دیا جاوے اور پھر وہی کتاب اس دعوے کے ثابت کرنیکے لئے معقولی دلیل پیش کرے اور اسطور کے الزام سے جو کتاب اخیر پر غالب ثابت ہو گی اُسکا یہ اعجاز ثابت ہوگا کیونکہ قرآن شریف بلفظ صاف فرماتا ہے کہ مین کامل کتاب ہون جیسا کہ فرماتا ہے الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی۔ سیپارہ ۶۔ رکوع ۵ اور جیسا کہ پھر دوسری جگہ فرماتا ہے۔ ان ھذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم سیپارہ ۱۵۔ رکوع ۱۔ دونون آیتون کا ترجمہ یہ ہے کہ آج مین نے دین تمہارا تمہارے لئے کامل کیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کیا۔ اور یہ قرآن ایک سیدہے اور کامل

راہ کی طرف رہبری کرتا ہے ۔ یعنے رہبری میں کامل ہے اور رہبری میں جو لوازم ہونے
چاہئیں دلائل عقلیہ اور برکات سماویہ میں سے وہ سب اسمیں موجود ہیں ۔ اور
حضرات عیسائی صاحبوں کا یہ خیال ہے کہ انجیل کامل کتاب ہے اور رہبری کے
تمام لوازم انجیل میں موجود ہیں پھر جب کہ یہ بات ہے تو اب دیکھنا ضرور ہوا کہ اپنے
دعوے میں صادق کون ہے اسی بنا پر الوہیت حضرت مسیح ع کے دلائل بھی جو معقولی
طور پر ہوں انجیل سے پیش کرنے چاہئیں تھے جیسا کہ قرآن کریم نے ابطال
الوہیت کے دلائل معقولی طور پر بھی علاوہ اور دلائل کے
جو برکات وغیرہ انوار سے اپنے اندر رکھتا ہے پیش کئے سو اب جبکہ مسٹر عبد اللہ آتھم
صاحب ہمارے سوال کا منشا سمجھ گئے ہونگے تو چاہئے کہ اس منشا کے مطابق انجیل
کی طاقت اور قوت سے ایسے دلائل پیش کئے جائیں نہ اپنی طرف سے اور جو شخص
ہم فریقین میں سے اپنی طرف سے کوئی معقولی دلیل یا کوئی دعوے پیش کریگا تو
ایسا پیش کرنا اسکا اسبات پر نشان ہوگا کہ اوسکی وہ کتاب کمزور ہے اور وہ طاقت
اور قوت اپنے اندر نہیں رکھتی جو کامل کتاب میں ہونی چاہئے لیکن یہ جائز ہوگا کہ اگر
کوئی کتاب کسی معقولی دلیل کو اجمالی طور پر پیش کرے مگر ایسے طور سے کہ اوسکا پیش
کرنا کوئی امر مشتبہ نہو اور اسی کے سیاق سباق اور اسکے اور دوسرے مقامات سے
پتہ مل سکتا ہو کہ اسکا یہی منشا ہے کہ ایسی دلیل پیش کرے کہ گو وہ دلیل اجمالی ہو
تو پھر ایک فریق کو اختیار ہوگا کہ عوام کے سمجھانے کے لئے کچھ بسط کے ساتھ اس دلیل
کے مقدمات بیان کر دیوے لیکن یہ ہرگز جائز نہیں ہوگا کہ اپنی طرف سے کوئی دلیل
تراش خراش کر کے الہامی کتاب کی ایسی طور سے مدد دی جاے کہ جیسے ایک کمزور
اور بے طاقت انسان کو یا ایک میت کو اپنے بازو اور اپنے ہاتھ کے سہارے سے چلایا جاے
پھر بعد اسکی استقراء کے بارہ میں جو مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب نے جرح کیا ہے وہ

جز ب ج بھی قلت تدبر کی وجہ سی بیہودہ فرماتے ہین ۔ کہ اگر یہ قول بحث دلیل استقرا صحیح سمجھی جاے جو قرآن کریم
پیش کرتا ہے تو پھر آدم کا بغیر والدین پیدا ہونا قابل تسلیم نہین ہوگا اور صفت خالقیہ
کا بھی انکار کرنا پڑیگا ۔ افسوس کہ صاحب موصوف اس بات کے سمجھنے سے غافل
رہے ہیں کہ دلائل استقرائیہ میں یہی قاعدہ مسلم الثبوت ہے کہ جب تک اس حقیقت ثابت
شدہ کے مقابل پر جو بذریعہ دلیل استقرائی کے ثابت ہو چکی ہے کوئی امر اسکا
مخالف اور مباین پیش نہ کیا جاے جسکا ظاہر ہونا بھی بپایہ ثبوت پہونچ چکا ہو
تب تک دلیل استقرائی ثابت اور برقرار رہیگی مثلاً انسان کا ایک سر ہوتا ہے
اور دو آنکھہ تو اسکے مقابل پر صرف اسقدر کہنا کافی نہین ہوگا کہ ممکن ہے کہ
دنیا مین ایسے آدمی بھی موجود ہون جنکے دس سر ہون اور بیس آنکھہ ہون بلکہ
ایسا انسان کہین سے پکڑ کر دکھلا بھی دینا چاہئیے ۔ اس بات مین فریقین مین سے
کسکو انکار ہے کہ حضرت آدم ع بغیر باپ اور مان کے پیدا ہوئے تھے اور انکی نسبت
سنت اللہ اسی طرح پر ثابت ہو چکی ہے لیکن امر متنازعہ فیہ مین کوئی ایسی بات نہین
ہے کہ جو فریقین کے نزدیک مسلم اور ثابت شدہ قرار پائی ہو بلکہ فریق مخالف حضرات
عیسائیون کی جو کتاب ہے یعنی قرآن کریم وہ آپ یہ بات پیش کرتا ہے کہ
دلیل استقرائی سے یہ امر باطل ہے اب اگر یہ دلیل تام اور کامل نہین ہے تو چاہئیے
کہ انجیل مین سے یعنی حضرت مسیح کے کلام مین سے اس کے مخالف کوئی دلیل
پیش کیجاے جس سے ثابت ہو کہ یہ دلیل پیش کردہ قرآن کریم کی ۔ یہ ضعف رکھتی
ہے اور خود ظاہر ہے کہ اگر دلائل استقرائیہ کو بغیر پیش کرنے نظیر مخالف کے یون
ہی رد کر دیا جاے تو تمام علوم و فنون ضائع ہو جائینگے اور طریق تحقیق بند ہو جائیگا مثلاً
مین مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب سے دریافت کرتا ہون کہ اگر آپ کسی اپنے ملازم کو
ایک ہزار روپیہ بطور امانت کے رکھنے کو دین اور وہ روپیہ صندوق مین بند ہو

اور تالی اُسکی اُس ملازم کے پاس ہیع اور کوئی صورت اور کوئی شبہ چوری جانیکا مال کا نہو
اور وہ آپ کے پاس یہ عذر پیش کرے کہ حضرت وہ روپیہ پانی ہو کر بہہ گیا ہے
یا ہوا ہو کر نکل گیا ہے تو کیا آپ یہ اُسکا عذر قبول کر لینگے آپ فرماتے ہین
کہ جب تک کوئی امر صفات الٰہیہ کے مخالف نہ پڑے تب تک ہم اسکو جائز اور ممکن کے
ہی مدمین رکھینگے مگر مین آپ سے پوچھتا ہون کہ آپ ایک مدت تک عہدہ اکسٹرا
اسسٹنٹی پر مامور رہکر مقدمات دیوانی و فوجداری وغیرہ کرتے رہے ہین کیا
اس عجیب طرز کا بہی کوئی مقدمہ آپنے کیا ہے کہ ایسے بیہودہ عذر کو قابل اطمینان
عدالت قرار دیکر فریق عذر کنندہ کے حق مین ڈگری کر دی ہو۔ حضرات آپ
پھر ذرا توجہ سے غور کرین کہ یہ بات ہرگز درست نہین ہے کہ جو شخص دلائل
استقرائیہ کے برخلاف کوئی امر جدید اور خلاف دلائل استقراء پیش کرے تو
اس امر کو بدون اسکے کہ وہ نظایر سے ثابت کر دیا جاوے قبول کر لین۔ اور یہ
نظیر جو آپنے پیش کی ہے کہ اسصورت مین ہمکو صفت خالقیہ کا بہی انکار کرنا
پڑے گا مین حیران ہون کہ یہ دلیل کیون پیش کی ہے اور اس محل سے اس دلیل کو
تعلق ہی کیا ہے آپ جانتے ہین اور مسلمانون اور عیسائیون کا اس بات
پر اتفاق ہے کہ صفات الٰہیہ جو اسکے افعال سے متعلق ہین یعنے خلق وغیرہ
وہ اپنی مفہوم مین قوت عموم کی رکہتی ہے یعنے اُنکی نسبت یہ مان لیا گیا ہے
کہ اللہ جلشانہ ابدی ازلی طور پر اُن صفات سے کام لے سکتا ہے۔ مثلاً حضرت
آدم ع کو جو اللہ تعالے نے بغیر ماں باپ کے پیدا کیا ہے تو کیا ہم فریقین مین کوئی
شخص اپنی کتاب کی رد سے ثبوت دیسکتا ہے کہ اس طرز کے پیدا کرنے مین اللہ
تعالی کی قدرت اور قوت جو استقراء سے ثابت ہے اس حد تک ختم ہو چکی ہے بلکہ
فریقین کی کتابین اس بات کو ظاہر کر رہی ہین کہ اللہ جلشانہ نے جو کچھہ پیدا کیا ہے
ایسا ہی وہ کچھہ بہی پیدا کر سکتا ہے جیسا کہ اللہ جل شانہ قرآن کریم مین فرماتا ہے

اولیس الذی خلق السموات والارض بقادر علی ان یخلق مثلھم بلی وھو الخلاق العلیم۔ انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون فسبحان الذی بیدہ ملکوت کل شیء والیہ ترجعون۔ س ۳۶ ر ۵۔ کیا وہ جسنے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اس بات پر قادر نہیں کہ ان تمام چیزوں کی مانند اور چیزیں بھی پیدا کرے بیشک قادر ہے اور وہ خلاق علیم ہے یعنے خالقیت میں وہ کامل ہے اور ہر ایک طور سے پیدا کرنا جانتا ہے۔ حکم اسکا اس سے زیادہ نہیں کہ جب کسی چیز کے ہونیکا ارادہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ہو بس ساتھ ہی وہ ہو جاتی ہے۔ پس وہ ذات پاک ہے جسکے ہاتھ میں ہر ایک چیز کی بادشاہی ہے اور اسی کی طرف تم پھیرے جاؤگے۔ پھر ایک دوسرے مقام میں فرماتا ہے۔ الحمد للہ رب العالمین الرحمن الرحیم مالک یوم الدین۔ یعنی تمام محامد اللہ کے لئے ثابت ہیں جو تمام عالموں کا رب ہے یعنی اسکی ربوبیت تمام عالموں پر محیط ہے۔ پھر ایک اور مقام میں فرماتا ہے وھو بکل خلق علیم۔ یعنی وہ ہر طرح سے پیدا کرنا جانتا ہے اور ڈپٹی عبد اللہ آتھم صاحب نے جو چند پیشگوئیاں اپنے تائید دعوے میں پیش کی ہیں وہ ہماری شرط سے بالکل مخالف ہیں۔ ہماری شرط میں یہ بات داخل ہے کہ ہر ایک دعوے اور دلیل اسکی الہامی کتاب آپ پیش کرے ماسوا اسکے ڈپٹی صاحب کو اس بات کی خوب خبر ہے کہ یہ پیشگوئیاں صرف زبردستی کی راہ سے حضرت مسیح پر جمائی جاتی ہیں اور ایسے طور کی یہ پیشگوئیاں نہیں ہیں کہ اول حضرت مسیح نے آپ پوری پیشگوئی نقل کر کے ان کا مصداق اپنے تئیں ٹھہرایا ہو اور مفسرین کا اسپر اتفاق بھی ہو اور اصل عبری زبان سے اسی طور سے ثابت بھی ہوئی ہوں سو یہ بار ثبوت آپکے ذمہ ہے۔ جب تک آپ اس التزام کے ساتھ اسکو ثابت نہ کر دیں تب تک یہ بیان آپ کا ایک دعوے کے رنگ میں ہے جو خود دلیل کا محتاج ہے چونکہ ہمیں ان پیشگوئی کی صحت اور پھر صحت تاویل

اور پھر صحت ادعاء مسیح مین آپکے ساتھہ اتفاق نہین ہے اور آپ بھی
صحت ہین تو یہ آپ پر لازم ہوگا کہ آپ ان مراتب کو مصفا اور منقح کرکے ایسے
طور سے دکھلادین کہ جس سے ثابت ہوجاوے کہ ان پیشگوئیون کی تاویل میں یہودی
جو اصل وارث توریت کے کہلاتے ہیں وہ بھی آپ کے ساتھہ ہین اور کل مفسر بھی
آپ کے ساتھہ ہین اور حضرت مسیح ع نے بہی تمام پیشگویان جو آپ ذکر کرتے ہین
بحوالہ کتاب و باب و آیت پورے طور پر بیان کرکے اپنی طرف منسوب کی ہین اور
آپکی رائے کے مخالف آجتک کسی وارث توریت نے اختلاف بیان نہین کیا اور صاف
طور پر بحضرت مسیح ابن مریم کے بارہ مین جنکو آپ خدائی کے رتبہ پر قرار دیتے
ہین قبول کرلیا ہے اور انکے خدا ہونیکے لئے یہ ثبوت کافی سمجھہ لیا ہے تو پھر
ہم اسکو قبول کرلینگے اور بڑے شوق سے آپ کے اس ثبوت کو سنینگے
لیکن اس نازک مسئلہ کے زیادہ تصریح کے لئے پھر یاد دلاتا ہون کہ آپ
جب تک ان تمام مراتب کو جو مینے لکھے ہین بغیر کسی اختلاف کے ثابت کرکے
نہ دکھلادین اور ساتھہ ہی یہود کے علماء کی شہادت ان پیشگوئیون کے بنا
پر حضرت ابن مریم کے خدا ہونیکے لئے پیش نکرین تب تک یہ قیاسی ڈھکوسلے
آپکے کسی کام نہین آسکتے دوسرا حصہ اسکا جواب الجواب مین بیان کیا جاویگا

دستخط بحروف انگریزی غلام قادر فصیح
پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام

دستخط بحروف انگریزی ہارٹن کلارک
پریزیڈنٹ از جانب عیسائیان

جواب از طرف مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب مسیحی

اول بجواب آپکے۔ اے مرزا صاحب میرے مکرم مین لفظ استقراء کی شرح
کا آپ سے طلبگار ہون۔ کیا اسکی مراد تجربہ یا معمول سے نہین جو
اسکے سوا ہو وہ فرمادیجئے۔

دوم - آپکے دوسرے مقدمہ مین جو آپ فرماتے ہین کہ الہام شرح اپنے آپ ہی کری اور اسکو محتاج معقولات کا نہ کیا جاے بہت سا حصہ صحیح ہے مگر سمجھنے کیواسطے الہام اور عقل کی وہی تشبیہ ہے جو آنکھ اور روشنی کی ہے روشنی ہو اور آنکھ نہ ہو تو فائدہ نہین ہے - آنکھ گو ہو اور روشنی نہ ہو تب بہی فائدہ نہین سمجھنے کیواسطے عقل درکار ہے اور جس امر کو سمجھین وہ چاہئے کہ الہامی ہو - مراد میری یہ ہی کہ وہ امر جو مد نہین پاتا الہام سے اور صرف انسانی خیال کے گھڑت ہو وہ البتہ الہام مین شامل نہین کیا جائیگا - مگر جو الہام مین ہے اور شمع الہامی نیچے رکھی ہوئی ہے تو اسکے واسطے عقل انسانی شمعدان ہو سکتی ہے

امر سوم - جناب یہودیون کا اتفاق ہم سے کیون طلب کرتے ہین جبکہ لفظ موجود ہین اور لغت موجود ہے اور قواعد موجود ہین خود معنے کرین جو معنے بن سکین وہ ٹہیک ہین لفظ بلفظ کلام مین ذمہ نہین اٹہا سکتا مگر بالاجمال ساری نبوتون کو اس مقدمہ مین مسیح نے اپنے اوپر لیا ہے چنانچہ یوحنا کے ۵ باب ۳۹ آیت میں اور لوقا کے ۲۴ باب ۲۷ آیتہ مین یہ امر شرح ہی - یوحنا تم نوشتون مین ڈہونڈہتے ہو کیونکہ تم گمان کرتے ہو کہ اُنمین تمہارے لئے ہمیشہ کی زندگی ہے اور یہ وے ہی ہین جو مجھپر گواہی دیتے ہین اور موسے اور سب نبیون سے شروع کرکے وہ باتین جو سب کتابون مین اسکے حق مین ہین اُنکے لئے تفسیر کین -

ماسوا اسکے بعض خاص نبوتین بہی مسیح پر نوشتون مین لگائی گئی ہین -

چنانچہ متی کے ۲۶ باب ۳۱ آیتہ میں اس پیش خبری کا جو بابت ہمتا کے ہی حوالہ دیا گیا علےٰ ہذا القیاس بہت سی اور بہی مثالین ہین جنکی فہرست مین ذیل مین دیدیتا ہون

یسعیا ۶ - باب ۱ سے ۲ بمقابلہ یوحنا ۱۲ - باب ۴۱ و ۴۲ - اعمال ۲۸ باب ۲۶ کے پھر یسعیا ۴۰ باب ۳ ملاکی ۳ باب ۱ بمقابلہ متی ۳ باب ۳ ذکریا ۱۲ باب ۱۰ - ا

بمقابلہ یوحنا ۱۹ باب ۷، ۳ - یرمیا ۳۱ باب ۳۱، ۳۴ بمقابلہ عبرانی ۸ باب ۶ سے ۱۲
عبرانی ۱۰ باب ۱۲ سے ۱۹ - خروج ۱۷ باب ۲ گنتی ۲۰ باب ۳ و ۴ گنتی ۲۱ باب
۴ و ۵ استثنا ۶ باب ۱۶ - یہ چارون مقام بمقابلہ پہلا قرنتی ۱۰ باب ۹ سے ۱۱
یسعیا ۴۱ باب ۴ و ۴۴ باب ۶ بمقابلہ مکاشفات ۱ باب ۸ - ۱۱ و ۱۷ - ۲ باب ۸ -
۲۲ - باب ۶ و ۲۲ باب ۱۳ یوئیل ۲ باب ۳۲ بمقابلہ رومی ۱۰ باب ۹ سے ۱۳ یسعیا
۷ باب ۱۴ - و ۸ باب ۱۰ بمقابلہ متی ۱ باب ۲۳ -

زبان عبرانی سے جس امر کی آپ گرفت کرین موجود ہے ابھی پیش کیا جائیگا -

چوتھا - لفظ کمال کی جو جناب گرفت فرماتے ہین کہ انجیل در خود کامل ہونی چاہئے تو دریافت طلب امر یہ ہی کہ کس امر مین کامل - کیا سونار کے کام مین یا لوہار کے کام مین یہ تو دعوی ہی ان کتابون کا نہین مگر راہ نجات کے دکھلانے کے کام مین یہ دعوے الکا ہے - انجیل نے جو اس باب مین اپنا کمال دکھلایا وہ ہم پیش کر دیتے ہین چنانچہ لکہا ہے کہ آسمان کے تلے آدمیون کو کوئی دوسرا نام نہین بخشا گیا جس سے ہم نجات پا سکین سوا مسیح کے -

اور رومیون کے خط مین لکہا ہے اگر نجات فضل سے ہی تو عمل عمل نہین و اگر نجات عمل سے ہی تو فضل فضل نہین اس سے پھر وہی امر ثابت ہوا کہ مسیح نے خود کہا کہ راہ حق اور زندگی مین ہی ہون یوحنا ۱۴ باب ۶ - اور یاد رکہنا چاہئے کہ کلام الہی مین اکثر خداوند یہ فرمایا کرتا ہے کہ مین ہی ہون مین ہون اور اسکا ایما اس نام پر ہے جو موسے سے خدا نے کہا کہ میرا نام مین ہون سو ہون اور اس نام سے مین پہلے معروف نہ تھا یہ تجھکو جتایا جاتا ہی - خروج ۳ باب ۱۴ آیت -

قلت وقت کے سبب جواب ناتمام رہا -

دستخط انگریزی مارٹن کلارک پریزیڈنٹ
از جانب عیسائیان

دستخط بحروف انگریزی غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ
از جانب اہل اسلام

بیان جواب مرزا صاحب

میرا جواب جو نا تمام رہگیا تہا اب بقیہ حصہ اسکا لکہوا تا ہون مسٹر عبد اللہ آتہم صاحب فرماتے ہین جو ہم جسمانی چیز کو جو مظہر اللہ تہی اللہ نہین مانتے اور ہمنے ابن اللہ کو جسم نہین مانا ہم تو اللہ کو روح جانتے ہین صاحب موصوف کا یہ بیان بہت پیچیدہ اور دہوکہ دینے والا ہے صاحب موصوف کو صاف لفظون مین کہنا چاہئے تہا کہ ہم حضرت عیسےٰ ع کو خدا جانتے ہین اور ابن اللہ مانتے ہین کیونکہ یہ بات تو ہر ایک شخص سمجہتا اور جانتا ہے کہ جسم کو ارواح کے ساتہہ ایسا ضروری تلازم نہین ہے کہ تا جسم کو حصہ دار کسی شخص کا ٹہیرایا جاے مثلاً انسان کو جو ہم انسان جانتے ہین تو کیا بوجہ اسکے ایک خاص جسم جو اسکو حاصل ہے انسان سمجہا جاتا ہے ظاہر ہے کہ یہ خیال تو بہداہت باطل ہے کیونکہ جسم ہمیشہ معرض تحلل مین پڑا ہوا ہے چند برس کے بعد گویا پہلا جسم دور ہو کر ایک نیا جسم آجاتا ہے اس صورت مین حضرت مسیح کی کیا خصوصیت ہے کوئی انسان بہی باعتبار جسم کے انسان نہین ہے بلکہ باعتبار روح کے انسان کہلاتا ہے اگر جسم کی شرط ضروری ہوتی تو چاہئے تہا کہ مثلاً زید جو ایک انسان ہے ساٹہہ برس کی عمر پانیکے بعد زید نرہتا بلکہ کچہ اور بنجاتا کیونکہ ساٹہہ برس کے عرصہ مین اُسنے کئی جسم بدلے یہی حال حضرت مسیح ع کا ہی جو جسم مبارک انکو پہلے ملا تہا جسکے ساتہہ انہون نے تولد پایا تہا وہ تو نہ کفارہ ہو سکا اور نہ کسی کام آیا۔ بلکہ قریباً تیس برس کے ہو کر انہون نے ایک اور جسم پایا اور اسی جسم کی نسبت خیال کیا گیا کہ گویا وہ صلیب پر چڑہایا گیا۔ اور پھر ہمیشہ کے لئے خدا تعالےٰ کے داہنے ہاتہہ روح کے ساتہہ شامل ہو کر بیٹہا ہے اب جبکہ صاف اور صریح طور پر ثابت ہی کہ جسم کو روح کے صفات

اور القاب سے کچھ تعلق نہین اور انسان ہو یا حیوان ہو وہ باعتبار اپنے
روح کے انسان یا حیوان کہلاتا ہی اور جسم ہر وقت معرض تحلل مین ہے تو
اس صورت میں اگر حضرات عیسائی صاحبوں کا یہی عقیدہ ہے کہ مسیح درحقیقت
خدا تعالے ہی - تو مظہر اللہ کہنے کی کیا ضرورت ہی کیا ہم انسان کو مظہر انسان کہا
کرتے ہین ایسا ہی اگر حضرت مسیح کے روح انسانی روح کیسی نہیں ہی اور انہون نے مریم
صدیقہ کے رحم میں اس طریق اور قانون قدرت سے روح حاصل نہین کی جسطرح
انسان حاصل کرتے ہین اور جو طریق طبابت اور ڈاکٹری کے ذریعہ سے مشاہدہ
مین آچکا ہے تو اول تو یہ ثبوت دینا چاہئے کہ انکے جنین کا نشو و نما پانا کسی
نرالے طریق سے تہا اور پہر بعد اسکے اس عقیدہ کو چہپ چہپ کر خوف زدہ
لوگون کی طرح اور پیرائون اور رنگون میں کیون ظاہر کریں - بلکہ صاف
کہدینا چاہئے کہ ہمارا خدا مسیح ہے اور کوئی دوسرا خدا نہین ہے جس
حالت مین خدا اپنی صفات کاملہ مین تقسیم نہین ہو سکتا اور اگر اسکی صفات
تامہ اور کاملہ مین سے ایک صفت ہی باقی رہ جائے تب تک خدا کا لفظ
اسپر اطلاق نہین کر سکتے -

تو اسصورت مین میری سمجھ مین نہین آسکتا کہ تین کیونکر ہو گئے جب
آپ صاحبون نے اس بات کو خود مان لیا اور تسلیم کر لیا ہے کہ خدا تعالے
کے لئے ضروری ہے کہ وہ مستجمع جمیع صفات کاملہ ہو - تو اب یہ تقسیم جو
کی گئی ہے کہ ابن اللہ کامل خدا اور باپ کامل خدا اور روح القدس
کامل خدا اسکے کیا معنے ہین اور کیا وجہ ہے کہ یہ تین نام رکہے جاتے
ہین کیونکہ تفریق نامون کی اس بات کو چاہتی ہے کہ کسی صفت کی کمی و
بیشی ہو -

مگر جب کہ آپ مان چکے کہ کسی صفت کی کمی و بیشی نہین تو پھر وہ تینوں اقنوم میں ما بہ الامتیاز کون ہے جو ابھی تک آپ لوگوں نے ظاہر نہیں فرمایا۔ جس امر کو آپ ما بہ الامتیاز قرار دینگے وہ بھی منجملہ صفات کاملہ کی ایک صفت ہوگی جو اس ذات میں پائی جانی چاہیئے جو خدا کہلاتا ہے اب جبکہ اس ذات میں پائی گئی جو خدا قرار دیا گیا تو پھر اسکے مقابل پر کوئی اور نام تجویز کرنا یعنی ابن اللہ کہنا یا روح القدس کہنا بالکل لغو اور بیہودہ ہو جائیگا۔ آپ صاحب اس میرے بیان کو خوب سوچ لیں کیونکہ یہ دقیق مسئلہ ہے ایسا نہ ہو کہ جواب لکھنے کے وقت یہ امور نظر انداز ہو جائیں۔ خدا وہ ذات ہے جو مستجمع جمیع صفات کاملہ ہے اور غیر کا محتاج نہین اور اپنے کمال میں دوسرے کا محتاج نہین اور جو مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب نے دفعہ ۲ مین موسے کی جھاڑی کی تمثیل پیش کی ہے یہ محل متنازعہ فیہ سے کچھ علاقہ نہین رکھتی۔ صاحب موصوف مہربانی فرما کر قرآن کریم سے ثابت کر کے دکھلا دین کہ کہان لکھا ہے کہ وہ آگ ہی خدا تھی۔ یا آگ ہی میں سے آواز آئی تھی۔ بلکہ خدا تعالے قرآن شریف میں صاف فرماتا ہے۔ فلما جاءها نودی ان بورک من فی النار ومن حولها وسبحان اللہ رب العلمین۔ (سورہ نمل۔ س ۱۹ - رکوع ۱۶) یعنے جب موسیٰ آیا تو پکارا گیا کہ برکت دیا گیا ہے جو آگ مین ہے۔ اور جو آگ کے گرد ہے اور اللہ تعالے پاک ہے تجسم اور تحیز سے اور وہ رب ہے تمام عالموں کا۔ اب دیکھیئے اس آیت مین صاف فرما دیا کہ جو آگ مین ہے اور جو اوسکے گرد مین ہے اسکو برکت دی گئی۔ اور خدا تعالی نے پکار کر اسکو برکت دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آگ

مین وہ چیز تہی جس نے برکت پائی نہ کہ برکت دینے والا وہ تو نودی کے لفظ مین آپ اشارہ فرما رہا ہے کہ اس نے آگ کے اندر اور گرد کو برکت دی اس سے ثابت ہوا کہ آگ مین خدا نہین تہا اور نہ مسلمانون کا یہ عقیدہ ہے بلکہ اللہ جل شانہ اس وہم کا خود دوسری آیتہ مین ازالہ فرماتا ہے وسبحان اللہ رب العالمین یعنے خدا تعالے اس حلول اور نزول سے پاک ہے وہ ہر ایک چیز کا رب ہے۔
اور اسی طرح خروج ۳ باب آیت ۲ مین لکھا ہے کہ اسوقت خداوند کا فرشتہ ایک بوٹے مین سے آگ کے شعلے مین سے اسپر ظاہر ہوا۔
اور مسٹر عبد اللہ آتہم صاحب جو تحریر فرماتے ہین کہ قرآن مین اس موقعہ پر یہ بہی لکہا ہے مین تیرے باپ اسحاق اور ابراہیمؑ اور یعقوبؑ کا خدا ہون یہ بیان سراسر خلاف واقع ہے۔ قرآن مین ایسا کہین نہین لکہا۔ اگر صاحب موصوف کے حوالجات کا ایسا ہی حال ہے کہ ایک خلاف واقعہ امر جرات کے ساتہہ تحریر فرما دیتے ہین تو پہر وہ حوالجات جو توریت اور انجیل کے تحریر فرماتے ہین وہ بہی کتابین پیش کر کے ملاحظہ کے لایق ہونگی۔
اور پہر صاحب موصوف تحریر فرماتے ہین کہ توریت مین مسیح کو یک تن اور انبیا کو یک من کر کے لکہا ہے۔
مین کہتا ہون کہ توریت مین نہ تو کہین یک تن کا لفظ ہے اور نہ یک من کا۔ صاحب موصوف کی بڑی مہربانی ہوگی کہ بہ تشریح توریت کے رو سے ثابت کرین کہ توریت نے جب دوسرے انبیا کا نام ابناء اللہ رکہا تو اسے مراد یکمن ہونا تہا۔ اور جب مسیح علیہ السلام کا نام ابن اللہ

کہا تو اسکا لقب یک تن رکھہ دیا میری دانست مین تو ادرانیہا حضرت مسیح علیہ السلام سے اس القاب بابلی مین بڑہے ہوئے ہین - کیونکہ حضرت مسیح ع خود اس بات کا فیصلہ کرتے ہین اور فرماتے ہین کہ میرے ابن اللہ کہنے مین تم کیون رنجیدہ ہو گئے یہ کونسی بات تہی زبور مین تو لکہا ہے کہ تم سب الہ رہو -

حضرت مسیح ع کے اپنے الفاظ جو یوحنا ۱۰ باب ۳۵ مین لکہے ہین یہ ہین کہ جسنے کہا تم خدا ہو جبکہ اسنے انہین جنکے پاس خدا کا کلام آیا - خدا کہا اور ممکن نہین کہ کتاب باطل ہو تم اسے جسے خدا نے مخصوص کیا اور جہان مین بہیجا کہتے ہو کہ تو کفر بکتا ہے کہ مین خدا کا بیٹا ہون اب منصف لوگ اللہ تعالیٰ سے خوف کر کے ان آیات پر غور کرین کہ کیا ایسے موقعہ پر کہ حضرت مسیح ع کی ابنیت کے لئے سوال کیا گیا تہا حضرت مسیح ع پر یہ بات فرض نہ تہی کہ اگر وہ حقیقت مین ابن اللہ تہے تو انہین یہ کہنا چاہئے تہا کہ مین دراصل خدا تعالیٰ کا بیٹا ہون اور تم آدمی ہو مگر انہون نے تو ایسے طور سے الزام دیا جسے انہون نے مہر لگا دی کہ میرے خطاب مین تم اعلےٰ درجہ کے شریک ہو بجہے تو بیٹا کہا گیا اور تمہین خدا کہا گیا -

پہر صاحب موصوف فرماتے ہین کہ توریت مین اگرچہ دوسرون کو بہی بیٹا کہا گیا ہے مگر مسیح کی بہت بڑہ کر تعریفین کی گئی ہین - اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تعریفین مسیح کے حق مین اس وقت قابل اعتبار سمجہی جائینگی جس وقت ہماری شرائط پیش کردہ کے موافق اسکو ثابت کر دو گے - اور دوسری یہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام یوحنا ۱۰ باب مین آپ کے تاویل کے مخالف اور ہمارے بیان

کے موافق ہین - اور یہ خیالات آپکے حضرت مسیح علیہ السلام نے خود رد فرما دیئے ہین -

بقیہ کا جواب آپکے جواب کے بعد لکھا جائیگا -

دستخط بحروف انگریزی غلام قادر فصیح پریذیڈنٹ ازجانب اہل اسلام

دستخط بحروف انگریزی مارٹن کلارک پریزیڈنٹ ازجانب عیسائیان

روئداد

جلسہ مباحثہ

۲۴ مئی ۱۸۹۳ء

آج سولہ منٹ اوپر چھ بجے مسٹر عبداللہ آتھم صاحب نے اپنا جواب لکھانا شروع کیا اور سولہ منٹ اوپر سات بجے ختم ہوا۔ اور بلند آواز سے سنایا گیا۔ مرزا صاحب نے سات بجے پچاس منٹ اوپر جواب لکھانا شروع کیا اور آٹھ بجے چھیالیس منٹ پر ختم کیا اور پھر بلند آواز سے سنا دیا گیا۔ ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب نے نو بجے پچیس منٹ پر شروع کیا اور دس بجے پچیس منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سنایا گیا۔ بعد ازاں تحریروں پر میر مجلس صاحبان کے دستخط کئے گئے اور مصدقہ تحریرین فریقین کو دی گئیں بعد ازاں چند ایک تجاویز صورت مباحثہ کے تبدیل کرنیکے متعلق پیش ہوئیں مگر سابقہ صورت ہی بحال رہی۔ اسکے بعد جلسہ برخاست ہوا۔

دستخط بحروف انگریزی ہنری مارٹن کلارک۔ | دستخط بحروف انگریزی غلام قادر فصیح۔
پریزیڈنٹ از جانب عیسائیان | پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام

مطبوعہ ریاض ہند امرتسر

مورخہ ۲۴ مئی ۱۸۹۳ء از جانب ڈپٹی عبد اللہ آتھم صاحب

اول مین خوش ہوا یہ سُنکر کہ پیدایش آدم وحوا مین دلیل استقراء نہین لگ سکتی جسکا نتیجہ یہ ہے کہ قاعدہ عامہ مین استثنا جایز ہے۔

اول جناب جو فرماتے ہیں کہ مسیح کا جسم زوال پذیر تہا اسہین ؟ اسواسطے نہ وہ کفارہ ہوسکا اور نہ کسی کام مین آیا اِسکے جواب میں عرض ہے کہ ہم انسانی جسم مسیح کو مسیح قرار نہین دیتے مگر سارا وجود انسانی جو گناہ سے پاک تہا اور سوائے گناہ کے اور سب باتون مین ہمارے مساوی اور مخلوق تہا اور ما سوائے اِنسانیت کے وہ مظہر اللہ بہی تھا یعنے جائے ظہور اللہ کا جس پاک انسانیت مین بار گناہان سب کا اپنے اوپر اوٹھا لیا اور اقنوم ثانی اللہ مے وہ بار اُٹہوا دیا۔

اور یون معاوضہ گناہان کا ہوکر کفارہ پورا ہوگیا۔ پہر وجود انسانی کے قایم ودایم رہنے کی کیا ضرورت باقی تہی (یعنی ہیچ)۔

دوئم۔ اپکا دوسرا اعتراض مسیح خدا تعالی نہے تو مظہر اللہ کہنے کی کیا ضرورت ہے کیا انسان کو مظہر انسان کہا کرتے ہین جواب مسیح انسان کو اسکی الوہیت متعلق کے مشابہ کیون کرتے ہین۔ انسان مین تو جسم علیحدہ چیز ہے اور روح علیحدہ چیز ہے اور جان ایک علیحدہ شے ہے۔ چنانچہ روح وہ شے ہے جسکے متعلق صفات علم اور ارادہ کے ہین۔ جسم وہ شے ہے جسمین نہ علم ہے نہ ارادہ کے ہے۔ جان وہ قوت ہے جو نباتات مین بہی غذا کو بذریعہ رگ وریشہ کے پہنچاتی ہے لیکن خدا یا مظہر اللہ ان ساری ملل سے علیحدہ ہے اور وہ قایم فی نفسہ ہے۔

سیوم جناب میرزا صاحب کے خیال میں مسیح کی روح قانون قدرت کے موافق مریم سے حاصل ہوئی تھی اسی لیئے وہ خدا نہین ہوسکتے۔ بجواب اسکے عرض ہے کہ مسیح کی انسانی روح اگرچہ قانون قدرت کے موافق نہین پیدا ہوئی تاہم خلقیت مین مساوی ہے۔ اور اشتقاق روح کا دوسری روح سے نہین ہوتا جو موم سے شق ہو کے وہ روح آئی ہو کیونکہ روح جوہر فرد ہے اور کسی قانون اور آئین کا نام نہین بلکہ شے مع صفات و تعریف شخص کی ہے تو پھر آپ یون کیون فرماتے ہین کہ مسیح کی روح مریم سے حاصل ہوئی تھی کیون نہ اسکو کہیں کہ نئی مخلوق ہوئی تھی اور ماسوا اسکے الوہیت سے اس بات کا کیا علاقہ ہے ہم تو بار بار کہہ چکے کہ مظہر اللہ ماسوا اسکے انسانیت کی ہے ✤

چہارم: جناب کا سوال ہے کہ خدا منقسم نہین ہوسکتا پھر تین خدا کیونکر ہوئے اور اس تقسیم کی امتیاز کی بناء کیا ہے بجواب اسکے عرض ہے کہ ہم یون کہتے ہین کہ تثلیث کا سر صورت واحدہ مین تو ایک ہی اور صورت ثانی مین تین ہین اسکو ہم مشرح آیندہ تمہید مین کرینگے۔

صفت بینظیری کی صفت بیحدی سے نکلی ہے کیونکہ بینظیر مطلق وہ شے ہوسکتی ہے جو امکان تک نظیر کا مٹا ڈالے اور یہ امکان تب مٹ سکتا ہے کہ جب مکان گنجائش نظیر کا مٹ سکے یعنے وہ شے بے حد ہی ہو جسکے بارہ میں کہا جاسکتا ہے کہ قدامت اور ماہیت بیحدی اور بینظری کی واحد ہے کیونکہ نہین کہہ سکتے کہ بینظیری بے حدی سے کب نکلی اور کہان رہتی ہے کیونکہ وہ بے حدی سے علیحدہ نہین ہوسکتی پس اس نظیر سے آپ دیکھ سکتے ہین کہ ایک شے بمثل بیحدی کے قائم فی نفس ہے اور دوسری شے بمثل بینظری کے لازم اور ملزوم ساتھ اس بے حدی کے ہے اور خوب غور سے دیکھ لینا چاہئے کہ ان دونون صفتون مین ایک تمہید ایسی واقع ہے جسکو بداہت

کہا جاوے تو یہ ہر دو ایک صورت مین تو ایک ہی ہین اور دوسری صورت مین منفرد
جیسے مثال ہمنے دو صفات سے دی ہے تو یہ صفات بجا اجزا ہمہ شے ہونیکے حاوی
ہر کل شے ہین ایسا ہی جسکو ہم کہتے ہیں خدائے اب اور وہ بمثل بے خدی کے قائم فی نفسہ
اور جسکو ہم کہتے ہین ابن و روح القدس وہ لازم و ملزوم ساتھہ خدائے اب کے ہین-
اب ہمنے انکی یہ تمیز دکھلادی ہے ہم نہیں کہتے کہ ماہیت انکی منقسم ہے پس ہم
مشرک بھی نہین ہو سکتے کیونکہ ہم وحدہ لاشریک کے قائل ہین ہم تین خدا نہین بناتے
بلکہ ہم تینون اقانیم یا شخص مساوی یکدیگر کو صفات الہیہ سے کلام مین مقرین پاتے ہین
اور یہ ماہیت مین ایک ہین اور فی نفسہ لازم ملزوم ہونیکے باعث تین ہین-

پنجم جناب استفسار فرماتے ہین کہ قرآن سے ثابت کر دکھلاؤ کہ وہ آگ ہی خدا تھی
یا آگ مین سے آواز آئی تھی اور یہ آواز جو آئی تھی کہ مین ابراہیم و اسحاق اور یعقوب کا
خدا ہون- بجواب اسکے عرض یہ ہے کہ آواز غیب سے جو آئی اور جو مخاطب تھا موسی کے ہوئی
اسکا ذکر ابھی ہم نہین کرتے- لیکن وہ آواز یہ تھی کہ تحقیق مین تیرا رب ہون (س طہٰ ر ۱) اگر جناب
یہ کہین کہ آگ مین سے یہ آواز نہ تھی تو قرینہ الفاظ تو یہ نہین ظاہر کرتا کہ سوائے آگ کے اور
جگہ سے ہووے-.

اور سورہ قصص مین یون لکھا ہے کہ اسی آواز کے بارہ مین جو آگ یا جھاڑی مین سے آئی
کہ تحقیق مین ہون رب عالمون کا اور تیسری آیہ ماسوائے ان دو آیات کے جو جناب نے پیش کی
ہے یہ جملہ کہ مین ابراہیم و اسحاق و یعقوب کا خدا ہون یہ فی الواقع توریت مین ہے کہ جس
موقعہ کا قرآن میں یہ غلط اقتباس ہوا ہے انتہی میری غلطی ان لین کہ معنی توریت کے الفاظ
قرآن مین بیان کردئے مگر دراصل کچھہ فرق نہین کہ مین تیرا رب ہون اور رب العالمین
ہون اور اسے جو توریت میں لکھا ہے کہ مین تیرے باپ ابراہیم و اسحاق و یعقوب کا خدا
ہون نہ کم ہین نہ زیادہ- دلیل مظہر اللہ کی اسی سے پیدا ہوتی ہے کیونکہ شے مرئی خدا نہین ہوسکتا

ششتم یہ جو جناب فرماتے ہیں کہ ایک تن اور ایک من یہ ہر دو الفاظ توریت میں پائے نہیں جاتے بجواب اسکے ہماری غرض ہے کہ ہمنے یہ استنباط کیا تھا یعنے خلاصہ نکالا تھا اگر ایسا ہی آپ گرفت فرماینگے تو یہ وہ نقل ہوجاینگی کہ ایک شخص محمد بخش نامے کو کسینے کہا تھا کہ تو نماز کیوں نہیں پڑہا کرتا تو اُسنے کہا کہ کہاں لکہا ہے محمد بخش نماز پڑہا کرے - اب یہ کوئی دلیل نہیں مگر لطیفہ ہے -

ہفتم آپ ان الفاظ سے جو مسیح خداوند نے کہے کہ تم اسکو کفر نہیں کہتے ہو جو تمہاری قضات اور بزرگوں کو الوہیم کہا تب تم مجہہ کو ابن اللہ کہنے سے کیوں الزام دیتے ہو - یہودی لوگوں نے خداوند مسیح اپنے آپ کو کہتے تہے کہ میں بیٹا خدا کا ہوں تو سنگسار کرنیکو طیار ہوئے کہ تو اپنے آپ کو بیٹا خدا کا کہہ کے مساوی خدا کا بناتا ہے اور یہ کفر ہے اسلئے ہم تجہہ کو سنگسار کرتے ہیں ہمارے خداوند نے جنکے زعم کو اسطرح ہٹایا کہ مساوی خدا خدا ہوا - اگر مینے اپنے آپکو خدا کہا تو تمہارے بزرگوں کو جو خدایان کہا گیا وہاں تمنے انکو کفر کا الزام کیوں نہ دیا پس انکی یہ الزام بیجا خدا نے کردی نہ کہ اپنی الوہیت کا اُسنے انکار کردیا اور نہ اسکا کچہہ ثبوت پیش کیا - گویا اُنکی یہ علیحدہ بات رہی اور آمین نہ کمی کا اقرار ہے اور نہ زیادتی کا -

ہشتم یہ جو جناب فرماتے ہیں کہ مسیح کی تعریفیں توریت میں اور انبیاء سے بڑہکر بیان نہیں کیگئیں بجواب اسکے عرض ہے کہ ان سب نبیوں نے مدارنجات کا المسیح پر کہا ہے پھر آپ ہی یہ کیونکر فرماتے ہیں کہ مسیح کی صفات اور نبیوں سے بڑہکر نہیں کیگئیں کس نبی کے بارہ میں بجز مسیح یہ کہا گیا کہ وہ ہمتائے خدا ہے زکریا باب ۱۳ - ۷ - وہ یہوواہ صدقنو جو تخت داودی پر آنیوالا ہے - یرمیاہ باب ۲۳ - ۵ و ۶ و ۷ - وہ خدائے قادر اب ابدیت شاہ سلامتی ہے - مسیح مصلح جو تخت داودی پر ابد تک سلطنت کریگا - یسعیاہ ۹ - ۶ و ۷ -
تمتمتا

بقایا دیروزہ جسمیں جناب نے فضیلت کلام انجیل کی پوچہی ہے ملاحظہ فرمائیے یوحنا کے باب ۱۲ - ۴۸ سے ۵۰ تک انجیل وہ کلام ہے کہ جسکی موافق عدالت سب لوگوں کی ہوگی یعنے کل عالم کی -　　(باقی آیندہ)

دستخط بحرف انگریزی مارٹن کلارک پریزیڈنٹ
ازجانب عیسائیان -

دستخط بحرف انگریزی غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ
ازجانب اہل اسلام -

جواب حضرت مرزا صاحب - ۲۴ مئی ۱۸۹۳ء

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

کسی قدر کل کے سوالات کا بقیہ رہگیا تھا اب پہلے اُسکا جواب دیا جاتا ہے مسٹر عبداللہ آتہم صاحب مجھ سے دریافت فرماتے ہیں کہ استقرا کیا چیز ہے اور استقرا کی کیا تعریف ہے؟ اسکے جواب میں واضح ہو کہ استقرا اُسکو کہتے ہیں کہ جزئیات مشہودہ کا جہانتک ممکن ہے تتبع کرکے باقی جزئیات کا انہیں پر قیاس کردیا جائے۔ یعنے جسقدر جزئیات ہماری نظر کے سامنے ہوں یا تاریخی سلسلہ میں اُنکا ثبوت مل سکتا ہو تو جو ایک شان خاص اور ایک حالت خاص قدرتی طور پر وہ رکھتے ہیں اُسی پر تمام جزئیات کا اُسوقت تک قیاس کرلیں جب تک کہ اُنکے مخالف کوئی اور جُزی ثابت ہو کر پیش نہ ہو۔ مثلاً جیسے کہ میں پہلے بیان کرچکا ہوں نوع انسان کی تمام جُزئیات کا تتبع جہانتک حد امکان میں ہے ہو کر یہہ امر مسلّم الثبوت قرار پاچکا ہے کہ انسان کی دو آنکھیں ہوتی ہیں تو اب یہہ دو آنکھیں ہونے کا مسئلہ اُسوقت تک قایم اور برقرار سمجھا جائیگا جب تک اُسکے مقابل پر مثلاً چار یا زیادہ آنکھوں کا ہونا ثابت نہ کردیا جائے۔ اسی بنا پر میں نے کہا تھا کہ اللہ جل شانہ کی یہ دلیل معقولی کہ قد خلت من قبلہ الرسل جو بطور استقرا کے بیان کی گئی ہے یہہ ایک قطعی اور یقینی دلیل استقرائی ہے۔ جب تک کہ اس دلیل کو توڑکر نہ دکھلایا جائے اور یہہ ثابت نہ کیا جائے کہ خدا تعالیٰ کی رسالتوں کو لیکر خدا تعالیٰ کے بیٹے ہی آیا کرتے ہیں اُسوقت تک حضرت مسیح کا خدا تعالیٰ کا حقیقی بیٹا ہونا ثابت نہیں ہوسکتا کیونکہ اللہ جل شانہٗ اِس دلیل میں صاف توجہ دلاتا ہے کہ تم مسیح سے لیکر انبیا کے انتہائی سلسلہ تک دیکھ لو جہاں سے سلسلہ نبوت کا شروع ہوا ہے کہ بجز نوع انسان کے کبھی خدا یا خدا کا بیٹا بھی دنیا میں آیا ہے۔ اور اگر یہ کہو کہ آگے تو نہیں آیا مگر اب تو آگیا تو فن مناظرہ میں اِسکا

نام مصادرہ علی المطلوب ہے یعنے جو امر متنازعہ فیہ ہے اُسی کو بطور دلیل پیش کر دیا جائے مطلب یہ ہے کہ زیر بحث تو یہی امر ہے کہ حضرت مسیح ؑ اس سلسلہ متصلہ مرفوعہ کو توڑ کر کیونکر بحیثیت ابن اللہ ہونے کے دنیا میں آگئے اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت آدم نے بھی اپنی طرز جدید پیدائش میں اس سلسلہ معمولی پیدائش کو توڑا ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ ہم تو خود اس بات کے قائل ہیں کہ اگر دلائل معقولی سے یا تاریخی سے سلسلہ استقرار کے مخالف کوئی امر خاص پیش کیا جائے اور اُسکو ادلہ عقلیہ سے یا ادلہ تاریخیہ سے ثابت کر کے دکھلا دیا جائے تو ہم اسکو مان لینگے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ فریقین نے حضرت آدم ؑ کی اس پیدائش خاص کو مان لیا ہے گویا وہ بھی ایک سنّت اللہ طرز پیدائش میں ثابت ہو چکی ہے۔ جیسا کہ نطفہ کے ذریعہ سے انسان کو پیدا کرنا ایک سنت اللہ ہے اگر حضرت مسیح ؑ کو حضرت آدم ؑ کے ساتھ مشابہ کرنا ہے اور اس نظیر سے فائدہ اٹھانا مدنظر ہے تو چاہئے کہ جس طرح پر اور جن دلائل عقلیہ سے انتہائے سلسلہ نوع انسان کا حضرت آدم ؑ کی پیدائش خاص تسلیم کی گئی ہے اسی طرح پر حضرت مسیح ؑ کا ابن اللہ ہونا یا خدا ہونا اور سلسلہ سابقہ مشہودہ مثبتہ کو توڑ کر بحیثیت خدائی و ابنیت خدا تعالیٰ دنیا میں آنا ثابت کر دکھا دیں پھر کوئی وجہ انکار کی نہ ہوگی۔ کیونکہ سلسلہ استقرار کے مخالف جب کوئی امر ثابت ہو جائے تو وہ امر بھی قانون قدرت اور سنت اللہ میں داخل ہو جاتا ہی سو ثابت کرنا چاہئے۔ مگر دلائل عقلیہ سے پھر مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب فرماتے ہیں کہ الہام چاہئے کہ اپنی شرح آپ کرے سو واضح ہو کہ اسمیں ہمارا اتفاق رائے ہے بے شک الہام صحیح اور سچے کے لئے یہی شرط لازمی ہے کہ اُسکے مقامات مجملہ کی تفصیل بھی اُسی الہام کے ذریعہ سے کیجائے جیسا کہ قرآن کریم میں یعنے سورہ فاتحہ میں یہہ آیت ہے۔ اھدنا الصراط المُستقیم صراط الذین انعمت علیہم۔ اب اس آیت میں جو انعمت علیہم کا لفظ ہے یہہ ایک مجمل لفظ تھا اور تشریح طلب تھا تو خدا تعالیٰ نے دوسرے مقام میں خود اسکی تشریح کر دی اور فرمایا

کہ اولیٓئک الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین
(سیپارہ ۵ رکوع ۶)
اور پھر ڈپٹی صاحب موصوف اپنی عبارت میں جسکا خلاصہ لکھتا ہوں یہ فرماتے ہیں کہ الہام الہی کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ اپنے دعاوی کو دلائل عقلیہ سے ثابت کرے بلکہ اسکے لئے صرف بیان کر دینا کافی ہوگا اور پھر اس کتاب کے پڑھنے والے دلائل آپ پیدا کر لینگے یہ بیان ڈپٹی صاحب کا اس روک اور حفاظت خود اختیاری کے لئے ہے کہ میں نے یہ دلیل پیش کی تھی کہ خدا تعالی کی سچی کتاب کی یہ ضروری علامت اور شرط ہے کہ وہ دعوی بھی آپ کرے اور اس دعوی کی دلیل بھی آپ بیان فرماوے تا ہر ایک پڑھنے والا اسکا دلائل شافیہ پا کر اسکے دعاوی کو بخوبی سمجھ لیوے اور دعوے بلا دلیل نہ رہے۔ کیونکہ یہ ہر ایک متکلم کا ایک نقص سمجھا جاتا ہے کہ دعاوی کرتا چلا جائے اور ان پر کوئی دلیل نہ لکھے اب ڈپٹی صاحب موصوف کو یہ شرط سنکر یہ فکر پڑی کہ ہماری انجیل اس مرتبہ عالیہ سے خالی ہے اور وہ کسی صورت سے قرآن کریم کا مقابلہ نہیں کر سکتی بہتر ہے کہ کسی طرح سے اسکو ٹال ہی دیا جائے سو میری دانست میں ڈپٹی صاحب موصوف کا انجیل شریف پر یہ ایک احسان ہے جو آپ اسکی پردہ پوشی کی حمایت میں لگے ہوئے ہیں۔ افسوس کہ آپ نے ان کلمات کے لکھنے وقت اس بات کیطرف توجہ نہیں فرمائی کہ آپ ایک زمانہ دراز تک اکسٹرا اسسٹنٹ رہ چکے ہیں اور آپ کو بخوبی معلوم ہے کہ کیونکر ایک حاکم بحثیت اپنی حکومت کے متخاصمین میں فیصلہ کیا کرتا ہے کیا آپ نے کبھی ایسا بھی کیا ہے کہ صرف ڈگری یا ڈسمس کا حکم سنا کر روبکار اخیر کا لکھنا جسمیں مدلل وجوہات سے صادق کو صادق اور کاذب کو کاذب ٹھہرایا جاوے فضول سمجھا ہو۔ اور یہ تو دنیا کا کام ہے اسکے نقصان میں بھی چنداں ہرج نہیں ہے۔ لیکن اس خدا تعالی کا کلام جو غلط فہمی پر جہنم ابدی کے وعید سناتا ہے کیا وہ ایسا ہونا چاہئے کہ صرف دعوی سنا کر

ایک عالم کو مصیبت میں ڈال دے اور اس دعوی کی براہین اور دلائل جنکا بیان کرنا خود اُسکا ذمہ تھا بیان نفرماوے کیا اُسکی رحیمیت کا یہی تقاضا ہونا چاہئیے - ماسوا اِسکے آپ جانتے ہیں کہ انبیا اُسوقت میں آیا کرتے ہیں کہ جب دنیا تاریکی میں پڑی ہوتی ہے اور عقلیں ضعیف ہوتی ہیں اور فکر ناتمام ہوتے ہیں اور جذبات نفسانیہ کے دخان غلبہ اور جوش میں ہوتے ہیں اب آپ انصاف کریں کہ کیا اس صورت میں خدا تعالیٰ کا حق نہیں ہے کہ وہ اپنے کلام کو ظلمت کے اُٹھا ڈالنے کے لئے مدلّل طور پر پیش کرے اور ظلمت سے نکالے نہ یہہ کہ گول مول اور پیچیدہ بیانات پیش کر کے اور بہی ظلمت اور حیرت میں ڈالدیوے - ظاہر ہے کہ حضرت مسیح ع سے پہلے یہود لوگ بنی اسرائیل سیدہے سادے طور پر خدا تعالیٰ کو مانتے تھے اور اس ماننے میں وہ بڑے مطمئن تہے اور ہر ایک دل بول رہا تہا کہ خدا حق ہے جو زمین و آسمان کا پیدا کرنیوالا اور مصنوعات کا صانع حقیقی ہے اور واحد لاشریک ہے اور کسی قسم کا دغدغہ خداشناسی میں کسی کو نہ تہا - پھر جب حضرت مسیح ع تشریف لائے تو وہ آنحضرت علیہ السلام کے بیانات سُنکر گھبرا گئے کہ یہ شخص کس خدا کو پیش کر رہا ہے - توریت میں تو ایسے خدا کا کوئی پتہ نہیں لگتا - تب حضرت مسیح ع نے کہ خدا تعالے کے سچے نبی اور اُسکے پیارے اور برگزیدہ تہے - اس وہم باطل کو دور کرنے کے لئے کہ یہودیوں نے بباعث کوتہ اندیشی اپنی کے اپنے دلوں میں جما لیا تہا وہ اپنے کلمات مبارکہ پیش کئے جو یوحنا ۱۰ باب ۲۹ - ۳۰ آیت میں موجود ہیں چنانچہ وہ عبارت بجنسہ ذیل میں لکہدی جاتی ہے چاہئیے کہ تمام حاضرین حضرت مسیح ع کی اس عبارت کو غور سے اور توجہ سے سُنیں کہ ہم میں اور حضرت عیسائی صاحبون میں پورا پورا فیصلہ دیتی ہے اور وہ یہہ ہے

میرا باپ جس نے انہیں مجھے دیا ہے سب سے بڑا ہے - اور کوئی انہیں میرے باپ کے ہاتھ سے چھین نہیں لے سکتا میں اور باپ ایک ہیں تب یہودیوں نے پھر پتھر اٹھائے

کہ اسپر پتھراؤ کریں یسوع نے انہیں جواب دیا کہ میں نے اپنے باپ کے بہت سے اچھے کام تمہیں دکھائے ہیں ان میں سے کس کام کے لئے تم مجھے پتھراؤ کرتے ہو۔ یہودیوں نے اُسے جواب دیا اور کہا کہ ہم تجھے اچھے کام کے لئے نہیں بلکہ اسلئے کہ تجھے پتھراؤ کرتے ہیں کہ تو کفر کہتا ہے اور انسان ہو کے اپنے تئیں خدا بناتا ہے یسوع نے انہیں جواب دیا کیا تمہاری شریعت میں یہ نہیں لکھا ہے کہ میں نے کہا تم خدا ہو جبکہ اُسنے انہیں جنکے پاس خدا کا کلام آیا خدا کہا اور ممکن نہیں کہ کتاب باطل ہو تم اُسے جسے خدا نے مخصوص کیا اور جہان میں بھیجا کہتے ہو کہ تو کفر بکتا ہے کہ میں نے کہا میں خدا کا بیٹا ہوں۔

اب ہر ایک منصف اور ہر ایک متدین سمجھ سکتا ہے کہ یہودیوں کا یہ اعتراض تھا کہ انہوں نے باپ کا لفظ سنکر اور یہ کہ میں اور باپ ایک ہیں یہ خیال کر لیا کہ یہ اپنے تئیں خدا تعالیٰ کا حقیقی طور پر بیٹا قرار دیتا ہے تو اُسکے جواب میں حضرت مسیح عم نے صاف صاف لفظوں میں کہدیا کہ مجھ میں کوئی زیادہ بات نہیں دیکھو تمہارے حق میں تو خدا کا اطلاق بھی ہوا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر حضرت مسیح عم درحقیقت اپنے تئیں ابن اللہ جانتے اور حقیقی طور سے اپنے تئیں خدا تعالے کا بیٹا تصور کرتے تو اس بحث اور پرخاش کے وقت میں جب یہودیوں نے اُنپر الزام لگایا تھا مرد میدان ہوکر صاف اور کھلے کھلے طور پر کہ دیتے کہ میں درحقیقت ابن اللہ ہوں اور حقیقی طور پر خدا تعالیٰ کا بیٹا ہوں۔ بھلا یہ کیا جواب تھا کہ اگر میں اپنے تئیں بیٹا قرار دیتا ہوں تو تمہیں بھی تو خدا کہا گیا ہے بلکہ اس موقعہ پر تو خوب تقویت اپنے اثبات دعویٰ کی انکو ملی تھی کہ وہ بقول ڈپٹی صاحب وہ تمام پیشینگوئیاں پیش کر دیتے جو ڈپٹی صاحب موصوف نے اپنے کل کے جواب میں لکھائے ہیں بلکہ ایک فہرست بھی ساتھ دیدی ہے اور انہیں اسوقت کہنا چاہئے تھا کہ تم تو اسی قدر بات پر ناراض ہوگئے کہ میں نے کہا کہ میں خدا کا بیٹا ہوں اور میں تو بموجب بیان تمہاری کتابوں کے اور بموجب فلاں فلاں پیشگوئی

گے خدا بھی ہوں۔ قادر مطلق بھی ہوں۔ خدا کا ہمتا بھی ہوں کوئی سا مرتبہ خدائی کا ہے جو مجھ میں نہیں ہے۔ غرض کہ یہ مقام انجیل شریف کے تمام مقامات اور بائبل کی تمام پیشگوئیوں کو حل کرنے والا اور بطور اُنکی تفسیر کے ہے۔ مگر اُسکے لئے جو خدا تعالے سے ڈرتا ہے۔

پھر ڈپٹی صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ "یہودیوں کا اتفاق کیوں مانگا جائے" سو واضح ہو کہ یہودیوں کا اتفاق اسلئے مانگا جاتا ہے کہ وہ نبیوں کی اولاد اور نبیوں سے مسلسل طور پر تعلیم پاتے آئے اور انجیل شریف کا بھی مقام شہادت دے رہا ہے کہ ہر ایک تعلیم نبیوں کی معرفت اُنکو سمجھائی گئی بلکہ حضرت عیسیٰ ؑ خود شہادت دیتے ہیں "کہ فقیہ اور فریسی موسیٰ کی گدی پر بیٹھے ہیں جو کچھ وہ تمہیں ماننے کو کہیں وہ عمل میں لاؤ۔ لیکن اُنکے سے کام نہ کرو کیونکہ وہ کہتے ہیں پر کرتے نہیں" (متی ۲۳ باب ا)

اب حضرت مسیح ؑ کے اِس فرمودہ سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اپنے متبعین اور شاگردوں کو نصیحت فرما رہے ہیں کہ یہودیوں کی رائے عہد عتیق کے بارہ میں ماننے کے لائق ہے تم ضرور اسکو مانا کرو کہ وہ حضرت موسیٰ کی گدی پر بیٹھے ہوئے ہیں اس سے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہودیوں کی شہادت کو رد کرنا ایک قسم کی نافرمانی حضرت مسیح کے حکم کی ہے اور یہودی یہ تو اپنی تفسیروں میں کہیں نہیں لکھتے کہ کوئی حقیقی خدا یا خدا بیٹا آئے گا۔ ہاں ایک سچے مسیح کے منتظر ہیں اور اُس مسیح کو خدا نہیں سمجھتے اگر سمجھتے ہیں تو اُنکی کتابوں میں سے اسکا ثبوت دیں۔ (باقی آئندہ)

دستخط - بحروف انگریزی غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام	دستخط - بحروف انگریزی ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان

بیان ڈپٹی صاحب مسٹر عبد اللہ آتھم

۲۴- مئی ۱۸۹۳ء

بقیہ جواب - خدا کے کلام کی فضیلت و کمالیت ٭

پہلے انجیل اس بات کی مدعی ہے کہ وہ لازوال کلام ہے حتی کہ لوگوں کی عدالت اُسی کے موافق ہوگی (یوحنا ۱۲- باب ۴۸ سے ۵۰ تک) ٭

دوم - انجیل اپنے تئیں نجات کے ازلی بھید کا کاشف کہتی ہے (رومی ۱۶- باب ۲۵ و ۲۶) (پطرس کا پہلا خط ۱- باب ۲۰) ٭

سوم - انجیل اپنے تئیں خدا کی قدرت کہتی ہے (رومی ایک باب ۱۶) ٭

چہارم - انجیل اپنے تئیں زندگی اور بقا کی روشنی کرنیوالی کہتی ہے (طمطاوس کا دوسرا خط ۱ باب ۱۰)

پنجم - انجیل انسانی حکمت کا نہیں لیکن اپنے تئیں خدا کی روح کا فرمایا ہوا کلام فرماتی ہے (قرنطیون کے نام کا پہلا خط ۲- باب ۱۲ و ۱۳ و پطرس کا دوسرا خط پہلا باب ۱۹) ٭

ششم - اس انجیل کے مقابل میں ہر ایک انجیل ہیچ ہے (گلاتی کے نام کا خط ۱ باب ۸) ٭

پس یہ وہ امور ہیں کہ جو کلام اللہ کی فضیلت و کاملیت و خوبی و فیض رسانی پر دال ہیں نہ وہ امور جو معاشرت کے متعلق ہیں کہ جنکی نسبت حکیم ڈاکٹر انسان کو واجبی شرح بتا سکتے ہیں ٭

جناب نے جو فرمایا قرآن میں لکھا ہے اکملت لکم دینکم غالباً بروئے متن کلام قرآن متعلق معاشرت کے ہے کہ جسمیں حل و حرمت کا ذکر ہے ٭

بجواب اعتراضات ۲۴ مئی ۱۸۹۳ء

اول استقرا کے معنی ہم سمجھ چکے ہیں کہ معمول اور گذشتہ پیوستہ میں جو تجربہ قانون بتاتا ہے اسکو استقرا کہتے ہیں - اس کے بارہ میں جناب مرزا صاحب کا فرمانا درست ہے کہ اگر

کچھہ استثنا اسکا ہو تو امکان محض اسکا ثابت کرنا کافی نہیں ہے مگر واقعی اسکا ثابت کرنا ضروری ہے۔ سو اسکے بارہ میں عرض آئی ہے کہ مقدمہ مسیح کا بالکل استثنائی ہے جسکے واسطے ہمنے آیات کلام الٰہی پیش کی ہیں ٭ مزید برآں ہم یہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ کثرت فی الوحدت عہد عتیق میں موجود ہے اگر وہ موجود نہوتی تو یہودی صادق ٹھہر سکتے تھے اور چونکہ یہ امر وہاں موجود ہے تو انکو کچھہ عذر نہونا چاہئے۔ پس میں بطور مثال دو نظیریں پیش کرتا ہوں۔ اول یہ کہ پیدائش ۱ باب ۲۶ میں لکھا ہے ویومر الوہیم نعشا آدام بسلمنو قد میتونو یعنی کہا الوہیم خدا نے ہم بناویں آدم کو اوپر صورتوں اپنیوں کے اور اوپر شکلوں اپنیوں کے ٭ دوم۔ پیدائش ۳ باب ۲۲ میں ہے یہوا الوہیم نے کہا کہ دیکھو انسان نیک و بد کی پہچان میں ہم میں سے ایک کی مانند ہو گیا۔ اس آیت میں جس جملہ کا ترجمہ یہ ہے کہ ہم میں سے ایک کی مانند ہو گیا (عبرانی میں کاحد ممنو ہے) اس جملہ متکلم مع الغیر کو دیکھہ کر یہودیوں نے یہ معنی کئے ہیں کہ خدا تعالےٰ اس موقع پر فرشتگان کو اپنی معیت میں لیتا ہے۔ اور سر سید احمد خاں بہادر نے یہ لکھا ہے کہ غیر اس جملہ میں وہ آدم ہا طبقہ ماقبل آدم معروفہ کے ہیں جو گناہ کر کے تباہ ہو گئے اور کلمہ لو ممنو میں متکلم مع الغیر نہیں بلکہ جمع غائب ہے۔ مراد ان دونو صاحبونکی یہ ہے کہ کثرت فی الوحدت کی تعلیم ثابت نہونے پائی ٭

اب ہم اُن صاحبوں سے سوالات ذیل رکھتے ہیں۔ اول یہودیوں سے یہ کہ آپ کے فرشتوں کا مرجوع متن کلام میں کہاں ہے۔ کیا صیغہ ہم کا اسم ضمیر نہیں؟ اور کیا اسم ضمیر کیلئے مرجوع کا ہونا اسکے قریب میں ضرور نہیں؟ اور اگر کوئی کلام بغیر مرجوع کے نشاندہی کے در خود ہو تو کیا اسکو مبہم اور مخبط نہیں کہتے؟ جیسا کہ اگر میں کسی سے کہوں کہ وہ بات یوں تھی اور قبل اور مابعد میں اسکا ذکر نہو کہ کونسی بات۔ تو کیا یہ خبط کلامی نہیں؟ پس جب فرشتگان کا ذکر معیت میں کرتے ہیں تو انکو متن ہی میں اُن فرشتوں کو دکھانا چاہئے ٭ دوم اگر فرشتے ہی اسکے مصداق ہوویں تو ضرور ہے کہ بدی کا علم انکا ذاتی ہو یا کسبی۔ اگر ذاتی ہو

تو وہ مخلوق نہیں ہو سکتے کیونکہ علم ذاتی قائم بالذات کا ہوتا ہے - اور اگر کسبی ہو تو یہ کسب انکو ناپاک
کر دیتا ہے تو پس وہ صحبت اقدس خالق کے لائق کیونکر ہوئی جو بہشت میں انکے لئے بتا دیں
سر سید صاحب سے اول سوال ہمارا وہی ہے کہ متن میں مرجع اُن آدم ہا کا جو قبل آدم معروف کئے
متصور ہیں کہاں ہیں - بمتن تو درکنار جناب کے جیالوجی میں بھی کہاں ہے کہ جسکا فخر جناب
کرتے ہوں ماسوا اسکے اگر جیالوجی سے لندن کے کسی اوڑ سائنس میں ہو تو اُسکا پتہ دلویں ہم
یقین کرتے ہیں کہ وہ ہرگز ایسا پتہ نہ دیسکینگے اور نہ اس عہدہ برائی سے بہودی باہر آسکتے ہیں
مگر مسیحوں کا مُنہ بند کرنے کے لئے خیالات باطلہ پیش کرتے ہیں اور اس سے صاف تر فقرہ کیا ہو سکتا
ہے اور کیا تاویل ایسے فقرہ کی ہو سکتی ہے کہ دیکھو انسان نیک و بد کی پہچان میں ہم میں سے
ایک کی مانند ہو گیا - لغت و اصطلاح منطق و معانی صرف و نحو ان سارے معیاروں کے آگے
ہم اس فقرہ کو رکھتے ہیں - سر سید احمد خان بہادر نے جو الوہیم میں تعظیمی بیان کی - حضرت ہمکو
کہیں سے دکھلا دیویں کہ نیچر میں یا واقعات میں اسماء خاص میں بھی کہیں تعظیم و تذلیل
ہو سکتی ہے - کیا سر سید کا نام سر سید احمدان بھی ہو سکتا ہے ؟ یہ ڈھکوسلہ بازی نہیں تو اور کیا ہے
سر سید صاحب نے فرمایا ہے کہ تعلیم ابراہیم میں یہ جو ہیم تعظیمیہ ہے وہ بھی باطل بلکہ ابطل ہے
اسلئے یہ فرضی دیوتا تھے واقعی اشخاص نہ تھے اور بڑے مورتھائے انکی کے متفرق جگہو نمیں
پوجے جاتے تھے اور کثرت مورتوں کے لحاظ سے کثرت نامو نمیں رکھی گئی - جیسکہ [illegible]
کرشن یا رامچندر کی مورتیں آتی ہیں جنکی بابت کہا جاتا ہے کہ ہمارا دیو یا کرشنوں اور رامچندوں کا ہے
غرض ہماری یہ ہے کہ نام خاص میں تعظیم اور تذلیل کچھہ نہیں ٭

سوم - ایک امر جو احد کے باہر ہو اسکا امکان تو عقل سے ہم پیش کرینگے اور جو واقعہ ہو تو کلام سے
سو الہامی کتابوں سے ہم نے الوہیت مسیح اور مسئلہ تثلیث فی التوحید کو بخوبی پیش کر دیا ہے اور امکان
بھی عقل سے دکھلا دیا ہے - پس اب ہمارے ذمہ بار ثبوت کچھہ باقی نہیں ٭

چہارم - الہام کا شارح ملہم ہی ہونا چاہئے - اس بابہ میں آپکا فرمانا بہت بیجا

درست ہے اور فضل ہے کیونکہ اگر الہام کسی جگہہ مجمل اور مبہم معلوم ہو تو دوسرے موقع الہام سے اسکی شرح اچھی طرح ہو سکتی ہے لیکن اگر کسی الہام میں کوئی تعلیم ایک ہی موقع پر ہو اور وہ بھی مشرح نہو تو تاویل عقلی کو اسمیں گنجایش ہے +

ہم اسکو دریا میں نہیں پھینک سکتے ہیں بلکہ وہاں اسکی تاویل عقلی کرینگے +

پنجم - وہ جو خداوند مسیح نے کہا کہ تم میرے ابن اللہ کہنے پر کفر کا الزام کیوں لگاتے ہو کیا تمہارے قضات اور بزرگوں کو الوہیم نہیں کہا گیا - انپر کفر کا الزام نہیں ہے تو مجھپر کیوں ؟ اس سے اس نے اپنی الوہیت کا انکار کچھ نہیں کیا - مگر ان کے حصہ کو بیجا ٹھیرایا - اور تہام دیا - علاوہ برآں متی کے ۱۶ باب ۱۳ تا ۱۶ میں اس خطاب کو خدا نے حواریوں سے منظور بھی فرمایا کہ وہ زندہ خدا کا بیٹا ہے - پھر متی ۲۶ - ۶۳ میں مرقوم ہے تب سردار کاہن نے اُسے کہا میں تجھے زندہ خدا کی قسم دیتا ہوں - اگر تو مسیح خدا کا بیٹا ہے تو ہم سے کہہ - یسوع نے اُسے کہا - ہاں - وہ جو تو کہتا ہے +

(باقی آیندہ)

دستخط - بحروف انگریزی	دستخط - بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک	غلام قادر فصیح
پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان	پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام

۲۵ مئی سنہ ۱۸۹۳ء
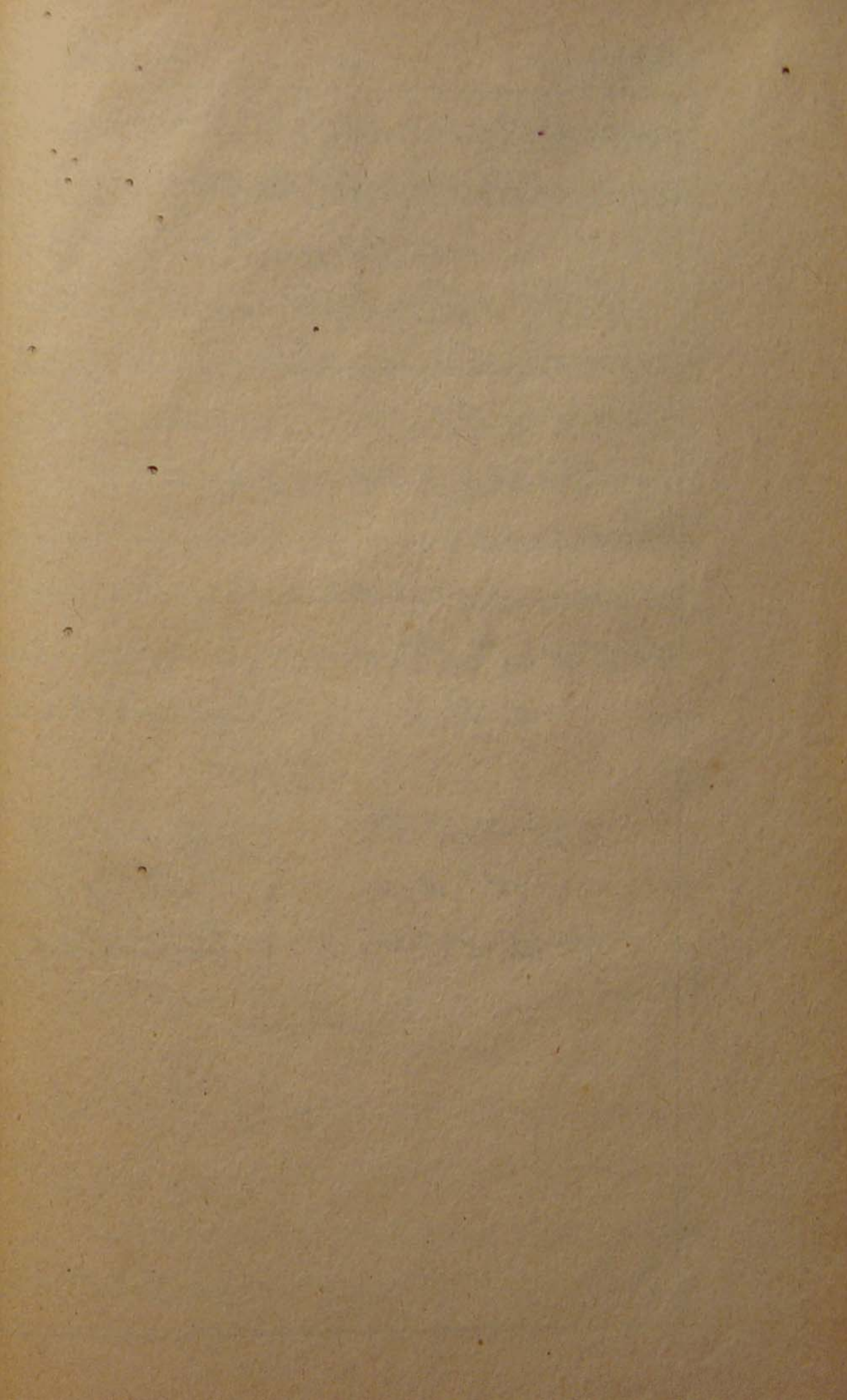
آج چھہ بجے ۸ منٹ پر میرزا صاحب نے اپنا جواب لکھانا شروع کیا اور سات بجے آٹھ منٹ پر ختم کیا - اس موقعہ پر یہ تحریک پیش ہوئی اور باتفاق رائے پیش ہوئی کہ چونکہ مضمون سنائے جانے کیوقت کاتب تحریروں کا مقابلہ بھی کرتے ہیں اسلئے ان کی روک ٹوک کیوجہ سے مضمون بے لطف ہو جاتا ہے اور سامعین کو مزہ نہیں آتا - بنا بران ایسا ہونا چاہیئے کہ کاتب پیشتر مضمون سنائے جانیکے باہم تحریروں کا مقابلہ کر لیا کریں - پہر ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب نے ۷ بجے ۴۵ منٹ پر جواب لکھانا شروع کیا اور آٹھ بجے ۳۵ منٹ پر ختم کیا اور بعد مقابلہ بلند آواز سے سنایا گیا - پہر مرزا صاحب نے ۹ بجے ۴۲ منٹ پر شروع کیا اور ۱۰ بجے ۴۲½ منٹ پر ختم ہوا اور بلند آواز سے سنایا گیا - بعد ازاں فریقین کی تحریروں پر میر مجلس صاحبان کے دستخط ہوئے اور مصدقہ تحریریں فریقین کو دی گئیں اور جلسہ برخاست ہوا -

دستخط بحروف انگریزی ہنری مارٹن کلارک
پریزیڈنٹ ازجانب عیسائیان

دستخط بحروف انگریزی غلام قادر فصیح
پریزیڈنٹ ازجانب اہل اسلام -

مطبوعہ ریاض ہند امرتسر

۲۵ مئی ۱۸۹۳ء وقت ۱۰ بجے

بیان حضرت مرزا صاحب

ڈپٹی عبد اللہ آتھم صاحب نے میرے پہلے بیان پر جو بنے کتاب آسمانی کے لئے بطور ضروری اعجازی علامت کے یہ لکھا تہا کہ دونوں کتابیں انجیل اور قرآن شریف کا انکے کمالات ذاتیہ میں مقابلہ کیا جائے تو ڈپٹی صاحب کمال کے لفظ پر گرفت فرماتے ہیں کہ کمال کیا چیز ہے کیا سنار اور لوہار کا کمال بلکہ راہ نجات دکھلانیکا کمال ہوتا ہو۔ اسکے جواب میں لکہا جاتا ہو کہ راہ نجات دکہلانیکا دعوے اس صورت میں اور اسی حال میں کمال متصور ہوگا کہ جب اسکو ثابت کر کے دکہلایا جاوے اور پہلے اُس اثبات کا ذکر کرنا ہی میرے نزدیک بیمحل ہے۔ اب واضح ہو کہ اللہ جلشانہ نے قرآن کریم میں اپنی کمال تعلیم کا آپ دعویٰ فرمایا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي الخ آج میں نے تمہارے لئے دین تمہارا کامل کیا اور اپنی نعمت یعنی تعلیم قرآنی کو تم پر پورا کیا۔ اور ایک دوسرے محل میں اس کمال کی تشریح کیلئے کہ اکمال کس کو کہتے ہیں فرماتا ہے۔ الم تر کیف ضرب اللہ مثلا کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلها ثابت وفرعها فی السماء توتی اکلها کل حین باذن ربها۔ ویضرب اللہ الامثال للناس لعلهم یتذکرون ومثل کلمۃ خبیثۃ کشجرۃ خبیثۃ اجتثت من فوق الارض ما لها من قرار۔ یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ ویضل اللہ الظلمین۔ س ۱۳ ر ۱۶ ۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کیونکر بیان کی اللہ نے مثال یعنی مثال دین کامل کی کہ بات پاکیزہ درخت پاکیزہ کی مانند ہے جسکی جڑہ ثابت ہو اور شاخیں اسکی آسمان میں ہوں اور وہ ہر ایک وقت اپنا پھل اپنے پروردگار کے حکم سے دیتا ہو اور یہ مثالیں اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے بیان کرتا ہے تا لوگ اُن کو یاد کر لیں اور نصیحت پکڑ لیں

اور ناپاک کلمہ کی مثال اُس ناپاک درخت کی ہے جو زمین پر سے اُکھڑا ہوا ہے اور اُسکو
قرار و ثبات نہین سو اللہ تعالی مومنون کو قول ثابت کے ساتھ یعنے جو قول ثابت شدہ
اور مدلل ہے اس دُنیا کی زندگی اور آخرت مین ثابت قدم کرتا ہے اور جو لوگ ظلم اختیار کرتا
کرتے ہین انکو گمراہ کرتا ہے یعنے ظالم خدا تعالی سے ہدایت کی مدد نہین پاتا جبتک ہدایت
کا طالب نہ ہو۔

اب دیکھیے کہ ڈپٹی صاحب موصوف نے آیۃ اکملت لکم کی تشریح مین صرف اتنا
فرمایا تھا کہ یہ غالباً امور معاشرت کے متعلق معلوم ہوتی ہے لیکن ڈپٹی صاحب موصوف اسبات
کو تسلیم کر چکے ہین کہ کسی آیۃ کے وہ معنی کرنے چاہیے کہ الہامی کتاب آپ کرے۔ اور الہامی
کتاب کی شرح دوسری شرحون پر مقدم ہے۔ اب اللہ تعالی ان آیات مین کلام پاک اور
مقدس کا کمال تین باتون پر موقوف فرما دیتا ہے۔ اول یہ کہ اصلہا ثابت یعنی اصول ایمانیہ
اسکے ثابت اور محقق ہون اور فی حد ذاتہ یقین کامل کے درجہ پر پہنچے ہوئے ہون اور فطرۃ انسانی
اسکو قبول کرے کیونکہ ارض کے لفظ سے اس جگہ فطرۃ انسانی مراد ہے جیسا کہ من فوق
الارض کا لفظ صاف بیان کر رہا ہے اور ڈپٹی صاحب اسسے انکار نہین کرینگے خلاصہ یہ کہ
اصول ایمانیہ ایسے چاہئیں کہ ثابت شدہ اور انسانی فطرۃ کے موافق ہون۔ پھر دوسری نشانی
کمال کی یہ فرماتا ہے کہ فرعہا فی السماء یعنی اسکی شاخین آسمان پر ہون اسکا مطلب یہ ہے
کہ جو لوگ آسمان کیطرف نظر اٹھا کر دیکھین یعنے صحیفہ قدرت کو غور کی نگاہ سے مطالعہ کرین تو
اسکی صداقت انپر کھلجائے اور دوسری یہ کہ وہ تعلیم یعنی فروعات اس تعلیم کے جیسے اعمال کا بیان
احکام کا بیان اخلاق کا بیان یہ کمال درجہ پر پہنچے ہوئی ہون جسپر کوئی زیادہ متصور نہ ہو جیسا کہ ایک
چیز جب زمین سے شروع ہو کر آسمان تک پہنچ جائے تو اسپر کوئی زیادہ متصور نہین۔
پھر تیسری نشانی کمال کی یہ فرمائی کہ توتی اکلہا کل حین ہر ایک وقت اور ہمیشہ کے لئے
وہ اپنا پھل دیتا رہے ایسا نہ ہو کہ کسی وقت خشک درخت کیطرح ہو جاوے جو پھل پھول سے

بالکل خالی ہے اب ایسا ہی دیکھو کہ اللہ تعالی نے اپنے فرمودہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ کی تشریح آپ ہی فرما دی کہ اہمیں تین نشانیوں کا ہونا ازبس ضروری ہے سو جیسا کہ اس نے یہ تین نشانیاں بیان فرمائی ہیں اسیطرح پر اسنے انکو ثابت کر کے بھی دکھلا دیا ہے اور اصول ایمانیہ جو پہلی نشانی ہے جیسے مراد کلمہ لا الہ الا اللہ ہے اسکو اس قدر بسط سے قرآن شریف میں ذکر فرمایا گیا ہے کہ اگر میں تمام دلایل لکھوں تو پھر چند جزو میں بھی ختم نہ ہونگے مگر تھوڑا سا انمیں سے بطور نمونہ کے ذیل میں لکھتا ہوں - جیسا کہ ایک جگہ یعنی سیپارہ دوسرا سورۃ البقر میں فرماتا ہے - اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْکِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ کُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ یعنے تحقیق آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور رات اور دن کے اختلاف اور ان کشتیوں کے چلنے میں جو دریا میں لوگوں کے نفع کیلئے چلتے ہیں اور جو کچھ خدا نے آسمان سے پانی اوتارا اور اُسّے زمین کو اسکے مرنے کے بعد زندہ کیا اور زمین میں ہر ایک قسم کے جانور بکھیر دئے اور ہواؤں کو پھیرا اور بادلوں کو آسمان اور زمین میں مسخر کیا یہ سب خدا تعالی کے وجود اور اسکی توحید اور اسکے الہام اور اسکے مدبر بالارادہ ہونے پر نشانات ہیں - اب دیکھئے اس آیۃ میں اللہ جلشانہ نے اپنے اس اصول ایمانی پر کیسا استدلال اپنے اس قانون قدرت سے کیا یعنی اپنے ان مصنوعات سے جو زمین و آسمان میں پائی جاتی ہیں جنکی دیکھنے سے مطابق منشاء اس آیت کریمہ کے صاف صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ بیشک اس عالم کا ایک صانع قدیم اور کامل اور وحدہ لاشریک اور مدبر بالارادہ اور اپنے رسولوں کو دنیا میں بھیجنے والا ہے - وجہ یہ کہ خدا تعالی کی یہ تمام مصنوعات اور یہ سلسلہ نظام عالم کا جو ہماری نظر کے سامنے موجود ہے یہ صاف طور پر بتلا رہا ہے کہ یہ عالم خود بخود نہیں بلکہ اسکا ایک موجد اور صانع ہے جسکے لئے یہ ضروری صفات ہیں کہ وہ رحمان بھی ہو اور رحیم بھی ہو اور قادر مطلق بھی ہو اور واحد لاشریک بھی ہو اور ازلی ابدی بھی ہو اور مدبر بالارادہ بھی ہو اور مستجمع جمیع صفات

کاملہ بھی ہو اور وحی کو نازل کرنے والا بھی ہو **دوسری** نشانی یعنی فرعہا فی السماء جسکے معنے یہ ہین کہ آسمان تک اسکی شاخین پہنچی ہوئی ہیں اور آسمان پر نظر ڈالنے والے یعنے قانون قدرت کے مشاہدہ کرنیوالے اسکو دیکھ سکین اور نیز وہ انتہائی درجہ کی تعلیم ثابت ہو۔ اسکے ثبوت کا ایک حصہ تو اسی آیۃ موصوفہ بالا سے پیدا ہوتا ہے کس لئے کہ جیسا کہ اللہ جلشانہ نے مثلاً قرآن کریم میں یہ تعلیم بیان فرمائی ہے کہ الحمد للہ رب العالمین الرحمن الرحیم مالک یوم الدین جسکے یہ معنے ہین کہ اللہ جلشانہ تمام عالمون کا رب ہے یعنے علۃ العلل ہر ایک ربوبیت کا وہی ہے۔ دوسری یہ کہ وہ رحمن بھی ہے یعنی بغیر ضرورت کسی عمل کے اپنی طرف سے طرح طرح کے آلاء اور نعماء شامل حال اپنے مخلوق کے رکھتا ہے اور رحیم بھی ہے کہ اعمال صالحہ کے بجالانے والون کا مددگار رہتا ہے اور انکے مقاصد کو کمال تک پہنچاتا ہے اور مالک یوم الدین بھی ہے کہ ہر ایک جزا سزا اسکے ہاتھ مین ہے جس طرح پر چاہے اپنے بندہ سے معاملہ کرے چاہے تو اسکو ایک عمل بد کی عوض مین وہ سزا دیوے جو اس عمل بد کے مناسب حال ہو اور چاہے تو اسکے لئے مغفرت کے سامان میسر کرے یہ تمام امور اللہ جلشانہ کے اس انتظام کو دیکھ کر صاف ثابت ہوتے ہین۔

پھر **تیسری** نشانی جو اللہ تعالے نے یہ فرمائی تو تی اکلہا کل حین یعنی کامل کتاب کی ایک یہ بھی نشانی ہے کہ جس پھل کا وہ وعدہ کرتی ہے وہ صرف وعدہ ہی وعدہ نہ ہو بلکہ وہ پھل ہمیشہ اور ہر وقت مین دیتی رہے اور پھل سے مراد اللہ جلشانہ نے اپنا لقا مع اسکے تمام لوازم کے جو برکات سماوی اور مکالمات الہیہ اور ہر ایک قسم کی قبولیتین اور خوارق ہین رکھی ہے جیسا کہ خود فرماتا ہے ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملائکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون نحن اولیاءکم فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ ولکم فیہا ما تشتھی انفسکم ولکم فیہا ما تدعون۔ نزلا من غفور رحیم (سی ع ۱۸) وہ لوگ جنہون نے کہا ہمارا رب اللہ ہی

پہر اونہون نے استقامت اختیار کی یعنے اپنی بات سے نہ پہرے اور طرح طرح کے زلازل انپر آئے مگر اونہون نے ثابت قدمی کو ہاتھ سے نہ دیا۔ انپر فرشتے اُترتے ہین یہ کہتے ہوئے کہ تم کچھہ خوف نہ کرو اور نہ کچھہ حزن اور اس بہشت سے خوش ہو۔ جسکا تم وعدہ دئیے گئے تہے یعنے اب وہ بہشت تمہین ملگیا اور بہشتی زندگی اب شروع ہوگئی۔ کس طرح شروع ہوگئی نحن اولیاءکم الخ اس طرح کہ ہم تمہارے متولی اور متکفل ہو گئے اس دُنیا مین اور آخرت مین اور تمہارے لئے اس بہشتی زندگی مین جو کچھہ تم مانگو وہی موجود ہے یہ غفور رحیم کیطرف سے مہمانی ہے۔ مہمانی کے لفظ سے اس پہل کیطرف اشارہ کیاہے جو آیۃ تؤتی اکلھا کل حین مین فرمایا گیا تہا۔ اور آیۃ فرعہا فی السماء کے متعلق ایک بات ذکر کرنے سے رہگئی کہ کمال اِس تعلیم کا باعتبار اسکے انتہائی درجہ ترقی کے کیونکر ہے اِسکی تفصیل یہ ہے کہ قرآن شریف سے پہلے جس قدر تعلیمین آئین درحقیقت وہ ایک قانون مختص القوم یا مختص الزمان کیطرح تہین اور عام افادہ کی قوت اِن مین نہین پائی جاتی تہی۔ لیکن قرآن کریم تمام قومون اور تمام زمانون کی تعلیم اور تکمیل کے لئے آیا ہے مثلاً نظیر کے طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ ؑ کی تعلیم مین بڑا زور سزا دہی اور انتقام مین پایا جاتا ہے جیسا کہ دانت کے عوض دانت اور آنکھ کے عوض آنکھ کے فقرون سے معلوم ہوتا ہے اور حضرت مسیح کی تعلیم مین بڑا زور عفو اور درگذر پر پایا جاتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ دونون تعلیمین ناقص ہین نہ ہمیشہ انتقام سے کام چلتا ہے اور نہ ہمیشہ عفو سے بلکہ اپنے اپنے موقعہ پر نرمی اور درشتی کی ضرورت ہوا کرتی ہے جیسا کہ اللہ جلشانہ فرماتا ہے جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا ومن عفا واصلح فاجرہ علی اللہ [س ۲۵ - ر ۵] یعنے اصل بات تو یہ ہے کہ بدی کا عوض تو اسیقدر بدی ہے جو ہوچکی ہے لیکن جو شخص عفو کرے اور عفو کا نتیجہ کوئی اصلاح ہو نہ کہ کوئی فساد یعنے عفو اپنے محل پر ہو نہ غیر محل پر پس اجر اسکا اللہ پر ہے یعنی یہ نہایت احسن طریق ہے

اب دیکھئے اس سے بہتر اور کونسی تعلیم ہوگی کہ عفو کو عفو کی جگہ اور انتقام کو انتقام کی جگہ رکہا۔ اور پہر فرمایا ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربےٰ (س ۱۴ ر ۱۹) یعنے اللہ تعالےٰ حکم کرتا ہے کہ تم عدل کرو اور عدل سے بڑہکر یہ ہے کہ باوجود رعایت عدل کے احسان کرو اور احسان سے بڑہکر یہ ہے کہ تم ایسے طور سے لوگوں سے مروت کرو کہ جیسے کہ گویا کہ وہ تمہارے پیارے اور ذوی القربےٰ ہیں اب سوچنا چاہئے کہ مراتب تین ہی ہیں۔ اول انسان عدل کرتا ہے یعنی حق کے مقابل حق کی درخواست کرتا ہے پہر اگر اس سے بڑہے تو مرتبہ احسان ہے اور اگر اس سے بڑہے تو احسان کو بہی نظر انداز کر دیتا ہے اور ایسی محبت سے لوگوں کی ہمدردی کرتا ہے جیسے ما اپنے بچہ کی ہمدردی کرتی ہے یعنی ایک طبعی جوش سے نہ کہ احسان کے ارادہ سے۔ (باقی آیندہ)

دستخط بحروف انگریزی غلام قادر فصیح
پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام

دستخط بحروف انگریزی ہنری مارٹن کلارک
پریزیڈنٹ از جانب عیسائیان۔

۲۵ مئی سنہ ۱۸۹۳ء از جانب مسٹر عبداللہ آتھم صاحب

بقیہ دیروزہ

جناب مرزا صاحب مکرم میری جو فرماتے ہین کہ جو اسو نعلیم یہ کیسی کتاب الہامی سے ہون الکا ثبوت
بہی اسی کتاب کے بیان سے ہو یعنی اس قسم کی کہچڑی نہ ہو جائے کہ کچہہ تو کتاب کی تعلیم
سے پیدا ہو جائے اور کچہہ ذہن اُس شخص کے سے جو تائید کرنے کے واسطے اس تعلیم
کے کہڑا ہے۔ جسکے جواب مین میری التماس یہ ہے کہ ہمنے مختصر ایک فہرست بنا دی
ہے کہ جسکو پادری ٹامس ہاول صاحب لکہوا دیوین کہ ہیں کمزور آدمی ہون۔

وہو ہذا

اول۔ کثرت فی الوحدت یرمیا ۲۳ باب ۶ اسکے دنون مین یہودا نجات
پاوے گا۔ اور اسرائیل سلامتی سے سکونت کریگا اور اسکا یہ نام رکہا جائیگا خداوند
ہماری صداقت اصل مین ہے یہوہ صدقنو

یسعیا ۷ باب ۱۴ و ۸ باب ۱۰ دیکہو کنواری حاملہ ہو گی اور بیٹا
جنیگی اور اس کا نام ایمانوائیل رکہین گے۔ تم منصوبہ باندہو پر وہ باطل
ہو گا حکم سناؤ پر وہ نہ ٹہریگا کہ خدا ہمارے ساتھ ہے اس جگہ لفظ ایمانوائیل
ہے۔ یسعیا ۴۰ باب ۳ ملاقی ۳ باب ۱ بمقابلہ متی ۳ باب ۳ زکریا ۱۲ باب
بمقابلہ یوحنا ۱۹ باب ۳۷ یسعیا ۶ باب ۵ بمقابلہ یوحنا ۱۲ باب ۳۷ و ۴۰ و ۴۱

دوم الوہیت کی لازمی صفات المسیح ہین

اول ازلیت یوحنا ۱ باب ۱ سے ۳ تک ابتدا مین کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا
اور کلام خدا تہا یہی ابتدا مین خدا کے ساتھ تہا سب چیزین اُس سے موجود ہوئین
اور کوئی چیز موجود نہ تھی جو بغیر اس کے ہوئی یوحنا ۸ باب ۵۸ یسوع
نے انہیں کہا میں تمسے سچ سچ کہتا ہوں پیشتر اسے

کہ ابراہام ہو میں ہوں مکاشفات ۱ باب ۸ خداوند یوں فرماتا ہے کہ میں الفا اور اومیگا اول اور آخر جو ہے اور تھا اور آنے والا ہے قادر مطلق ہوں - یوحنا ۱ باب ۵ یسعیاہ ۴۴ باب ۶ بمقابلہ مکاشفات ۴ باب ۸ و میکہ ۵/۲

دوم خالقیت یوحنا ۱/۳ و ۱۰ سب چیزیں اُس سے موجود ہوئیں کوئی چیز موجود نہ تھی جو بغیر اُسکے ہوئی وہ جہان میں تھا اور جہان اُسی سے موجود ہوا اور جہان نے اُسے نہ جانا - عبرانی ۱/۲ و ۳ ان آخری دنوں میں ہم سے بیٹے کے وسیلہ سے بولا جسنے اُسکو ساری چیزوں کا وارث ٹھہرایا اور جسکے وسیلہ اُسنے عالم بنائے وہ اُسکے جلال کی رونق اور اُسکی ماہیت کا نقش ہو کے سب کچھ اپنی ہی قدرت کے کلام سے سنبھال لیتا ہے - قلسی ۱/۱۵ و ۱۶ و ۱۷ افسی ۳/۹ مکاشفات ۴/۱۱ ان سب کا مقابلہ امثال ۸ باب سے -

تیسرا محافظ کل ہستی - قلسی ۱/۱۷ وہ سب سے آگے ہے اور اُس سے ساری چیزیں بحال رہتی ہیں بمقابلہ یسعیاہ ۴۴/۲۴ عبرانی ۱/۲ و ۳ و ۱۰

چوتھا لا تبدیل - عبرانی ۱۳/۸ یسوع مسیح کل اور آج اور ابد تک ایک سا ہے مزمور ۱۰۲/۲۵ و ۲۶ و ۲۷ بمقابلہ عبرانی ۱/۸ و ۱۰ و ۱۱ و ۱۲

پانچواں ہمہ دانی - پہلا سلاطین ۸/۳۹ تو اپنے مسکن آسمان پر سے سن اور بخش دے اور عمل کر اور ہر ایک آدمی کو جسکے دل کو تو جانتا ہے اُسکی سب روش کے مطابق بدلہ دے اسلئے کہ تو ہاں تو ہی اکیلا سارے بنی آدم کے دلوں کو جانتا ہے - (یہ خدا تعالیٰ کی تعریف ہے) بمقابلہ مکاشفات ۲/۲۳ اور سارے کلیسیاؤں کو معلوم ہوگا کہ میں وہی ہوں (یعنے یسوع مسیح) جو دلوں اور گردوں کا جانچنے والا ہوں اور میں تم میں سے ہر ایک کو اُسکے کاموں کے موافق بدلا دونگا - متی ۱۱/۲۷ و ۹/۴ و ۱۲/۲۵ لوقا ۶/۸ و ۹/۴۷ یوحنا ۱/۴۸ و ۲/۲۴ و ۲۵ و ۲۱/۱۷ قلسی ۲/۳

ششم حاضر و ناظر (مکانی) متی ۲۰/۱۸ کیونکہ جہاں دو یا تین میرے نام پر اکٹھے ہوں وہاں میں اُنکے بیچ میں ہوں۔ یوحنا ۱۳/۳ اور کوئی آسمان پر نہیں گیا۔ سوا اُس شخص کے جو آسمان پر سے اُترا یعنے ابن آدم جو آسمان پر ہے۔ (زمانی) متی ۲۰/۲۸ یوحنا ۵۸/۸

ساتواں قادر مطلق۔ یوحنا ۲۱/۵ جس طرح باپ مردوں کو اُٹھاتا ہے اور جلاتا ہے بیٹا بھی جنہیں چاہتا ہے جلاتا ہے مکاشفات ۸/۱ میں الفا اور امیگا اول اور آخر جو ہے اور تھا اور آنے والا ہے قادر مطلق ہوں متی ۱۸/۲۸ مرقس ۷/۲ یوحنا ۳/۳۵-۳۱ ۱۶/۱۵ فلپی ۲۱/۳ عبرانی ۷/۲۵ اول پطرس

آٹھواں ہمیشہ کی زندگی۔ یوحنا ۱۱/۲۵ یسوع نے اُسے کہا کہ قیامت اور زندگی میں ہی ہوں پہلا یوحنا ۵/۲۰

سوم المسیح مالک کل ہے رومی ۱۴ باب ۹ کہ مسیح اسلئے موا اور اُٹھا اور جیا کہ مردوں اور زندوں کا بھی خداوند ہو پہلا تمطاؤس ۶/۱۵ جسے وہ بر وقت ظاہر کریگا جو مبارک اور اکیلا حاکم بادشاہوں کا بادشاہ اور خداوندوں کا خداوند ہے۔ اعمال ۱۰/۳۶ افسی ۱/۲۲ مکاشفات ۱۹/۱۶

چہارم کل عالم کا اختیار رکھتا ہے متی ۲۸/۱۸ اور یسوع نے پاس آکر اُسے کہا کہ آسمان اور زمین کا سارا اختیار مجھے دیا گیا ہے متی ۱۱/۲۷ عبرانی ۱/۲

پنجم المسیح کی پرستش۔ ان آیات میں جس لفظ کا ترجمہ سجدہ ہوا ہے۔ اصل زبان میں پراس کونائی ہے جسکے خاص معنی پرستش الٰہی کے ہیں متی ۲/۱۱ و ۸/۲ و ۹/۱۸ و ۱۴/۳۳ و ۱۵/۲۵ و ۲۰/۲۰ و ۲۸/۹ مرقس ۵/۶ پہلا تسلونیقیوں ۳/۱۱ عبرانی ۱/۶ فلپی ۲/۱۰-۱۱ نبی اور بزرگ اور فرشتے ایسی پرستش اپنی سے سخت انکار کرتے رہے۔ مگر مسیح نے انکار نہیں کیا۔ مکاشفات ۱۹/۱۰ یوحنا نے انکار کیا اعمال ۱۰/۲۶ پطرس نے انکار کیا ۱۴/۱۴ پولوس نے انکار کیا۔

ششم۔ المسیح سے دعا مانگی جاتی ہے اعمال ۷/۵۹ استفنس پر پتھراؤ کیا جو یہہ کہہ کے دعا مانگتا تھا کہ اے خداوند یسوع میری روح کو قبول کر مرقس ۹/۲۴ لوقا ۲۳/۴۲

یوحنا ۹/۳۸ دوسری قرنطی ۱۲/۸و۹ مکاشفات ۵/۸-۱۲-۱۳

ہفتم۔ المسیح دنیا کی عدالت کریگا متی ۱۶/۲۷ کیونکہ ابن آدم اپنے باپ کے جلال میں اپنے فرشتوں کے ساتھ آویگا تب ہر ایک کو اُسکے اعمال کے موافق بدلہ دیگا۔ دوسری قرنطی ۵/۱۰ کیونکہ ہم سب کو ضرور ہے کہ مسیح کی مسند عدالت کے آگے حاضر ہوویں تاکہ ہر ایک جو کچھ اُسنے بدن میں ہو کے کیا بھلا یا بُرا مطابق اُسکے پاوے متی ۱۳/۴۱و۴۲و۴۳و۴۴ ۲۵/۳۱ سے ۴۶ یوحنا ۵/۲۲و۲۳و۲۴ اعمال ۱/۲۴

ہشتم المسیح گناہ بخشتا ہے۔ متی ۹/۶ لیکن تاکہ تم جانو کہ ابن آدم کو زمین پر گناہ معاف کرنے کا اختیار ہے لوقا ۵/۲۰ سے ۲۶ ۷/۴۸

نہم المسیح اپنے فرشتوں کو بھیجتا ہے۔ متی ۱۳/۴۱ ابن آدم اپنے فرشتوں کو بھیجیگا مکاشفات ۱/۱ و ۲۲/۶

نوٹ۔ اگر مسیح محض انسان ہی ہوتا تو صفات مذکورہ بالا جو فقط ذات باریتعالی پر عائد ہو سکتی ہیں اس پر کس طرح عاید ہوتیں۔ علاوہ اِسکے واضح ہو کہ انسان کی نجات و سزا وغیرہ کے متعلق المسیح کو وہ کام منسوب کئے گئے ہیں جو سوائے خالق کے مخلوق نہیں کرسکتا اور نہ بائیبل میں کسی اور کو منسوب کئے گئے۔

اب جناب کے اُن امور کا جواب جو پہلے پورا نہ ہوا تھا سو یہہ ہے کہ۔ جناب نے مسیح کی الوہیت کے مخالف اُسکا وہ بیان لیا ہے جو تمہاری کتب میں لکھا ہے تم سب خدا ہو تب تم میرے خدا ہونے کو کیوں رد کرتے ہو۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ مناسب تو یہہ تھا کہ اِس جگہ مسیح اپنے دعوی الوہیت کو مفصل پیش اور ثابت کرتا۔

جواب۔ میری التماس یہہ ہے کہ ایک شخص کا کچھ بیان کرنا منجملہ اُسکی وجوہات مضمنہ کے منافی اُسکے مابقی مضمنہ کا نہیں یعنے الوہیت کا انکار اسمیں نہیں۔ اِسمیں مراد

المسیح کی صرف اُنکے غصہ کو فرد کرنا تہا۔ کیونکہ وہ اس امر پر اسکو پتھراؤ کرنا چاہتے تہے۔ کہ اُسنے کہا کہ میں خدا کا بیٹا ہوں۔ اور اُنہوں نے یہہ معنے کئے اور صحیح کئے کہ تو اپنے آپ کو خدا کا بیٹا ٹھہرا کر خدا کا مساوی بنتا ہے۔ پس یہہ تیرا کفر ہے ہم اسلئے تجھے پتھراؤ کرتے ہیں اُسنے کہا کہ لفظ اللہ کہنے سے میرے پر کفر کس طرح عائد کرتے ہو کیا تمہارے ہاں کتب انبیا میں نہیں لکھا کہ قضات اور بزرگ الوہیم کہلائے اگر وہ الوہیم کہلائے اور کفر اُنپر عائد نہ ہوا اور مجکو جسے خدا نے مخصوص کیا ہے کفر کا الزام لگاتے ہو یہاں سے صاف نظر آتا ہے کہ اُنکی دیوانگی کے شعلہ کو فرو کیا ہے اور اپنی الوہیت کا (ان لفظوں میں) نہ انکار کیا نہ اقرار۔ فقط (باقی آئندہ)

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام	ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ از جانب عیسائیان

بیان حضرت مرزا صاحب

۲۵۔ مئی ۱۸۹۳ء

ڈپٹی عبد اللہ آتہم صاحب نے کمال کے لفظ پر گرفت کی تھی اسکا کسی قدر جواب بر عایت اختصار دے چکا ہوں مگر ڈپٹی صاحب موصوف نے ساتھ اسکے یہ فقرہ بھی ملا دیا ہے کہ نجات دینے میں کمال ہونا چاہئے اور منجی حضرت مسیح ؑ ہیں اور اُسکی تائید میں ڈپٹی صاحب نے بہت سی پیشگوئیاں بائبل اور نیز خطوط عبرانیوں وغیرہ سے لکھ کر پیش کئے ہیں مگر میں افسوس سے لکھتا ہوں کہ یہہ دردسر بے فائدہ اٹھائی گئی۔ میری طرف سے یہہ شرط ہو چکی تہی کہ فریقین میں سے جو صاحب اپنی الہامی کتاب کے متعلق کچھ بیان کرنا چاہیں اُسمیں یہ قاعدہ ہونا چاہئے کہ اگر وہ بیان از قسم دعوی ہو تو وہ دعوی بھی الہامی

کتاب آپ پیش کرے اور اگر وہ بیان از قسم دلائل عقلیہ ہو تو چاہئے کہ الہامی کتاب دلائل عقلیہ آپ پیش کرے نہ یہہ کہ الہامی کتاب پیش کرنے سے عاجز ہو اور اسکی حالت پر رحم کر کے اسکی مدد کیجائے۔ ڈپٹی صاحب توجہ فرماویں کہ مینے ابطال الوہیت کی جب دلیل پیش کی تو وہ اپنی طرف سے نہیں کی بلکہ وہی عقلی دلائل پیش کی جو قرآن کریم نے آپ فرمائی تھی۔ مگر میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ ڈپٹی صاحب موصوف نے مطابق شرائط قرار یافتہ کے عقلی دلائل میں سے کیا پیش کیا۔ اگر ڈپٹی صاحب یہہ فرماویں کہ ہمنے ایک ذخیرہ کثیرہ پیشگوئیاں کا جو پیش کر دیا تو اس سے زیادہ کیا پیش کیا جاتا تو اسکے جواب میں افسوس سے بھرے ہوئے دل کے ساتھ مجھے یہہ کہنا پڑتا ہے کہ وہ پیشگوئیاں دلائل عقلیہ میں سے نہیں ہیں وہ تو ہنوز دعاوی کے رنگ میں ہیں جو اپنے ثبوت کی بھی محتاج ہیں چہ جائیکہ دوسری چیز کی مثبت ہو سکیں۔ اور میں شرط کر چکا ہوں کہ دلائل عقلیہ پیش کرنی چاہئیں۔ ماسوا اسکے جس قدر پیش کیا گیا ہے حضرت مسیح ع اسکی تصدیق سے انکار کر رہے ہیں۔ اگرچہ میں اپنے کل کے بیان میں کسی قدر اس کا ثبوت دے چکا ہوں مگر ناظرین کی زیادت معرفت کی غرض سے پھر کسی قدر لکھتا ہوں کہ حضرت مسیح علیہ السلام یوحنا باب ۱۰ میں ۳۰ تک صاف طور پر فرما رہے ہیں کہ مجھ میں اور دوسرے مقربوں اور مقدسوں میں ان الفاظ کی اطلاق میں جو بائبل میں اکثر انبیا وغیرہ کی نسبت بولے گئے ہیں جو ابن اللہ ہیں یا خدا ہیں کوئی امتیاز اور خصوصیت نہیں۔ ذرہ سوچ کر دیکھنا چاہئے کہ حضرت مسیح ع پر یہودیوں نے یہ بات سنکر کہ وہ اپنے تئیں ابن اللہ کہتے ہیں یہ الزام لگایا تھا کہ تو کفر کہتا ہے یعنے کافر ہے۔ اور پھر انہوں نے اس الزام کے لحاظ سے انکو پتھراؤ کرنا چاہا اور بڑے افروختہ ہوئے۔ اب ظاہر ہے کہ ایسے موقعہ پر کہ جب حضرت مسیح ع یہودیوں کی نظر میں اپنے ابن اللہ کہلانے کی وجہ سے کافر معلوم ہوتے تھے اور انہوں نے اسکو سنگسار کرنا چاہا تو ایسے موقعہ پر

کہ اپنی بریت یا اثبات دعوی کا موقعہ تھا مسیح ع کا فرض کیا تھا ہر ایک عقلمند سوچ سکتا ہے کہ اس موقعہ پر کہ کافر بنایا گیا حملہ کیا گیا سنگسار کرنے کا ارادہ کیا گیا دو صورتوں میں سے ایک صورت اختیار کرنا مسیح کا کام تھا۔ اول یہ کہ اگر حقیقت میں حضرت مسیح خدا تعالیٰ کے بیٹے ہی تھے تو یوں جواب دیتے کہ یہ میرا دعوی حقیقت میں سچا ہے اور میں واقعی طور پر خدا تعالے کا بیٹا ہوں اور اس دعوی کے ثابت کرنے کے لئے میرے پاس دو ثبوت ہیں ایک یہ کہ تمہاری کتابوں میں میری نسبت لکھا ہے کہ مسیح درحقیقت خدا تعالیٰ کا بیٹا ہے بلکہ خود خدا ہے قادر مطلق ہے عالم الغیب ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے اگر تمکو شبہ ہی تو لاؤ کتابیں پیش کرو میں اُن کتابوں سے اپنی خدائی کا ثبوت تمہیں دکھلا دونگا یہہ تمہاری غلط فہمی اور کم توجہی اپنی کتابوں کی نسبت ہے کہ تم مجھکو کافر ٹھہراتے ہو تمہاری کتابیں ہی تو مجھے خدا بنا رہی ہیں اور قادر مطلق بتلا رہی ہیں پھر میں کافر کیونکر ہوا بلکہ تمہیں تو چاہیئے کہ اب میری پرستش اور پوجا شروع کردو کہ میں خدا ہوں۔ پھر **دوسرا** ثبوت یہ دینا چاہیئے تھا کہ آؤ خدائی کی علامتیں مجھ میں دیکھ لو جیسے خدا تعالے نے آفتاب ماہتاب ستیارے زمین وغیرہ پیدا کیا ہے ایک قطعہ زمین کا یا کوئی ستارہ یا کوئی اور چیز مینے بھی پیدا کی ہے اور اب بھی پیدا کر کے دکھلا سکتا ہوں اور نبیوں کے معمولی معجزات سے بڑھکر مجھ میں قوت اور قدرت حاصل ہے اور مناسب تھا کہ اپنے خدائی کے کاموں کی ایک مفصل فہرست انکو دیتے کہ دیکھو آجتک یہہ یہہ کام مینے خدائی کے کئے ہیں۔ کیا حضرت موسیٰ سے لیکر تمہارے کسی آخری نبی تک ایسے کام کسی اور نے بھی کئے ہیں اگر ایسا ثبوت دیتے تو یہود یوں کا موہنہ بند ہو جاتا اور اسی وقت تمام فقیہ اور فریسی آپ کے سامنے سجدہ میں گرتے کہ ہاں حضرت ضرور آپ خدا ہی ہیں ہم بھولے ہوئے تھے آپ نے اُس آفتاب کے مقابل پر جو ابتدا سے چمکتا ہوا چلا آتا ہے دن کو روشن کرتا ہے اور اُس ماہتاب کے مقابل پر جو ایک خوب صورت روشنی کے ساتھ رات کو طلوع کرتا ہے اور رات کو منور

کر دیتا ہے آپ نے ایک آفتاب اور ایک ماہتاب اپنی طرف سے بنا کر ہمکو دکھلایا ہے اور کتابیں کھولکر اپنی خدائی کا ثبوت ہماری مقبولہ مسلّمہ کتابوں سے پیش کر دیا ہے۔ اب ہماری کیا مجال ہے کہ بھلا آپ کو خدا نہ کہیں جہاں خدا نے اپنی قدرتوں کے ساتھ تجلی کی وہاں عاجز بندہ کیا کر سکتا ہے۔ لیکن حضرت مسیح نے ان دونوں ثبوتوں میں سے کسی ثبوت کو بھی پیش نہ کیا اور پیش کیا تو ان عبارتوں کو پیش کیا سُن لیجئے۔

تب یہودیوں نے پھر پتھر اُٹھائے کہ اسپر پتھراؤ کریں۔ یسوع نے انہیں جواب دیا کہ مینے اپنے باپ کے بہت سے اچھے کام تمہیں دکھلائے ہیں ان میں سے کس کام کے لئے تم مجھے پتھراؤ کرتے ہو۔ یہودیوں نے اسے جواب دیا کہ ہم تجھے اچھے کام کے لئے نہیں بلکہ اسلئے تجھے پتھراؤ کرتے ہیں کہ تو کفر کہتا ہے اور انسان ہو کے اپنے تئیں خدا بناتا ہے۔ یسوع نے انہیں جواب دیا کیا تمہاری شریعت میں یہ نہیں لکھا ہے کہ مینے کہا تم خدا ہو جبکہ اُسنے انہیں جنکے پاس خدا کا کلام آیا خدا کہا اور ممکن نہیں کہ کتاب باطل ہو تم اُسے جسے خدا نے مخصوص کیا اور جہان میں بھیجا کہتے ہو کہ تو کفر بکتا ہے کہ مینے کہا کہ میں خدا کا بیٹا ہوں۔

اب منصفین سوچ لیں کہ کیا الزام کفر کا دور کرنے کے لئے اور اپنے آپ کو حقیقی طور پر بیٹا اللہ تعالی کا ثابت کرنے کے لئے یہی جواب تھا کہ اگر مینے بیٹا کہلایا تو کیا ہرج ہو گیا تمہارے بزرگ بھی خدا کہلاتے رہے ہیں۔

ڈپٹی عبد اللہ آتھم صاحب اسجگہ فرماتے ہیں کہ گویا حضرت مسیح اُنکے بلوے سے خوفناک ہو کر ڈر گئے اور اصلی جواب کو چھپا لیا اور تقیہ اختیار کیا مگر میں کہتا ہوں کہ کیا یہ اُن نبیوں کا کام ہے کہ اللہ جل شانہٗ کی راہ میں ہر وقت جان دینے کو تیار رہتے ہیں قرآن کریم میں اللہ جل شانہ فرماتا ہے اَلَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ یعنے اللہ تعالے کے سچے پیغمبر جو اُسکے پیغام پہنچاتے ہیں وہ پیغام رسانی

ہیں کسی سے نہیں ڈرتے۔ پس حضرت مسیح قادر مطلق کہلا کر کمزور یہودیوں سے کیوں کر ڈر گئے۔

اب اس سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے حقیقی طور پر ابن اللہ ہونے کا یا خدا ہونے کا کبھی دعویٰ نہیں کیا اور اس دعویٰ میں اپنے تئیں اُن تمام لوگوں کا ہمرنگ قرار دیا اور اس بات کا اقرار کیا کہ انہیں کے موافق یہ دعویٰ بھی ہے تو پھر اس صورت میں وہ پیشگوئیاں جو ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب پیش فرماتے ہیں۔ وہ کیونکر بموجب شرط کے صحیح سمجھی جائینگی۔ ایسا تو نہیں کرنا چاہیئے کہ مدعی سُست گواہ چُست۔ حضرت مسیح تو کفر کے الزام سے بچنے کے لئے صرف یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ میری نسبت اسی طرح بیٹا ہونے کا لفظ بولا گیا ہے جس طرح تمہارے بزرگوں کی نسبت بولا گیا ہے گویا یہ فرماتے ہیں کہ میں تو اس وقت قصوروار اور مستوجب کفر ہوتا کہ خاص طور پر بیٹا ہونے کا دعویٰ کرتا بیٹا کہلانے اور خدا کہلانے سے تمہاری کتابیں بھری پڑی ہیں سو دیکھ لو پھر حضرت مسیح ؑ نے صرف اسی پر بس نہیں کی بلکہ آپ نے کئی مقامات انجیل میں اپنی انسانی کمزوریوں کا اقرار کیا جیسا کہ جب قیامت کا پتہ اُنسے پوچھا گیا تو آپ نے اپنی لاعلمی ظاہر فرمائی اور کہا کہ بجز اللہ تعالیٰ کے قیامت کے وقت کو کوئی نہیں جانتا۔

اب صاف ظاہر ہے کہ علم روح کی صفات میں سے ہے نہ جسم کی صفات میں سے اگر ان میں اللہ تعالیٰ کا روح تھا اور یہ خود اللہ تعالیٰ ہی تھے تو لاعلمی کے اقرار کی کیا وجہ کیا خدا تعالیٰ بعد علم کے نادان بھی ہو جایا کرتا ہے۔ پھر متی ۱۹ باب ۱۶ میں لکھا ہے دیکھو ایک نے آکے اُسسے (یعنے مسیح سے) کہا اے نیک اُستاد میں کونسا نیک کام کروں کہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں۔ اُسنے اُسسے کہا تو کیوں نیک مجھے کہتا ہے نیک تو کوئی نہیں مگر ایک یعنے خدا۔ پھر متی ۲۲ ہے میں لکھا ہے کہ زبدی کے بیٹوں کی ماں نے

اپنے بیٹوں کے حضرت مسیح ؑ کے دائیں بائیں بیٹھنے کی درخواست کی تو فرمایا اسمیں میرا اختیار نہیں۔ اب فرمایئے قادر مطلق ہونا کہاں گیا قادر مطلق بھی کبھی بے اختیار ہوجایا کرتا ہے اور جبکہ اس قدر تعارض صفات میں واقع ہوگیا کہ حضرات حواری تو آپ کو قادر مطلق خیال کرتے ہیں اور آپ قادر مطلق ہونے سے انکار کر رہے ہیں تو ان پیش کردہ پیشگوئیوں کی کیا عزت اور کیا وقعت باقی رہی جسکے لئے یہ پیش کی جاتی ہیں وہی انکار کرتا ہے کہ میں قادر مطلق نہیں یہ خوب بات ہے۔ پھر متی ۲۶/۳۸ میں لکھا ہے جسکا ماحصل یہ ہے کہ مسیح نے تمام رات اپنے بچنے کے لئے دعا کی اور نہایت غمگین اور دلگیر ہوکر اور رو رو کر اللہ جل شانہ سے التماس کی کہ اگر ہوسکے تو یہ پیالہ مجھ سے گذر جائے اور نہ صرف آپ بلکہ اپنے حواریوں سے بھی اپنے لئے دعا کرائی جیسے عام انسانوں میں جب کسی پر کوئی مصیبت پڑتی ہے اکثر مسجدوں وغیرہ میں اپنے لئے دعا کرایا کرتے ہیں لیکن تعجب یہ کہ باوجود اسکے کہ خواہ نخواہ قادر مطلق کی صفت اُنپر تھوپی جاتی ہے اور اُنکے کاموں کو اقتداری سمجھا جاتا ہے مگر پھر بھی وہ دعا منظور نہ ہوئی اور جو تقدیر میں لکھا تھا وہ ہو ہی گیا۔ اب دیکھو اگر وہ قادر مطلق ہوتے تو چاہئے تھا کہ یہ اقتدار اور یہ قدرت کاملہ پہلے اُنکو اپنے نفس کے لئے کام آتا۔ جب اپنے نفس کے لئے کام نہ آیا تو غیروں کو اُنسے توقع رکھنا ایک طمع خام ہے۔ اب ہمارے اس بیان سے وہ تمام پیشگوئیاں جو ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب نے پیش کی ہیں رد ہوگئیں اور صاف ثابت ہوگیا کہ حضرت مسیح ؑ اپنے اقوال کے ذریعہ اور اپنے افعال کے ذریعہ سے اپنے تئیں عاجز ہی ٹھہراتے ہیں اور خدائی کی کوئی بھی صفت ان میں نہیں۔ ایک عاجز انسان ہیں۔ ہاں نبی اللہ بے شک ہیں۔ خدا تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ اسمیں کوئی شبہ نہیں۔ اللہ جل شانہ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ قل ارایتم ما تدعون من دون اللہ ارونی ماذا خلقوا من الارض ام لھم شرک فی السموات ایتونی بکتاب

من قبل هذا او اثارة من علم ان كنتم صادقين ۔ ومن اضل ممن يدعو من دون الله من لا يستجيب له الى يوم القيمة وهم عن دعائهم غافلون ۔ یعنے کیا تمنے دیکھا کہ جن لوگوں کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا معبود ٹھہرا رہے ہو انہوں نے زمین میں سے کیا پیدا کیا اور یا انکو آسمان کی پیدائیش میں کوئی شراکت ہے اگر اسکا کوئی ثبوت تمہارے پاس ہے اور کوئی ایسی کتاب ہے جسمیں یہ لکھا ہو کہ فلان فلان چیز تمہارے معبود نے پیدا کی ہے تو لاؤ وہ کتاب پیش کرو اگر تم سچے ہو یعنے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ یوں ہی کوئی شخص قادر مطلق کا نام رکھالے اور قدرت کا کوئی نمونہ پیش نہ کرے اور خالق کہلائے اور خالقیت کا کوئی نمونہ ظاہر نہ کرے ۔

اور پھر فرماتا ہے کہ اُس شخص سے زیادہ تر گمراہ کون شخص ہے کہ ایسے شخص کو خدا کر کے پکارتا ہے جو اُسکو قیامت تک جواب نہیں دے سکتا بلکہ اُسکے پکارنے سے بھی غافل ہے چہ جائیکہ اُسکو جواب دے سکے ۔ اب اس مقام میں ایک سچی گواہی میں دینا چاہتا ہوں جو میرے پر فرض ہے اور وہ یہ ہے جو میں اُس اللہ تعالے پر ایمان لاتا ہوں کہ جو بگفتن قادر مطلق نہیں بلکہ حقیقی اور واقعی طور پر قادر مطلق ہے اور مجھے اُسنے اپنے فضل و کرم سے اپنے خاص مکالمہ سے شرف بخشتا ہے ۔ اور مجھے اطلاع دیدی ہے کہ میں جو سچا اور کامل خدا ہوں میں ہر ایک مقابلہ میں جو روحانی برکات اور سماوی تائیدات میں کیا جائے تیرے ساتھ ہوں اور تجھ کو غلبہ ہو گا اب میں اس مجلس میں ڈپٹی عبد اللہ آتھم صاحب کی خدمت میں اور دوسرے تمام حضرات عیسائی صاحبوں کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ اس بات کو اب طول دینے کی کیا حاجت ہے کہ آپ ایسی پیشگوئیاں پیش کریں جو حضرت مسیح ؑ کے اپنے کاموں و فعل کے مخالف پڑی ہوئی ہیں ۔ ایک سیدھا اور آسان فیصلہ ہے جو میں زندہ اور کامل خدا سے کسی نشان کے لئے دعا کرتا ہوں اور آپ

حضرت مسیحؑ سے دعا کریں۔ آپ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ قادر مطلق ہے۔ پھر اگر وہ قادر مطلق ہے تو ضرور آپ کامیاب ہو جاوینگے۔ اور میں اسوقت اللہ تعالیٰ کی قسم کہا کر کے کہتا ہوں کہ اگر میں بالمقابل نشان بتلانے میں قاصر رہا تو ہر ایک سزا اپنے پر اٹھالونگا اور اگر آپ نے مقابل پر کچھ دکھلایا تب بھی سزا اٹھالونگا۔ چاہئے کہ آپ خلق اللہ پر رحم کریں۔ میں بھی اب پیرانہ سالی تک پہنچا ہوا ہوں اور آپ بھی بوڑھے ہو چکے ہیں۔ ہمارا آخری ٹکانا اب قبر ہے۔ آؤ اس طرح پر فیصلہ کرلیں سچا اور کامل خدا بے شک سچے کی مدد کریگا۔ اب اس سے زیادہ کیا عرض کروں۔

(باقی آیندہ)

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ ازجانب اہل اسلام	ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ ازجانب عیسائی صاحبان
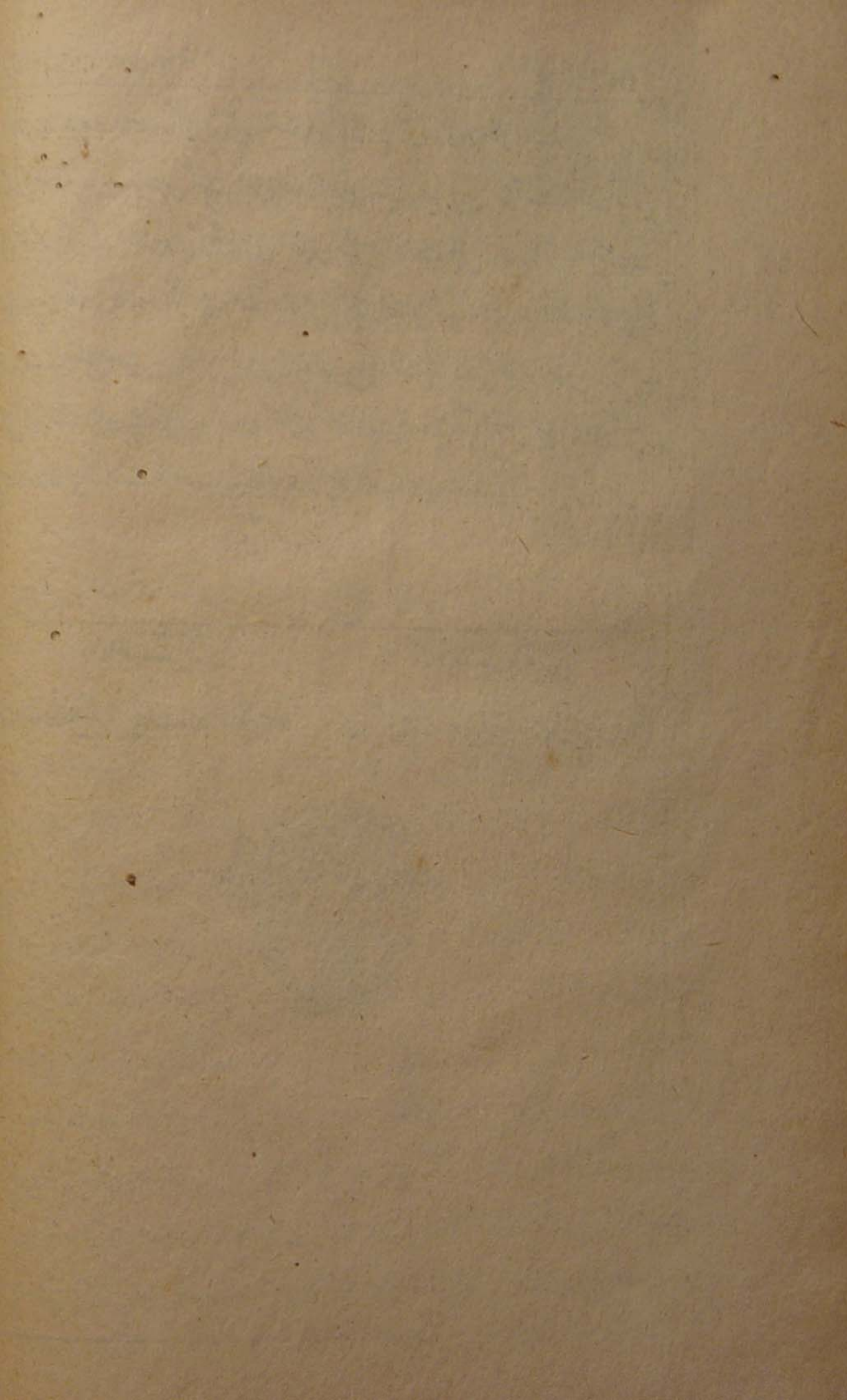
مرزا غلام احمد صاحب قادیانی و ڈپٹی عبد اللہ آتھم صاحب امرتسری

آج چھ بجے گیارہ منٹ پر مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب نے جواب لکھانا شروع کیا۔ ۷ بجے ۶ منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سُنایا گیا۔ مرزا صاحب نے ۷ بجے ۴۴ منٹ پر شروع کیا اور اٹھ بجے ۴۴ منٹ پر ختم ہوا۔ مرزا صاحب کا مضمون سُنائے جانیکے بعد یہہ سوال پیش ہوا کہ مرزا صاحب نے جو اپنے مضمون کے اخیر میں عیسائی جماعت کو تمام طور پر مخاطب کیا ہے اس کے متعلق بعض عیسائی صاحبان کو جو خواہش رکھتے ہیں جواب دینے کی اجازت ہو جاوے سب سے پہلے پادری ٹامس ہاول صاحب نے اجازت طلب کی اور مرزا صاحب نے اپنی طرف سے اجازت دیدی۔ اس کے بعد پادری احسان اللہ صاحب نے کہا کہ شرائط کے بموجب عیسائی صاحبان کی طرف سے کسی اَور شخص کو بولنے کی اجازت نہیں۔ اور اس سوال میں عیسائی صاحبان کو عام طور پر مخاطب کیا گیا ہے۔ اس لئے یہ سوال ناواجب ہی سمجھا جانا چاہیئے۔ اسپر میر مجلس اہل اسلام نے بیان کیا کہ جس ترتیب کے ساتھ

سوال ہوا ہے اُسی ترتیب کے ساتھ جواب دیا جانا چاہیے یعنی سوال بھی مسٹر
عبداللہ آتھم صاحب کے ذریعہ عام طور پر عیسائی صاحبان سے کیا گیا ہے اور
جواب بھی اُنہیں کے ذریعہ اُسی ترتیب کے ساتھ دیا جاوے یعنی اس سوال
کے جواب کے موقعہ پر کسی عیسائی صاحب کو جو اجازت طلب کرتے ہیں
پیش کردیں۔ اسپر میر مجلس عیسائی صاحبان نے بیان کیا کہ اس طریق سے
مباحثہ کے انتظام میں نقص آئیگا۔ بہتر یہ ہے کہ اس سوال کو ہی نکال دیا جائے
اسپر مرزا صاحب نے بیان فرمایا کہ اسمیں اتنی ترمیم کیجا سکتی ہے کہ اس سوال
کو صرف مسٹر عبداللہ آتھم صاحب تک ہی محدود کیا جاوے۔ اور یہ ترمیم باتفاق
رائے منظور ہوئی۔ بعد ازاں پادری جی ایل ٹھاکر داس صاحب نے اجازت
لے کر بیان کیا کہ مرزا صاحب کو یہ سوال عیسائی صاحبان پر کرنے کا حق ہے
مگر چونکہ اس سے پہلے اس امر کا تصفیہ ہو چکا تھا اس لئے وہی بحال رہا۔

پھر مسٹر عبداللہ آتھم صاحب نے جواب ۸ بجے ۱۵ منٹ پر شروع کیا اور ۹ بجے
۲۲ منٹ پر ختم کیا۔ پھر مرزا صاحب نے ۹ بجے ۳۰ منٹ پر جواب لکھانا شروع کیا
اور ۱۰ بجے ۳۰ منٹ پر ختم کیا۔ بعد ازاں فریقین کی تحریروں پر میر مجلس صاحبان
کے دستخط کئے گئے اور مصدقہ تحریریں فریقین کو دیگئیں اور جلسہ برخاست ہوا۔

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک	غلام قادر فصیح
پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان	پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام

بیان ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب

۲۶ - مئی ۱۸۹۳ء

ہمارا بیان یہ ہے کہ مسیح کامل انسان اور کامل مظہر اللہ ہے بروئے کلام الٰہی ان دو امروں کا انکار ہونا محال ہے لیکن بالیقین یہودی اسکو مظہر اللہ نہیں جانتے تھے پھر جب کبھی اس کے مُنہ سے اسکے مظہر اللہ ہونیکا کوئی لفظ نکل آتا تھا۔ تو یہودی اُسپر الزام کفر کا لگاکر سنگسار کرنے پر آمادہ ہوتے تھے چنانچہ موقع متنازعہ کی بھی یہی صورت ہے اور اس موقعہ پر مسیح نے فرمایا کہ اگر میں اپنی انسانیت کے بھی اپنے آپ کو ابن اللہ کہوں تو اس سے زیادہ کچھ نہیں جیسے تمہارے نبی بھی خدا کہلائے تو میرا کہنا ان سے زیادہ بڑھکر بہ نسبت اس کے انسانیت کے بھی نہیں ہے۔ پس یہاں اس نے اپنے مظہر اللہ ہونے کا انکار کیونکر کیا۔ مظہر اللہ ہونے کی آیات تو ہماری محولہ فہرست دیروزہ میں بھی موجود ہیں۔ اسکو کس خوش فہمی سے مرزا صاحب رد کرتے ہیں۔ کونسا امر انمیں اس کے بطلان کا پکڑا۔ کیا جو امر خاص متعلق مسیح کی انسانیت کے ہے وہ منافی اُس کی الوہیت یا مظہر اللہ ہونیکا بھی ہو سکتا ہے۔ ہرگز کسی قانون سے نہیں۔ حق تو یہ ہے کہ وہ اپنی انسانیت میں بھی مخصوص اور مرسلہ شخص تھا وہ لفظ جسکا ترجمہ مخصوص ہے یونانی میں "ہے گی ایڈزو" ہے جس کے معنی مقدس اور بھیجا گیا۔ جو لفظ ہے اُسکا ایما اسپر ہے کہ وہ فرمایا کرتا تھا کہ میں آسمان پر سے ہوں تم زمینی ہو یعنی میں آسمان سے زمین پر بھیجا گیا ہوں اور ہمارے شارح اکثر اُس کے معنے الوہیت کے کرتے ہیں۔ پھر کیا مرزا صاحب نے ۱۰ باب ۱۰ یوحنا میں یہ نہ دیکھا کہ جیسے مسیح نے اولاً یہ دعوے کیا تھا کہ میں اور باپ ایک ہیں جسپر یہودیوں نے پتھر اُٹھائے تھے اس زعم سے کہ وہ

انسان مخلوق ہو کر دعوے الٰہ ہونیکا کرتا ہے پھر جب اُس نے اپنی انسانیت کو بھی
اس الزام سے بچا لیا تو پھر وہی دعوے پیش کر دیا کہ میں اور باپ ایک ہیں۔ پس جناب
یہ کیونکر فرماتے ہیں کہ وہ ڈر گیا۔ بجائے ڈرنے کے اور بھی اُس نے کھلا کھلی دعوی الوہیت
کو پیش کیا تو یہ صحیح ہے کہ ایک موقع پر خداوند مسیح نے فرمایا کہ میں اس گھڑی سے آگاہ
نہیں اور دوسرے موقع پر فرمایا کہ میری دائیں اور بائیں بٹھلانا میرا اختیار نہیں لیکن
یہ کلمات نسبت اُسکی انسانیت کے رکھتے ہیں کیونکہ الوہیت کے کلمات تو وہ ہیں چنانچہ یہ
کہ زمین و آسمان کا اختیار مجھکو حاصل ہے اور پھر یہ بھی صحیح ہے کہ ایک موقع پر خداوند نے
فرمایا کہ تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے جبکہ نیک سوائے خدا کے کوئی نہیں مگر یہ فرمانا اُسکا
اس شخص سے تھا جو اسکو منجی اور مالک ہر شے کا نہیں مانتا تھا چنانچہ جب اس تقریر
میں اُس سے کہا کہ اگر تو کامل ہوا چاہتا ہے تو سارا اپنا مال غربا کو دے ڈال اور میرے
پیچھے ہولے مگر وہ اُس سے دلگیر ہو کر چلا گیا اور اگر وہ اُسکو خدا اور مالک جانتا اور یہ کہ وہ
اسکو اس سے ہزار چند بخش سکتا ہے تو کبھی بھی دلگیر ہو کر نہ جاتا اس سے ظاہر ہے کہ وہ قائل
اُسکی الوہیت کا نہ تھا اسیواسطے خداوند نے فرمایا کہ تب تو مجھے نیک بھی کیوں کہتا ہے
یعنی مکار کیوں بنتا ہے کیونکہ تو جانتا ہے کہ نیک سوائے خدا کے اور کوئی نہیں ۔

(۲) جناب مرزا صاحب نے کمال ہونے راہ نجات پر قرآن سے کچھ
نہیں فرمایا پھر ہماری اور کوئی چیز کس مصرف کی ہے بقول مسیح کہ اگر ہم جہان کو
حاصل کریں اور جان کو کھو دیں تو فائدہ کیا ہوا۔ پس سب سے اول لازم اور واجب
ہے کہ نجات کی بابت قرآن میں کمال دکھلایا جاوے **بیت**

وہ ہو تو یہ ہوئی ہو یا نہ ہو ۔ وہ نا ہو تو سب کا سب فنا ہو

توحید کا علم تو بائیبل میں بھی موجود تھا۔ اِلّا اس کلمہ توحید سے نجات کا کیا علاقہ بھی
گیا یعقوب حواری کے خط کے دوسرے باب ۱۹ میں یہ بہت ٹھیک سا ور

واجب نہیں فرمایا گیا کہ گو کہتا ہو کہ خدا ایک ہے شیطان بھی کہتا ہو بلکہ تھرّا تا بھی ہے۔ تو ریت مذہب کے چار حصے ہیں ماسوا امور اثباتیہ کے یعنی شریعت اخلاقی شریعت رسمیاتی شریعت قضائی اور قصص۔ اب یہ سارے امور مسیح پالوجی کے ہیں یعنی نشانات تصویری کے ہیں چنانچہ اخلاقی میں احتیاج دکھلایا گیا ہے اور رسمیاتی میں احتیاج دکھلایا گیا ہے اور قضائی میں (نہی اور کرے) دکھلائی گئی یعنی وہ سارا نشت جو خدا نکاتے بلا واسطہ غیر کے خود کرتا ہے اور قصص جنہیں تصویر کے نشانات بہت ہیں۔ ان علامات کو اب اس جگہ اگر ہم لکھیں تو بہت طول ہو جاتا ہے۔ ہم اسکے واسطے اپنی کتاب اندروہ بائبل کو پیش کرتے ہیں کہ جس سے یہ سب حال ظاہر ہو جائیگا۔ انجیل میں انہیں نشانات کا صاحب نشان دکھلایا ہے۔ پس یہ متفرق شریعتیں کیونکر ہوئیں۔ البتہ قرآن کی شریعت انکے سوا ہے جو مخصوص ساتھ قرآن کے ہے اسکا بار ہم پر کچھ نہیں لیکن آپ پر ہے۔

(۴) صداقت محتاج دلیل کی کیونکر ہے کیا وہ خود ہی اپنی مراد پر دال نہیں اسکے واسطے اور تصدیقہ آپ کیا چاہتے ہیں کیا وہ آیات جو ہم نے اس فہرست میں پیش کی ہیں انہیں کوئی ناصاف بھی ہے۔

(۵) ہم سے جو استفسار یہ ہو کہ مسیح نے کیا بنایا تھا۔ خدا نے تو زمین و آسمان اور سب چیزیں بنائیں۔ جواب اسکے عرض ہے کہ بحیثیت انسانیت کے تو اُس نے کچھ نہیں بنایا۔ لیکن بحیثیت مظہر اقنوم ثانی کے باعث امثال و ا ایک باب یوحنا میں جو لکھا ہے کہ جو کچھ بنا ہے اسی کے وسیلہ بنا ہے اور کہ باپ کو کسی نے دیکھا نہیں مگر بیٹے نے خلق کرنے کے وسیلے سے اُسے جتلادیا۔

(۷) ہم نے خداوند مسیح کا ڈرنا نہیں کہا بلکہ اُنکا بیجا غصہ فرو کرنا کہا ہے۔

(۸) مسیح نے تعلیم سلامت کو پیچیدہ نہیں کیا بلکہ پیچیدہ کو صاف کیا ہے چنانچہ اس نے مظہر اللہ ہو کر وہ صفات ظاہر کیں جو اور طرح سے ظاہر نہ ہو سکتی

تہیں۔ جیسا کہ متی ۶-۹ خدا کا باپ ہونا۔ یوحنا ۴-۱۶ خدا محبت ہے یوحنا کا ۴/۲۴ خدا روح ہے۔ کثرت فی الوحدت توریت میں صاف لکھی تہی جیسا کہ اس آیت میں ہے کہ دیکہو انسان نیک و بد کی پہچان میں ہم میں سے ایک کی مانند ہوگیا۔ تاہم یہودیوں کی آنکہہ میں غفلت کا پردہ تہا اور خداوند نے اس پردہ کو اُٹہا دیا ۔

(۹) کلام الٰہی کی شرح کرنا یہودیوں کا خاص ورثہ نہیں ہے گو وہ انبیاؤں کی اولاد ہیں اور کلام کے امانتدار اور تواتر سے سننے والے۔ کیونکہ انہیں بغض اور تعصب بہت بہر گیا تہا اور جب خداوند یسوع نے یہ فرمایا کہ جو وہ کہتے ہیں سو کرو اور جو کرتے ہیں سو مت کرو۔ اس کے معنی صاف یہ ہیں کہ کہنا اُن کا الفاظ توریت کے ہے اور کرنا انکا برخلاف اس کے ۔

(۱۰) بدن مسیح کا زوال پذیر ہویا نہو مگر اس سے کفارہ کا کیا علاقہ ہے۔ فی الحال اور کچہہ نہ کہونگا ۔ (باقی آئندہ)

دستخط بحروف انگریزی ۔ دستخط بحروف انگریزی

ہنری مارٹن کلارک ۔ غلام قادر فصیح

پریزیڈنٹ ۔ پریزیڈنٹ

از جانب عیسائی صاحبان ۔ از جانب اہل اسلام

بیان حضرت مرزا صاحب

۲۶- مئی ۱۸۹۳ء

میرے کل کے بیان میں نجات کے بارہ میں کچھ لکھنا رہگیا تھا کہ نجات کی حقیقت کیا ہے اور سچے حقیقی طور پر کب اور کس وقت کسی کو کہہ سکتے ہیں کہ نجات پا گیا اب جاننا چاہیئے کہ اللہ جل شانہ نے نجات کے بارہ میں قرآن کریم میں یہ فرمایا ہے وقالوا لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودًا او نصٰریٰ تلک امانیھم قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین بلیٰ من اسلم وجھہ للہ وھو محسن فلہ اجرہ عند ربہ ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون- اور کہا انہوں نے کہ ہرگز بہشت میں داخل نہیں ہوگا یعنے نجات نہیں پائیگا مگر وہی شخص جو یہودی ہوگا یا نصرانی ہوگا یہ انکی بے حقیقت آرزوئیں ہیں کہدو لاؤ برہان اپنی اگر تم سچے ہو یعنے تم دکھلاؤ کہ تمہیں کیا نجات حاصل ہوگئی ہے بلکہ نجات اسکو ملتی ہے جسنے اپنا سارا وجود اللہ کی راہ میں سونپ دیا یعنے اپنی زندگی کو خدا تعالیٰ کی راہ میں وقف کردیا اور اسکی راہ میں لگا دیا- اور وہ بعد وقف کرنے اپنی زندگی کے نیک کاموں میں مشغول ہوگیا اور ہر ایک قسم کے اعمال حسنہ بجا لانے لگا پس وہی شخص ہے جسکو اسکا اجر اسکے رب کے پاس سے ملیگا اور ایسے لوگوں پر نہ کچھ ڈر ہے اور نہ وہ کبھی غمگین ہونگے یعنے وہ پورے اور کامل طور پر نجات پا جائینگے- اس مقام میں اللہ جل شانہ نے عیسائیوں اور یہودیوں کی نسبت فرمادیا کہ جو وہ اپنی نجات یابی کا دعوی کرتے ہیں وہ صرف انکی آرزوئیں ہیں- اور ان آرزوؤں کی حقیقت جو زندگی کی روح ہے انمیں ہرگز پائی نہیں جاتی بلکہ اصلی اور حقیقی نجات وہ ہے جو اسی دنیا میں اسکی حقیقت نجات یا بندہ کو محسوس ہوجائے اور وہ اس طرح پر ہے کہ نجات یا بندہ کو اللہ تعالیٰ کیطرف سے یہ توفیق عطا ہوجائے

کہ وہ اپنا تمام وجود خدا تعالیٰ کی راہ میں وقف کر دے۔ اِس طرح پر کہ اُسکا مرنا اور جینا اور
اُسکے تمام اعمال خدا تعالیٰ کے لئے ہو جائیں اور اپنے نفس سے وہ بالکل کھویا جائے
اور اُسکی مرضی خدا تعالیٰ کی مرضی ہو جائے اور پھر نہ صرف دل کے عزم تک یہ بات
محدود رہے بلکہ اسکی تمام جوارح اور اُسکے تمام قویٰ اور اُسکی عقل اور اُسکا فکر اور اُسکی
تمام طاقتیں اسی راہ میں لگ جائیں تب اسکو کہا جائیگا کہ وہ محسن ہے یعنی خدمتگاری
کا اور فرمانبرداری کا حق بجالایا جہاں تک اُسکی بشریت سے ہو سکتا تھا سو ایسا شخص
نجات یاب ہے جیسا کہ ایک دوسرے مقام میں فرماتا ہے قل ان صلوتی ونسکی
ومحیای ومماتی للہ رب العالمین لا شریک لہ وبذالک امرت وانا اول المسلمین
(س۸ سورہ انعام رکوع ۷)۔ کہہ نماز میری اور عبادتیں میری اور زندگی میری اور موت میری
تمام اُس اللہ واسطے ہیں جو رب ہے عالموں کا جسکا کوئی شریک نہیں اور اسی درجہ کے
حاصل کرنے کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں اول مسلمانوں کا ہوں۔

پھر بعد اسکے اللہ جل شانہ اس نجات کی علامات اپنی کتاب کریم میں لکھتا ہے کیونکہ
گو جو کچھ فرمایا گیا وہ بھی ایک حقیقی ناجی کے لئے مابہ الامتیاز ہے لیکن چونکہ
دنیا کی آنکھیں اس باطنی نجات اور وصول الی اللہ کو دیکھ نہیں سکتیں اور دنیا پر
واصل اور غیر واصل کا امر مشتبہ ہو جاتا ہے اِسلئے اُسکی نشانیاں بھی بتلا دیں کیونکہ
یوں تو دنیا میں کوئی بھی فرقہ نہیں کہ اپنے تئیں غیر ناجی اور جہنمی قرار دیتا ہے کسی سے
پوچھ کر دیکھ لیں بلکہ ہر ایک قوم کا آدمی جسکو پوچھو اپنی قوم کو اور اپنے مذہب کے
لوگوں کو اول درجہ کا نجات یافتہ قرار دیگا۔ اِس صورت میں فیصلہ کیونکر ہو تو اس
فیصلہ کے لئے خدا تعالیٰ نے حقیقی اور کامل ایماندار ول اور حقیقی اور کامل نجات یافتہ
لوگوں کے لئے علامتیں مقرر کر دی ہیں اور نشانیاں قرار دیدی ہیں تا دنیا شبہات
میں مبتلا نہ رہے چنانچہ منجملہ ان نشانیوں کے بعض نشانیوں کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون الذین امنوا وکانوا یتقون لھم البشری فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ لا تبدیل لکلمات اللہ ذلک ھو الفوز العظیم (س ۱۱ ر ۱۲-سورہ یونس)

یعنے خبردار ہو تحقیق وہ لوگ جو خدا تعالیٰ کے دوست ہیں اُنپر نہ کوئی ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہونگے وہ وہی لوگ ہیں جو ایمان لائے یعنے اللہ رسول کی تابع ہو گئے اور پھر پرہیزگاری اختیار کی اُنکے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے اس دنیا کی زندگی اور نیز آخرت میں بشری ہو یعنے خدا تعالیٰ خواب اور الہام کے ذریعہ سے اور نیز مکاشفات سے اُنکو بشارتیں دیتا رہیگا۔ خدا تعالیٰ کے وعدوں میں تخلف نہیں اور یہہ بڑی کامیابی ہو جو اُنکے لئے مقرر ہو گئی یعنے اس کامیابی کے ذریعہ سے اُنہیں اور غیروں میں فرق ہو جائیگا۔ اور جو سچے نجات یافتہ نہیں اُنکے مقابل میں وہ نہیں ٹھیر سکینگے پھر دوسری جگہ فرماتا ہے۔ ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملئکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون نحن اولیاؤکم فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ ولکم فیھا ما تشتھی انفسکم ولکم فیھا ما تدعون نزلا من غفور الرحیم (س ۲۶ ر ۱۸)

یعنے جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہو اور پھر استقامت اختیار کی اُنکی یہ نشانی ہی کہ اُن پر فرشتے اُترتے ہیں یہ کہتے ہوئے کہ تم مت ڈرو اور کچھ غم نہ کرو اور خوشخبری سُنو اُس بہشت کی جسکا تمہیں وعدہ دیا گیا تھا ہم تمہارے دوست اور متولی اس دنیا کی زندگی میں ہیں اور نیز آخرت میں اور تمہارے لئے اس بہشت میں وہ سب کچھ دیا گیا جو تم مانگو یہ مہمانی ہے غفور رحیم سے۔

اب دیکھئے اس آیت میں مکالمہ الہیہ اور قبولیت اور خدا تعالیٰ کا متولی اور متکفل ہونا اور اسی دنیا میں بہشتی زندگی کی بنا ڈالنا اور انکا حامی اور ناصر ہونا بطور نشان

کے بیان فرمایا گیا۔

و پھر اس آیت میں جسکا کل ہم ذکر کر چکے ہیں یعنی یہہ کہ توتی اکلھا کل حین اُسکی نشانی کیطرف اشارہ ہے کہ سچی نجات کا پانے والا ہمیشہ اچھے پھل لاتا ہے اور آسمانی برکات کے پھل اسکو ہمیشہ ملتے رہتے ہیں اور پھر ایک اور مقام میں فرماتا ہے واذا سالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوا لی ولیؤمنوا بی لعلھم یرشدون (س ۲ ر ۷)۔ اور جب میرے بندے میرے بارہ میں سوال کریں تو انکو کہدے کہ میں نزدیک ہوں یعنی جب وہ لوگ جو اللہ رسول پر ایمان لائے ہیں یہہ پوچھنا چاہیں کہ خدا تعالیٰ ہم سے کیا عنایات کہتا ہے جو ہم سے مخصوص ہوں اور غیر وں میں نہ پائی جاویں۔ تو انکو کہدے کہ میں نزدیک ہوں یعنی تم میں اور تمہارے غیر میں یہ فرق ہے کہ تم میرے مخصوص اور قریب ہو اور دوسرے مہجور اور دور ہیں جب کوئی دعا کرنیوالوں میں سے جو تم میں سے دعا کرتے ہیں تو میں اُسکا جواب دیتا ہوں یعنی میں اسکا ہمکلام ہوجاتا ہوں اور اس سے باتیں کرتا ہوں اور اُسکی دعا کو پایہ قبولیت میں جگہ دیتا ہوں پس چاہیئے کہ قبول کریں حکم میرے کو اور ایمان لاویں تاکہ بھلائی پاویں ایسا ہی اور کئی مقامات میں اللہ جل شانہ نجات یافتہ لوگوں کے نشان بیان فرماتا ہے اگر وہ تمام لکھے جاویں تو طول ہو جائیگا۔

جیساکہ انہیں میں سے ایک یہ بھی آیت ہے یا ایھا الذین امنوا ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا (س ۹۔ سورۃ الانفال)۔ کہ اے ایمان والو اگر تم خدا تعالیٰ سے ڈرو تو خدا تم میں اور تمہارے غیروں میں مابہ الامتیاز رکھ دیگا۔

اب میں ڈپٹی عبد اللہ آتھم صاحب سے بادب دریافت کرتا ہوں کہ اگر عیسائی مذہب میں طریق نجات کا کوئی لکھا ہے اور وہ طریق آپ کی نظر میں صحیح اور درست ہے اور اس طریق پر چلنے والے نجات پا جاتے ہیں تو ضرور اُس نجات یابی کی علامات بھی اُس کتاب میں لکھی ہونگی اور سچے ایماندار جو نجات پاکر اس دنیا کی ظلمات سے مخلصی پاجاتے ہیں انکی نشانیاں ضرور انجیل میں کچھہ لکھی ہونگی۔ آپ براہ مہربانی مجکو مختصر جواب دیں کہ کیا وہ نشانیاں

آپ صاحبوں کے گروہ میں یا بعض ایسے صاحبوں میں جو بڑے بڑے مقتدا ہیں
اور اس گروہ کے سردار اور پیشوا اور اول درجہ پر ہیں پائی جاتی ہیں اگر پائی جاتی
ہیں تو انکا ثبوت عنایت ہو اور اگر نہیں پائی جاتیں تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ
جس چیز کی صحت اور درستی کی نشانی نہ پائی جائے تو کیا وہ چیز اپنے اصل
پر محفوظ اور قائم سمجھی جائیگی مثلاً اگر تربد یا سقمونیا یا سنا میں خاصہ اسہال کا نہ پایا
جائے کہ وہ دست آور ثابت ہو تو کیا اس تربد کو تربد موصوف یا سقمونیا خالص
کہہ سکتے ہیں اور ماسوا اسکے جو آپ صاحبوں نے طریق نجات شمار کیا ہے
جس وقت ہم اس طریق کو اس دوسرے طریق کے ساتھ جو قرآن کریم
نے پیش کیا ہے مقابل کر کے دیکھتے ہیں تو صاف طور پر آپکے طریق کا تصنع
اور غیر طبعی ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہہ بات بہ پایہ ثبوت پہونچتی ہے کہ آپکے
طریق میں کوئی صحیح راہ نجات کا قائم نہیں کیا گیا مثلاً دیکھیئے کہ اللہ جل شانہ
قرآن کریم میں جو طریق پیش کرتا ہے وہ تو یہہ ہے کہ انسان جب اپنے تمام وجود کو
اور اپنی تمام زندگی کو خدا تعالیٰ کے راہ میں وقف کر دیتا ہے تو اُس صورت
میں ایک سچی اور پاک قربانی اپنے نفس کے قربان کرنے سے وہ ادا
کر چکتا ہے اور اس لائق ہو جاتا ہے کہ موت کے عوض میں حیات پاوے
کیونکہ یہہ آپ کی کتابوں میں بھی لکھا ہے کہ جو خدا تعالیٰ کی راہ میں جان دیتا
ہے وہ حیات کا وارث ہو جاتا ہے۔ پھر جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی راہ
میں اپنی تمام زندگی کو وقف کر دیا اور اپنے تمام جوارح اور اعضا کو اُسکی راہ
میں لگا دیا تو کیا ابتک اسنے کوئی سچی قربانی ادا نہیں کی۔ کیا جان دینے
کے بعد کوئی اور بھی چیز ہے جو اُس نے باقی رکھہ چھوڑی ہے لیکن آپ کے
مذہب کا عدل تو مجھے سمجھہ نہیں آتا کہ زید گناہ کرے اور بکر کو اُسکے عوض میں

سولی دیا جائے آپ اگر غور اور توجہ سے دیکھیں تو بے شک ایسا طریق
قابل شرم آپ پر ثابت ہوگا خدا تعالیٰ نے جب سے انسان کو پیدا کیا انسان
کی مغفرت کے لیئے یہی قانون قدرت رکھا ہے جو ابھی مینے بیان کیا ہے اور
درحقیقت اس قانون قدرت میں جو طبعی اور ابتداء سے چلا آتا ہے ایسی خوبی
اور عمدگی ہے جو ایک ہی انسان کی سرشت میں خدا تعالیٰ نے دونو چیزیں رکھہ
دی ہیں جیسے اسکی سرشت میں گناہ رکھا ہے ویسا ہی اس گناہ کا علاج بھی
رکھا اور وہ یہہ کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایسے طور سے زندگی وقف کردی جائے
کہ جسکو سچی قربانی کہہ سکتے ہیں اب مختصر بیان یہہ ہے کہ آپکے نزدیک یہہ طریق
نجات کا جو قرآن شریف نے پیش کیا ہے صحیح نہیں ہے تو دل آپکو چاہیئے کہ اس
طریق کے مقابل پر جو حضرت مسیح کی زبان سے ثابت ہوتا ہے اُسکو ایسا ہی مدلل
اور معقول طور پر انکی تقریر کے حوالہ سے پیش کریں پھر بعد اسکے انہیں کے قول
مبارک سے اسکی نشانیاں بھی پیش کریں تاکہ تمام حاضرین جو اسوقت موجود
ہیں ابھی فیصلہ کرلیں۔ ڈپٹی صاحب۔ کوئی حقیقت بغیر نشانوں کے ثابت
نہیں ہوسکتی۔ دنیا میں بھی ایک معیار حقائق شناسی کا ہے کہ انکو انکی نشانیوں
سے پرکھا جائے سو ہمنے تو وہ نشانیاں پیش کردیں اور اُنکا دعوی بھی اپنی نسبت
پیش کردیا اب یہہ فرضہ ہمارا آپ کے ذمہ ہے اگر آپ پیش نہیں کرینگے اور ثابت
کرکے نہیں دکھلائینگے کہ یہہ طریق نجات جو حضرت مسیح کی طرف منسوب کیا جاتا
ہے کس وجہ سے سچا اور صحیح اور کامل ہے تو اسوقت تک آپ کا یہہ دعوی
ہرگز صحیح نہیں سمجھا جاسکتا بلکہ قرآن کریم نے جو کچھہ بیان کیا ہے وہ صحیح اور
سچا ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اُس نے صرف بیان ہی نہیں کیا بلکہ کرکے
بھی دکھادیا اور اسکا ثبوت میں پیش کرچکا ہوں آپ براہ مہربانی اب اس

نجات کے قصہ کو بے دلیل اور بے وجہ صرف دعوی کے طور پر پیش نہ کریں کوئی صاحب آپ میں سے کھڑے ہو کر اسوقت بولیں کہ میں بموجب فرمودہ حضرت مسیح کے نجات پا گیا ہوں اور وہ نشانیاں نجات کی اور کامل ایمانداری کی جو حضرت مسیح نے مقرر کی تھیں وہ مجھ میں موجود ہیں پس ہمیں کیا انکار ہے ہم تو نجات ہی چاہتے ہیں لیکن زبان کی لسانی کو کوئی قبول نہیں کر سکتا۔ میں آپکی خدمت میں عرض کر چکا ہوں کہ قرآن کا نجات دینا میں نے بچشم خود دیکھ لیا ہے اور میں پھر اللہ تعالی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں بالمقابل اس بات کو دکھلانے کو حاضر ہوں لیکن اول آپ دو حرفی مجھے جواب دیں کہ آپکے مذہب میں سچی نجات معہ انکی علامات کے پائی جاتی ہے یا نہیں اگر پائی جاتی ہے تو دکھلاؤ۔ پھر اسکا مقابلہ کرو۔ اگر نہیں پائی جاتی تو آپ صرف اتنا کہدو کہ ہمارے مذہب میں نجات نہیں پائی جاتی پھر میں یکطرفہ ثبوت دینے کے لئے مستعد ہوں۔

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی غلام قادر فصیح	بحروف انگریزی مارٹن کلارک
پریزیڈنٹ	پریزیڈنٹ
ازجانب اہل اسلام	ازجانب عیسائیاں

بیان ڈپٹی صاحب مسٹر عبداللہ آتھم صاحب

۲۶ مئی ۱۸۹۳ء بجواب بیان حضرت مرزا صاحب

بقیہ جواب

جو مرزا صاحب نے فرمایا کہ مسیح نے اسیوقت ایسا یا ویسا ثبوت کیوں نہ دیا جب اسپر الزام کفر کا لگا کر پتھراؤ کرنا چاہتے تھے تا کہ ظاہر ہو جاتا کہ فی الواقع اللہ ہی ہے۔ مجھے اسپر ایک قصہ یاد آیا کہ ایک شخص نے مجھسے کلام کرتے ہوئے یہہ کہا کہ خدا تعالے نے یہہ کیا کوتاہ بینی کی کہ دو آنکھیں پیشانی کے نیچے ہی لگا دی ہیں ایک سر میں کیوں نہ لگا دی کہ وہ اوپر کی بلیات سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتا۔ اور ایک پیٹھ میں کیوں نہ لگا دی کہ پیچھے سے دیکھ سکتا اب اسمیں حیرانی ہے کہ کیا ایک بیچون وچرا پر اس قسم کی چون وچرا جائز ہے یہہ کہنا معقول نہیں ہے کہ ایسا اور ویسا کیوں نہ کیا مگر یہہ معقول ہے کہ جو کیا گیا ہے اُسکو بمعرض اعتراض لایا جائے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا یہودیوں کا الزام یہی نہ تھا کہ تو انسان ہو کر خدا بنتا ہے یہہ کفر ہے اور جواب اسکا یہہ ہوا کہ میں انسان ہو کر بھی اپنے آپ کو ابن اللہ کہہ سکتا ہوں اور کفر نہیں ہوتا جیسے نبی اللہ بھی تو انسان تھے اور انکو اللہ کہا گیا۔ تو پس اسمیں سوال اسکی الوہیت کے متعلق کونسا تھا۔

(۲) دوسرا امر جناب مرزا صاحب جو فرماتے ہیں کہ مسیح نے اپنے لیئے حواریوں سے دعا چاہی یہہ تو سچ نہیں موقعہ کو دیکھ لیں اسمیں یہہ تو لکھا ہے کہ مسیح نے انکو کہا کہ تم اپنے لیئے دعا مانگو تا کہ تم امتحان میں نہ پڑو۔

(۳) تیسرا جناب کے کل کے مباہلہ کا جواب یہہ ہے کہ ہم مسیحی تو پرانی تعلیمات کیلیئے نئے معجزات کی کچھ ضرورت نہیں دیکھتے اور نہ ہم اسکی استطاعت اپنے اندر

دیکھتے ہیں بجز اسکے کہ ہمکو وعدہ یہہ ہوا ہے کہ جو درخواست بمطابق رضاء
الٰہی کے تم کروگے وہ تمہارے واسطے حاصل ہوجائیگی اور نشانات کا
وعدہ ہم سے نہیں لیکن جناب کو اس کا بہت سا ناز ہے ہم بھی دیکھنے معجزہ
سے انکار نہیں کرتے۔ اگر اسی میں مہربانی خلق اللہ کے اوپر ہے کہ نشان
دکھلا کر فیصلہ کیا جائے تو ہمنے تو اپنا عجز بیان کیا جناب ہی کوئی معجزہ دکھلادیں
اور اسوقت آپنے اپنے آخری مضمون ویروزہ میں کہا تھا اور کچھہ آج بھی آپنے
ایما ہے اب زیادہ گفتگو کی اسمیں کیا ضرورت ہے ہم دونوں عمر رسیدہ ہیں آخر
قبر ہمارا ٹھکانا ہے خلق اللہ پر رحم کرنا چاہیئے کہ آؤ کسی نشان آسمانی سے فیصلہ
کرلیں۔ اور یہہ بھی آپنے کہا کہ مجھے خاص الہام ہوا ہے کہ اس میدان میں بر تجھے
فتح ہے۔ اور ضرور خدائے راست انکے ساتھہ ہوگا جو راستی پر ہیں ضرور ضرور
ہی ہوگا۔ آپ کی اس تحریر کے خلاصہ کا یہہ جواب ہے جیسا کہ ہم آگے بھی لکھہ
چکے ہیں کہ ہم آپکو کوئی پیغمبر یا رسول یا شخص ملہم جانکر آپسے مباحثہ نہیں کرتے
آپ کے ذاتی خیالات اور وجوہات اور الہامات سے ہمارا کچھہ سروکار نہیں
ہم فقط آپ کو ایک محمدی شخص فرض کرکے دین عیسوی اور محمدیت کے بارہ
میں بموجب اُن قواعد واسناد کے جو ان ہر دو میں عام پائی جاتی ہیں آپسے
گفتگو کر رہے ہیں خیر تاہم چونکہ آپکو ایک خاص قدرت الٰہی دکہانے پر آمادہ
ہوکے ہمکو برائے مقابلہ بلاتے ہیں تو ہمیں دیکھنے سے گریز بھی نہیں یعنی معجزہ
یا نشانی۔ پس ہم یہہ تین شخص پیش کرتے ہیں جنہیں ایک اندھا۔ ایک ٹانگ کٹا
اور ایک گونگا ہے۔ انہیں سے جس کسی کو صحیح سالم کرسکو کردو اور جو اس معجزہ
سے ہمپر فرض و واجب ہوگا ہم ادا کرینگے آپ بقول خود ایسے خدا کے قائل
ہیں جو گفتہ قادر نہیں لیکن درحقیقت قادر ہے تو وہ انکو تندرست بھی کر سکیگا

پھر اسمیں تامل کی کیا ضرورت ہے۔ اور ضرور بقول آپکے راست باز کے ساتھ ہوگا ضرور ہوگا۔ آپ خلق اللہ پر رحم فرمائیے جلد فرمائیے اور آپ کو خبر ہوگی کہ آج یہہ معاملہ پڑنا ہے جب خدا نے الہام سے آپکو خبر دیدی کہ اس جنگ و میدان میں تجھے فتح ہے اُس نے ساتھہ ہی یہہ بھی بتا دیا ہوگا کہ اندھے و دیگر مصیبت زدوں نے بھی پیش ہونا ہے سو سب عیسائی صاحبان و محمدی صاحبان کے روبرو اسیوقت اپنا چیلنج پورا کیجیئے۔

چہارم نجات کے بارہ میں جو جناب نے قرآن سے فرمایا ہے اسکا خلاصہ افعال معینہ ہے اور اس امر کی پڑتال ہم ہفتہ آئندہ میں کرینگے کیونکہ موقع وہی ہے جب ہمارے حملہ شروع ہونگے اور آپکے حملہ ختم ہو لینگے۔

اور جو آپنے اعمال متقین کا فدیہ پیش کیا ہے اُسکو ہم جانچیں گے کہ کیا کامل ہے یا ناقص علیٰ ہذا القیاس مسیح کا طریقہ نجات بھی ہم اُسی روز جانچینگے۔

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی مارٹن کلارک	بحروف انگریزی غلام قادر فصیح
پریزیڈنٹ	پریزیڈنٹ
از جانب عیسائیاں	از جانب اہل اسلام

بیان حضرت مرزا صاحب

حضرت مسیح کے بارہ میں جو آپ نے عذر پیش کیا ہے کہ حضرت مسیح نے حضرت
یہودیوں کا غصہ فرو کرنے کے لئے یہہ کہہ دیا تہا کہ تمہاری شریعت میں بھی تمہارے
نبیوں کی نسبت لکھا ہے کہ وہ خدا ہیں اور نیز اس جگہ آپ یہہ بھی فرماتے ہیں کہ مسیح
نے اپنی انسانیت کے لحاظ سے ایسا جواب دیا یہ بیان آپ کا منصفین کی توجہ
اور غور کے لائق ہے صاف ظاہر ہے کہ یہودیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کا کلمہ کہ میں
خدا تعالیٰ کا بیٹا ہوں ایک کفر کا کلمہ قرار دیکر اور نعوذ باللہ انکو کافر سمجھ کر یہ سوال کیا
کیا تہا اور اس سوال کے جواب میں بے شک حضرت مسیح کا یہ فرض تہا کہ اگر وہ
حقیقت میں انسانیت کی وجہ سے نہیں بلکہ خدائی کی وجہ سے اپنے تئیں خدا تعالیٰ کا
کا بیٹا سمجھتے تہے تو اپنے مدعا کا پورا پورا اظہار کرتے اور اپنے ابن اللہ ہونے کا
انکو ثبوت دیتے کیونکہ اُس وقت وہ ثبوت ہی مانگتے تہے لیکن حضرت مسیح نے تو
اس طرف رخ بھی نہ کیا اور اپنے تئیں دوسرے انبیاء کی طرح قرار دیکر عذر پیش کر دیا
اور اس فرض سے سبکدوش نہوئے جو ایک سچا مبلغ اور معلم سبکدوش ہونا چاہتا ہے
اور آپ کا یہ فرمانا کہ مخصوص مقدس کو کہتے ہیں حضرت مسیح کی کوئی خصوصیت ثابت
نہیں کر سکتا کیونکہ آپ کی بائبل میں مخصوص کا لفظ اور نبیوں وغیرہ کی نسبت بھی استعمال
پا گیا ہے دیکھو یسعیاہ نبی ۱۳ باب ۳ اور جو آپنے بھیجے ہوئے کے معنی الوہیت نکالے ہیں
یہ بھی ایک عجیب معنی ہیں آپ دیکھیں کہ پہلے سموئیل میں ۱۲ باب ۸ آیت میں
لکھا ہے کہ موسیٰ اور ہارون کو بھیجا اور پھر پیدائش ۴۵-۷ میں لکھا ہے خدا نے
مجھے یہاں بھیجا ہے پھر یرمیا ۳۵ باب ۱۳ و ۴۴ باب ۴ میں یہی آیت موجود
ہے اب کیا اسجگہ بھی ان الفاظ کے معنی الوہیت کرنا چاہئے افسوس کہ آپ ایک

سیدھے اور سادے حضرت مسیح کے بیان کو توڑ مروڑ کر اپنے منشاء کے مطابق کرنا
چاہتے ہیں اور حضرت مسیح نے جو اپنی بریت کا ثبوت پیش کیا اُسکو نکما اور مہمل کرنا
آپ کا ارادہ ہے کیا حضرت مسیح ؑ یہودیوں کی نظر میں صرف اسقدر کہنے سے
بری ہو سکتے تھے کہ میں اپنے خدا ہونے کی وجہ سے تو بے شک ابن اللہ ہی
ہوں لیکن میں انسانیت کی وجہ سے دوسرے نبیوں کے مساوی ہوں اور جو
اُنکے حق میں کہا گیا وہ ہی میرے حق میں کہا گیا اور کیا یہودیوں کا الزام اس طور
کے رکیک عذر سے حضرت مسیح کے سر پر سے دور ہو سکتا تھا اور کیا اُنھوں
نے یہہ تسلیم کیا ہوا تھا کہ حضرت مسیح ؑ اپنی خدائی کی وجہ سے تو بے شک ابن اللہ
ہی ہیں اسمیں ہمارا کوئی جھگڑا نہیں ہاں انسان ہونے کی وجہ میں کیوں اپنے
تئیں ابن اللہ کہلاتے ہیں بلکہ صاف ظاہر ہے کہ اگر یہودیوں کے دل میں
صرف اتنا ہی ہوتا کہ حضرت مسیح محض انسان ہونے کی وجہ سے دوسرے
مقدس اور مخصوص انسانوں کی طرح اپنے تئیں ابن اللہ قرار دیتے ہیں تو وہ
کافر ہی کیوں ٹھہرتے کیا وہ حضرت اسرائیل کو اور حضرت آدم اور دوسرے
نبیوں کو جنکے حق میں ابن اللہ کے لفظ آئے ہیں کافر خیال کرتے تھے نہیں بلکہ
سوال انکا تو یہی تھا کہ اُنکو یہی دھوکا لگا تھا کہ حضرت مسیح حقیقت میں اپنے
تئیں اللہ کا بیٹا سمجھتے ہیں اور چونکہ جواب مطابق سوال چاہیئے اسلیئے حضرت
مسیح کا فرض تھا کہ وہ اُنکے جواب میں وہی طریق اختیار کرتے جس طریق کے
لیئے اُنکا استفسار تھا اگر حقیقت میں خدا تعالیٰ کے بیٹے تھے تو وہ پیشگوئیاں
جو ڈپٹی عبد اللہ آتھم صاحب بعد از وقت اس مجلس میں پیش کر رہے ہیں یہودیوں
کے سامنے پیش کرتے اور چند نمونہ خدا ہونے کے دکھلا دیتے تو فیصلہ ہو جاتا -
یہہ بات ہرگز صحیح نہیں ہے کہ یہودیوں کا سوال حقیقی ابن اللہ کے دلائل دریافت

کرنے کے لیئے نہیں تھا اس مقام میں زیادہ لکھنے کی کچھ ضرورت نہیں اب بعد اس کے واضح ہو کہ مینے ڈپٹی عبد اللہ صاحب کی خدمت میں یہہ تحریر کیا تھا کہ جیسے کہ آپ دعوی کرتے ہیں کہ نجات صرف مسیحی مذہب میں ہے ایسا ہی قرآن میں لکھا ہے کہ نجات صرف اسلام میں ہے اور آپ کا تو صرف اپنے لفظوں کے ساتھہ دعوی اور مینے وہ آیات بھی پیش کردی ہیں لیکن ظاہر ہے کہ دعوی بغیر ثبوت کے کچھہ عزت اور وقعت نہیں رکھتا سو اس بنا پر دریافت کیا گیا تھا کہ قرآن کریم میں تو نجات یابندہ کی نشانیاں لکھی ہیں جن نشانوں کے مطابق ہم دیکھتے ہیں کہ اس مقدس کتاب کی پیروی کرنے والے نجات کو اسی زندگی میں پالیتے ہیں مگر آپکے مذہب میں حضرت عیسی ع نے جو نشانیاں نجات یابندوں یعنی حقیقی ایمانداروں کے لکھے ہیں وہ آپ میں کہاں موجود ہیں مثلاً جیسے کہ مرقس ۱۶ - ۱۷ میں لکھا ہے اور وے جو ایمان لائینگے انکے ساتھہ یہہ علامتیں ہونگی کہ وہ میرے نام سے دیووں کو نکالینگے اور نئی زبانیں بولیں گے سانپوں کو اٹھالیں گے اور اگر کوئی ہلاک کرنے والی چیز پئیں گے انہیں کچھہ نقصان نہوگا وے بیماروں پر ہاتھہ رکھیں گے تو چنگے ہو جائینگے - نواب میں بادب التماس کرتا ہوں اور اگر ان الفاظ میں کچھہ درشتی یا مرارت ہو تو اسکی معافی چاہتا ہوں کہ یہہ تین بیمار جو آپنے پیش کیئے ہیں یہہ علامت تو بالخصوصیت مسیحیوں کے لیئے حضرت عیسی ع قرار دے چکے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر تم سچے ایماندار ہو تو تمہاری یہی علامت ہے کہ بیمار پر ہاتھہ رکھوگے تو وہ چنگا ہو جائیگا اب گستاخی معاف اگر آپ سچے ایماندار ہونے کا دعوی کرتے ہیں تو اس وقت تین بیمار آپ ہی کے پیش کردہ موجود ہیں آپ ان پر ہاتھہ رکھہ دیں اگر وہ چنگے ہو گئے تو ہم قبول کرلیں گے کہ بیشک آپ سچے ایماندار اور نجات یافتہ ہیں ورنہ کوئی

قبول کرنے کی راہ نہیں کیونکہ حضرت مسیح تو یہہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر تم میں رائی
کے دانہ برابر بھی ایمان ہوتا تو اگر تم پہاڑ کو کہتے کہ یہاں سے چلا جا تو وہ چلا جاتا
مگر خیر میں اس وقت پہاڑ کی نقل مکانی تو آپ سے نہیں چاہتا کیونکہ وہ ہماری
اس جگہ سے دور ہیں لیکن یہہ تو بہت اچھی تقریب ہوگئی کہ بیمار تو آپ نے ہی پیش
کر دیئے اب آپ ان پر ہاتھ رکھو اور چنگا کر کے دکھلاؤ ورنہ ایک رائی کے دانہ
کے برابر بھی ایمان ہاتھ سے جاتا رہے گا مگر آپ پر یہہ واضح رہے کہ یہہ الزام
ہمپر عائد نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ جل شانہ نے قرآن کریم میں ہماری یہہ نشانی نہیں
رکھی کہ بالخصوصیت تمہاری یہی نشانی ہے کہ جب تم بیماروں پر ہاتھ رکھو گے تو اچھے
ہو جائیں گے ہاں یہہ فرمایا ہے کہ میں اپنی رضا اور مرضی کے موافق تمہاری دعائیں قبول
کرونگا اور کم سے کم یہہ کہ اگر ایک دعا قبول کرنے کے لائق نہو اور مصلحت الٰہی کے
کے مخالف ہو تو اسمیں اطلاع دیجائیگی یہہ کہیں نہیں فرمایا کہ تمکو یہہ اقتدار دیا
جائیگا کہ تم اقتداری طور پر جو چاہو وہی کر گذرو گے مگر حضرت مسیح کا تو یہہ حکم معلوم
ہوتا ہے کہ وہ بیماروں وغیرہ کے چنگا کرنے میں اپنے تابعین کو اختیار بخشتے ہیں
جیسا کہ متی ۱۰ باب ا میں لکھا ہے پھر اُس نے بارہ شاگردوں کو پاس بلا کے انہیں
قدرت بخشی کہ ناپاک روحوں کو نکالیں اور ہر طرح کی بیماری اور دکھ درد کو دور
کریں۔ اب یہہ آپ کا فرض اور آپ کی ایمانداری کا ضرور نشان ہوگیا۔ کہ
آپ ان بیماروں کو چنگا کر کے دکھلا دیں یا یہہ اقرار کریں کہ ایک۔ رائی کے دانہ
کے برابر بھی ہم میں ایمان نہیں اور آپ کو یاد رہے کہ ہر ایک شخص اپنی کتاب
کے موافق مواخذہ کیا جاتا ہے ہمارے قرآن کریم میں کہیں نہیں لکھا کہ تمہیں
اقتدار دیا جائیگا بلکہ صاف فرما دیا کہ قل انما الآیات عند اللہ یعنی انکو کہدو کہ نشان
اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں جس نشان کو چاہتا ہے اسی نشان کو ظاہر کرتا ہے بندہ کا

اسپر زور نہیں ہے کہ جبر کے ساتھہ اُس سے ایک نشان لیو سے یہہ جبر اور اقتدار تو آپ ہی کی کتابوں میں پایا جاتا ہے بقول آپکے مسیح اقتداری معجزات دکھلاتا تھا اور اُس نے شاگردوں کو بھی اقتدار بخشا اور آپ کا یہہ عقیدہ ہے کہ اب بھی حضرت مسیح عم زندہ حی قیوم قادر مطلق عالم الغیب دن رات آپکے ساتھہ ہے جو چاہو وہی دے سکتا ہے پس اب حضرت مسیح سے درخواست کریں کہ ان تینوں بیماروں کو آپکے ہاتھہ رکہنے سے اچھا کردیویں تا نشانی ایمانداری کی آپ میں باقی رہ جاوے ورنہ یہہ تو مناسب نہیں کہ ایک طرف اہل حق کے ساتھہ بحیثیت سچے عیسائی ہونے کے مباحثہ کریں اور جب سچے عیسائی کے نشان مانگے جائیں تب کہیں کہ ہم میں استطاعت نہیں اس بیان سے تو آپ اپنے پر ایک اقبالی ڈگری کراتے ہیں کہ آپ کا مذہب اسوقت زندہ مذہب نہیں ہے لیکن ہم جس طرح پر خدا تعالیٰ نے ہمارے سچے ایماندار ہونے کے نشان ٹہرائے ہیں اس التزام سے نشان دکھلانے کو تیار ہیں اگر نشان نہ دکھلا سکیں تو جو سزا چاہیں دے دیں اور جس طرح کی چُھری چاہیں ہمارے گلے میں پھیر دیں اور وہ طریق نشان نمائی کا جسکے لیئے ہم مامور ہیں وہ یہہ ہے کہ ہم خدا تعالیٰ سے جو ہمارا سچا اور قادر خدا ہے اس مقابلہ کے وقت جو ایک سچے اور کامل نبی کا انکار کیا جاتا ہے تضرع سے کوئی نشان مانگیں تو وہ اپنی مرضی سے نہ ہمارا محکوم اور تابع ہو کر جس طرح سے چاہے گا نشان دکھلائیگا آپ خوب سوچیں کہ حضرت مسیح عم بھی باوجود آپکے اس قدر غلو کے اقتداری نشانات کے دکھلانے سے عاجز رہے دیکھیئے مرقس ۸ - ۱۱ و ۱۲ یہہ لکھا ہے تب فریسی نکلے اور اس سے حجت کرکے یعنی جس طرح اب اسوقت مجھہ سے حجت کی گئی - اسکے امتحان کے لیئے آسمان سے کوئی نشان چاہا اُس نے اپنے دل سے آہ کھینچ کے کہا کہ اس زمانہ کے

لوگ کیوں نشان چاہتے ہیں۔ میں تمسے سچ کہتا ہوں کہ اس زمانہ کے لوگوں کو کوئی
نشان دیا نہ جائیگا اب دیکھیے کہ یہودیوں نے اسی غرض سے نشان مانگا تھا حضرت
مسیح نے آہ کھینچ کر نشان دکھلانے سے انکار کر دیا پھر اس سے بھی عجب طرح کا
ایک اور مقام دیکھیے کہ جب مسیح صلیب پر کھینچے گئے تو تب یہودیوں نے
کہا کہ اُس نے اوروں کو بچایا پر آپ کو نہیں بچا سکتا اگر اسرائیل کا بادشاہ ہے
تو اب صلیب سے اُتر آوے تو ہم اسپر ایمان لاوینگے اب ذرہ نظر غور سے
اس آیت کو سوچیں کہ یہودیوں نے صاف عہد اور اقرار کر لیا تھا کہ اب صلیب
سے اُتر آوے تو وہ ایمان لاوینگے لیکن حضرت مسیح ؑ اُتر نہیں سکے ان تمام
مقامات سے صاف ظاہر ہے کہ نشان دکھلانا اقتداری طور پر انسان کا کام
نہیں۔ ہے بلکہ خدا تعالےٰ کے ہاتھ میں ہے جیسا کہ ایک اور مقام میں حضرت
مسیح ؑ فرماتے ہیں یعنی متی ۱۲ - ۳۸ کہ اس زمانہ کے بد اور حرام کار لوگ نشان
ڈھونڈتے ہیں پر یونس نبی کے نشان کے سوا کوئی نشان دکھلایا نہ جائیگا اب
دیکھیے کہ اس جگہ حضرت مسیح نے اُنکی درخواست کو منظور نہیں کیا بلکہ وہ بات
پیش کی جو خدا تعالیٰ کی طرف سے اُنکو معلوم تھی اسیطرح میں بھی وہ بات پیش کرتا
ہوں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مجکو معلوم ہے میرا دعوی نہ خدائی کا ہے اور نہ
اقتدار کا اور میں ایک مسلمان آدمی ہوں جو قرآن شریف کی پیروی کرتا ہوں اور قرآن
شریف کی تعلیم کے رو سے اس موجودہ نجات کا مدعی ہوں میرا نبوت کا کوئی
دعوی نہیں یہ آپ کی غلطی ہے یا آپ کسی خیال سے کہہ رہے ہیں کیا ضروری ہے
کہ جو الہام کا دعوی کرتا ہے وہ نبی بھی ہو جائے میں تو محمدی اور کامل طور پر اللہ
ورسول کا متبع ہوں اور ان نشانوں کا نام معجزہ رکھنا نہیں چاہتا بلکہ ہمارے مذہب
کے رو سے ان نشانوں کا نام کرامات ہے جو اللہ رسول کی پیروی سے دیے جاتے

ہیں تو پھر میں دعوت حق کی غرض سے دوبارہ اتمام حجت کرتا ہوں کہ یہہ حقیقی نجات اور حقیقی نجات کے برکات اور ثمرات صرف انہیں لوگوں میں موجود ہیں جو حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والے اور قرآن کریم کے احکام کے سچے تابعدار ہیں اور میرا دعویٰ قرآن کریم کے مطابق صرف اتنا ہے کہ اگر کوئی حضرت عیسائی صاحب اس نجات حقیقی کے منکر ہوں جو قرآن کریم کے وسیلہ سے مل سکتی ہے تو انہیں اختیار ہے کہ وہ میرے مقابل پر نجات حقیقی کی آسمانی نشانیاں اپنے مسیح سے مانگ کر پیش کریں مگر اب بالخصوص رعائت شرائط بحث کے لحاظ سے میرے مخاطب اس بارہ میں مسٹر عبداللہ آتھم صاحب ہیں صاحب موصوف کو چاہیئے کہ انجیل شریف کی علامات ..... قرار دادہ کے موافق سچا ایماندار ہونے کی نشانیاں اپنے وجود میں ثابت کریں اور اس طرف میرے پر لازم ہوگا کہ میں سچا ایماندار ہونے کی نشانیاں قرآن کریم کے رو سے اپنے وجود میں ثابت کروں مگر اس جگہ یاد رہے کہ قرآن کریم ہمیں اقتدار نہیں بخشتا بلکہ ایسے کلمہ سے ہمارے بدن پر لرزہ آتا ہے ہم نہیں جانتے کہ وہ کس قسم کا نشان دکھلائیگا وہی خدا ہے سوا اُسکے اور کوئی خدا نہیں ہاں یہہ ہماری طرف سے اس بات کا عہد پختہ ہے جیسا کہ اللہ جل شانہ نے میرے پر ظاہر کر دیا ہے کہ ضرور مقابلہ کے وقت میں فتح پاؤنگا مگر یہہ معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ کس طور سے نشان دکھلائیگا اصل مدعا تو یہہ ہے کہ نشان ایسا ہو کہ انسانی طاقتوں سے بڑھکر ہو یہہ کیا ضرور ہے کہ ایک بندہ کو خدا ٹھہرا کر اقتدار کے طور پر اُس سے نشان مانگا جائے ہمارا یہہ مذہب نہیں اور نہ ہمارا یہہ عقیدہ ہے اللہ جل شانہ ہمیں صرف عموم اور کلی طور پر نشان دکھلانے کا وعدہ دیتا ہے اگر اسمیں میں جھوٹا نکلوں تو جو سزا آپ تجویز کریں خواہ سزائے موت

ہی کیوں نہو مجھے منظور ہے لیکن ..... اگر آپ حد اعتدال وانصاف کو چھوڑ کر مجھ سے ایسے نشان چاہینگے جس طرز سے حضور مسیح بھی دکھلا نہیں سکے بلکہ سوال کرنے والوں کو ایک دو گالیاں سنا دیں تو ایسے نشان دکھلانے کا دم مارنا بھی میرے نزدیک کفر ہے۔

دستخط — دستخط

بحروف انگریزی غلام قادر فصیح	بحروف انگریزی ہنری مارٹن کلارک
پریزیڈنٹ	پریزیڈنٹ
از جانب اہل اسلام	از جانب عیسائیاں

روئدادِ جلسہ

۲۷ مئی ۱۸۹۳ء

آج پھر جلسہ منعقد ہوا ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب نے یہ تجویز پیش کی کہ چونکہ پادری جے ایل ٹھاکر داس صاحب بوجہ ضروری کام کے گوجرانوالہ میں تشریف لے گئے ہیں اس لئے انکی بجائے ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب ناصر مقرر کئے جائیں۔ تجویز منظور ہوئی۔ پھر بہ تحریک ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب ناصر اور بتائید میر حامد شاہ صاحب اور باتفاق رائے حاضرین یہ بھی تجویز منظور ہوئی۔ کہ شرائط مباحثہ میں قرار دیا گیا تھا کہ ہر ایک تقریر پر تقریر کنندوں اور میر مجلس صاحبان کے دستخط ہونے چاہئیں بعوض اس کے میں پیش کرتا ہوں کہ صاحب میر مجلس صاحبان کے دستخط ہی کافی متصور ہوں۔

مباحثہ کے متعلق یہ قرار پایا کہ۔ اہل اسلام کی طرف سے منشی غلام قادر صاحب فصیح اور مرزا خدابخش صاحب اور عیسائی صاحبان کی طرف سے بابو فخرالدین اور شیخ وارث الدین صاحب ایک جگہ بیٹھکر فیصلہ کریں اور رپورٹ کریں۔ کہ مباحثہ کی کس قدر قیمت مناسب مقرر کیجا سکتی ہے۔ اس کے بعد عیسائی صاحبان کی طرف سے بتایا جائیگا کہ وہ کس قدر کاپیاں خرید سکیں گے اور یہ مباحثہ جب عیسائی صاحبان خریدیں گے اس طرح چھپا ہوا ہوگا۔ کہ روئداد اور مصدقہ مضامین فریقین کے لفظ بلفظ اس میں مندرج ہونگے کسی فریق کی طرف سے اس میں کمی بیشی دیگر نہیں کیجائے گی۔

۶ بجے ۵۴ منٹ پر مسٹر عبداللہ آتھم صاحب نے جواب لکھانا شروع کیا۔ اور ۷ بجے ۵۴ منٹ پر ختم ہوا اور بعد مقابلہ بلند آواز سے سنایا گیا مرزا صاحب نے ۸ بجے ۵ منٹ پر جواب لکھانا شروع کیا اور ۹ بجے ۵ منٹ پر ختم ہوا۔ اور اس کے بعد ایک امر پر تنازعہ ہوتا رہا جسکا اسیوقت فیصلہ کر کے ہر دو میر مجلسوں کے اور سیکرٹریوں کے دستخط کئے گئے۔ جو اس کارروائی کے ساتھ متعلق ہے۔ فقط

دستخط بحروف انگریزی۔ ہنری مارٹن کلارک
پریزیڈنٹ از جانب عیسائیان

دستخط بحروف انگریزی منشی غلام قادر فصیح
پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام

مطبوعہ ریاض ہند امرتسر

دہوہذا

چونکہ مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب بیمار تھے اور انہوں نے اپنے آخری جواب میں ایک پہلے سے لکھی ہوئی تحریر پیش کرکے کہا کہ کوئی اور صاحب انکی طرف سے سنادیں۔ اس لئے میر مجلس اہل اسلام نے اسپر اعتراض کیا کہ ایسی تحریر پہلے سے لکھی ہوئی پیش کیجانی خلاف شرائط ہے۔ چنانچہ اسپر ایک عرصہ تک تنازعہ ہوتا رہا۔ آخرکار یہ قرار پایا کہ سوموار کا ایک دن اس زمانہ مباحثہ میں ایزاد کیا جاوے۔ اور ایسا ہی دوسرے زمانہ میں بھی ایکدن اور بڑہا دیا جاوے۔ علاوہ بریں یہ بھی مرزا صاحب کی رضامندی سے قرار پایا کہ اُس سوموار کے روز مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب خدانخواستہ صحتیاب نہ ہوں تو اُنکی جگہ کوئی اور صاحب مقرر کئے جاویں اور اس امر کا اختیار ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب کو ہوگا۔ یہ بھی قرار پایا کہ ۲۹ تاریخ کو آخری جواب ڈپٹی عبد اللہ آتھم صاحب کا ہو۔ اور دوسرے زمانہ میں آخری جواب مرزا صاحب کا ہوگا۔ وقت کا لحاظ نہ ہوگا۔ اور گیارہ بجے کے اندر اندر کاروائی ختم ہوگی۔ یعنی آخری زمانہ مجیب کا حق ہوگا کہ جواب دے۔ اور اس کے جواب کے بعد اگر وقت بچے تو سائل کو وقت نہیں دیا جاویگا اور جلسہ برخواست کیا جاویگا۔ چونکہ مذکورہ بالا اول الذکر امر فیصلہ طلب تھا اس لئے اتفاق رائے سے اس کا یوں فیصلہ ہوا کہ آئندہ کوئی مضمون تحریری پہلے کا لکھا ہوا لفظ بہ لفظ نقل نہیں کرایا جاسکتا۔ اور یہ فیصلہ بہ مراضی فریقین ہوا۔ اور فریقین پر کوئی اعتراض نہیں۔

۲۷ مئی ۹۳ء

دستخط بحروف انگریزی۔ منشی غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ ازجانب اہل اسلام	دستخط بحروف انگریزی ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ ازجانب عیسائیاں

بیان ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب

۲۴ مئی ۱۸۹۳ء

اول۔ درباره راہ نجات ونشانات نجات یافتگان جو جناب مرزا صاحب نے بیان کئے ہیں ہمنے پہلے اس سے بیان کر دیا ہے کہ ہفتہ آئندہ کے شروع میں اسکی بحث پوری شروع ہوگی اسجگہ بھی ہم اسقدر اشارہ کر دیتے ہیں کہ آپکے لفظ نجات کی تعریف بہت ہی ناکمل ہے اور آپکو ضرور نہ تھا کہ طریقہ نجات مسیحاں کو مصنوعی اور غیر طبعی اور باطل فرماتے۔ بہرکیف جو آپنے فرمایا ہے وہ آگے دیکھا جائیگا جب ہماری باری اعتراضات کی ہوگی۔

دوم۔ انجیل یوحنا کی باب ۱۰ پیش کرده آیات کا ہم کافی ووافی جواب دے چکے ہیں آپنے بجائے اس کے کہ اُس جواب کا کچھ نقض وکہلاتے محض بار بار تکرار ہے اسکا کیا ہے۔ گویا کہ تکرار ہے کافی ہے اور طول کلامی ہے گویا صداقت ہے۔

یوحنا کے باب ۱۰-۳۶ میں جہاں لفظ مخصوص اور بھیجا ہوا ترجمہ ہوا ہے ہماری اس شرح پر کہ لفظ مخصوص کا اصل زبان میں بمعنے تقدیس کیا گیا ہے۔ اور بھیجا ہوا اسی پر ایما کرتا ہے جو اسنے فرمایا کہ مَین آسمانی ہوں اور تم زمینی ہو یہ لفظ جتنے حوالہ آپ نے دیئے ہیں اور کسی بزرگ کے بارہ میں پائی نہیں جاتی۔ یسعیا ۱۳/۳ سطروں کے ترجمہ میں لفظ ارخوبای ہے جس کے معنے بھیجا ہوا ہے پہلے سموئیل ۱۲/۸ میں لفظ اپسنن ای لو۔ معنے وہی ہیں۔ پیدائش ۴۵/۵ میں بھی اور یرمیا ۳۵/۱۳ میں لفظ بادی زی جسکے معنے جاگے ہیں اور یہ الفاظ مقام متنازعہ کے لفظ ہی گی آ سے۔ سے بہت ہی متفرق ہیں اور ان الفاظ کا تعلق مقام متنازعہ سے کچھ نہیں ہے اور جو ہمنے کہا وہ درست ہے کہ جس کو خدا نے مخصوص کیا اور بھیجا یعنے آسمان سے بھیجا

سوم کیا یہودی لوگ اسرائیل وغیرہ کو اسی لقب کے باعث کافر سمجھتے تھے یہ جناب کا

سوال نہ۔ جواب اسکا ہم بارہا دیچکے مگر افسوس کہ جناب کسی باعث سے اس کو نہ سمجھے۔ گذشتہ بحث پر جناب نظر غور پھر فرما کے دیکھ لیں اور یہ خصوصیت اور کسی نبی کے ساتھ نہ تھی جو مسیح کے ساتھ تھی

چہارم۔ اسکا بھی لوگ انصاف کر لیں گے جو مرزا صاحب کہتے ہیں کہ ہمنے صرف لفظ کے ساتھ نجات کا دعوے کیا ہے اور صرف لفظ ہی استعمال کیا ہے کیوں صاحب ہماری آیات بحوالہ کتب مقدسہ سے کس لئے بے توجگی رہی۔ کیوں نہ ان کا کچھ نقص دکھلایا گیا پیشتر اس سے کہ بے توجگی رکھی جاتی۔

پنجم مرقس کے باب ۱۶ کے بموجب جو مرزا صاحب ہم سے نشان طلب کرتے ہیں بجواب اس کے واضح ہو کہ وعدہ کی عمومیت پر ہمارا کچھ عذر نہیں کہ جو ایمان لائے اس کے ساتھ یہ علامتیں ہوں۔ اگلا سوال یہ ہے کہ اس وعدہ کے عمومیت کے ساتھ کیا معرفت بھی عام ہے کیا حواری اس ضعف ایمانی کے واسطے کہ انہوں نے معتبر گواہوں کی گواہی۔ اور خداوند کے وعدہ کی باتیں اور انبیاء سلف کی پیش خبریاں نہ مانی تہیں جھڑکی نہ کھائی تھی کہ۔ اور کیا ہمارے خداوند کا یہ دستور نہ تہا کہ جس کو وہ تنبیہہ فرماتا تہا اسی کو تقویت بھی بخشتا تہا۔

اور جب اس نے اب فرمایا کہ تم جاؤ دنیا میں کہ جب کوئی ایمان لاوے گا اس کے ساتھ یہ نشان ہوں گے تو اس کا مطلب یہ نہ ہوا کہ معجزہ کی بابت تم ضعیف الایمان ہو گئے۔ اب آیندہ کو معجزات تمہارے ہاتھ سے نہ نکلیں گے۔ کیا یہ جھڑکی ہمارے اس زمانہ کے پادریوں نے بھی کہائی تہی۔ یہ تو ہمنے تسلیم کیا کہ وعدہ عام ہے لیکن اس کو دکھلاؤ کہ معرفت بھی عام ہے جس کے وسیلہ سے یہ امر پورا ہونے والا ہے۔ ہمنے باب ۱۶ مرقس سارا آپ کو سنا دیا ہے جو ہمنے بیان کیا یہی صورت وہاں موجود ہے یا نہیں۔ پس جب معرفت خاص تہی تو حواریوں کے زمانہ کے بعد اس وعدہ کی کشش بیجا ہے کہ نہیں۔

تکمیل اس وعدہ کے بارہ میں اعمال ۸/۱۴ دیکھو کہ کیا یہ لکھا ہے یا نہیں کہ یوحنا
اور پطرس رسول جب سامریہ میں گئے اور بہت سے لوگوں کو مسیحی پایا انوں سے سوال
کیا کہ تمنے روح القدس بھی پائی ہے یا نہیں انہوں نے جواب دیا کہ روح القدس کی
بابت ہمنے سنا تک نہیں تب انہوں سنے پوچھا کہ تمنے کس کے ہاتھ سے بپتسما
پایا انہوں نے کہا کہ یوحنا اصطباغی کے ہاتھ سے تب انہوں نے ہاتھ ان کے سر پر
رکھے اور ان کو روح القدس ملی - اس نظیر سے کیا ثابت نہ ہوا کہ ہماری شرح
صحیح اور سچی ہے اور کیا جناب کی کشش وعدہ عام معجزات کی تا ابد غلط ہے -
پہلے قرنتیوں کے ۱۲ باب میں ۴ آیت سے معلوم ہوتا ہے پر روح ایک ہی ہے
اور خدمتیں بھی طرح طرح کی ہیں اور خداوند ایک ہی ہے - اور تاثیریں طرح طرح کی
ہیں پر خدا ایک ہی ہے جو سبھوں میں سب کچھ کرتا ہے ۲۸ - اور خدا نے کلیسیا میں
کتنوں کو مقرب کیا اور پہلے رسولوں کو دوسرے نبیوں کو تیسرے اُستادوں کو بعد
اس کے کرامتیں تب چنگا کرنے کی قدرتیں وغیرہ - ۳ آیت مددگاریاں پیشوائیاں
طرح طرح کی زبانیں کیا سب رسول ہیں کیا سب نبی ہیں کیا سب اُستاد ہیں
کیا سب کرامتیں دکھاتے ہیں کیا سب کو چنگا کرنے کی قدرت ہے کیا طرح طرح کی زبانیں
سب بولتے ہیں کیا سب ترجمہ کرتے ہیں - ان امور سے صاف ظاہر ہے کہ اُس
زمانہ میں کہ جب حواری موجود تھے ہر ایک مومن کسی بخشش کو عطیہ الٰہیہ سے پیش
کرتا تھا کہ کسی کو یہ امر آتا تھا اور کسی کو وہ اور کوئی بغیر معجزہ کے نہ تھا لیکن کلام الٰہی
نے پہلے قرنتیوں ۱۳/۲ میں یہ فرمایا اور اگر میں نبوت کروں اور اگر میں غیب کی سب خبر
اور سارے علم جانوں اور میرا ایمان کامل ہو یہاں تک کہ میں پہاڑوں کو چلاؤں
پر محبت نہ رکھوں تو میں کچھ نہیں ہوں محبت کبھی جاتی نہیں رہتی اگر نبوتیں ہیں
تو موقوف ہوں گے اگر زبانیں ہیں تو بند ہو جائیں گی اگر علم ہے تو لا حاصل ہو جائیگا

اور آخری آیت میں لکھا ہے۔ اب تو ایمان امید اور محبت یہ تینوں موجود رہتی ہیں پر ان میں جو بڑی ہے محبت ہے۔ کیونکہ ایمان جب دوبدو ہو گیا تو ایمان نہ رہا امید جب حاصل ہو گئی تو تمام ہو گئی مگر محبت کبھی اتمام نہیں پاتی اور یہ بھی یاد رہے محبت خاص نام خدا کا ہے کہ خدا محبت ہے۔ ان سب امور سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ معجزات جیسے کہ ہمیشہ کیواسطے موعود نہیں ہوئی ویسے ہی نجات کے بارہ میں سب سے اوپر انکا درجہ نہیں لیکن ایک وقت کے واسطے جب نئی تعلیم دیگئی اسکی تصدیق اور قائمی کے واسطے معجزہ بخشے گئے اور اگر ہمیشہ معجزے ہوا کریں تو تاثیر معجزہ ہونے کی کچھہ نہ رہے۔ خلاصہ جس آیت سے جناب نے دعدہ عام کی کوشش کی ہے ہم یہ دکھلاتے ہیں کہ اس کے متعلق معرفت بھی ہے اور وہ معرفت محض خاص ہے اور متن کلام باب ۱۶ مرقس کو دیکھو کہ جناب اس بیان کو کسی طرح سے غلط نہ ٹھیرا سکیں گے۔

ششم۔ جناب فرماتے ہیں کہ مسیح نے بھی اقتداری معجزہ دکھلانے سے انکار کیا لیکن یہ جناب کی زیادتی ہے کہاں انکار کیا۔ کیا جب لوگ نشان آسمانی کو دیکھ کر واسطے ٹھٹھہ کرنے کے اور نشان آسمانی مانگتے تھے تو ارشاد ہوا کہ اس بد اور حرامکار گروہ کو کوئی نشان نہ دکھلایا جاویگا۔ اب انصاف فرمایئے کہ کیا نشان کے نہ دکھانے کے معنے یہ ہین کہ نشان نہیں دکھلایا جا سکتا۔ کیا کوئی قادر شخص اگر یہ کہے کہ مین فلان امر نہ کروں گا تو اس کے معنے یہ ہیں کہ وہ نہیں کر سکتا۔

متی ۹ اور یوحنا ۱۱ اور لوقا ۷ - وغیرہ ابواب میں نظایر معجزات صاف صاف دیکھ لو۔ مجھ کو جناب کے فہم و ذکا سے اس سے زیادہ امید تھی کہ آپ ایسے معنے نہ کریں۔

ہفتم آپ جو فرماتے ہیں کہ مسیح نے دوگالیاں دیں کیا بد کو بد کہنا گالی ہے اور یا حرامزادہ کو حرامزادہ کہنا گالی ہے۔ اگر جناب اسلام کی داب کلام کو موافق بھی کچھہ کرتے تو ایک نبی اولوالعزم اور معصوم کی اوپر ایسی بیہودہ بانہ کلام نکہتے اس کیواسطے ہم افسوس کرتے ہیں کہ نبیوں کی بابت بھ

کہا جائے کہ گالیاں دیتے تھے۔ باقی آیندہ

دستخط بحروف انگریزی۔ ہنری مارٹن کلارک
پریزیڈنٹ از جانب عیسائیاں

دستخط بحروف انگریزی۔ منشی غلام قادر فصیح
پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام

بیان حضرت مرزا صاحب

۴ مئی ۱۸۹۳ء
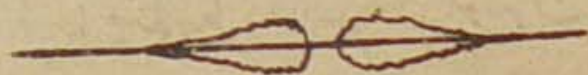
ڈپٹی صاحب سے میرا یہ سوال تھا کہ آپ جو حضرت عیسیٰ کو خدا ٹھہراتے ہیں تو آپ کے پاس حضرت موصوف کی الوہیت پر کیا دلیل ہے کیونکہ جبکہ دنیا میں بہت سے فرقے اور قومیں ایسی پائی جاتی ہیں کہ انہوں نے اپنے اپنے پیشواؤں اور رہبروں کو خدا ٹھہرا رکھا ہے جیسے ہندوؤں کا فرقہ اور بدھ مذہب کے لوگ اور وہ لوگ بھی اپنے اپنے پرانوں اور شاستروں کے رو سے انکی خدائی پر منقولی دلایل پیش کیا کرتے ہیں بلکہ ان کے معجزات اور بہت سے خوارق بھی ایسی شد و مد سے بیان کرتے ہیں کہ آپکے پاس انکی نظیر نہیں جیسے کہ راجہ رامچندر صاحب اور راجہ کرشن صاحب اور برہما اور بشن اور مہادیو کی کرامات جو وہ بیان کرتے ہیں آپ صاحبوں پر پوشیدہ نہیں تو پھر ایسی صورت میں ان متفرق خداؤں میں سے ایک سچے خدا ٹھہرانے کے لئے ضرور نہیں کہ بڑی بڑی معقولی دلایل کی ضرورت ہے کیونکہ دعوے میں اور منقولی ثبوتوں کے پیش کرنے میں تو وہ سب صاحب آپکے شریک ہیں بلکہ منقولات کے بیان کرنے میں شریک غالب معلوم ہوتے ہیں اور میں نے ڈپٹی صاحب موصوف کو صرف اسقدر بات کی طرف توجہ نہیں دلائی بلکہ قرآن کریم سے عقلی دلایل نکالکر ابطال الوہیت مسیح پر پیش کئے کہ انسان تھا اور تمام انسانوں کے لوازم انکے

اندر رکھتا ہے کسی طرح خدا نہیں ٹہیر سکتا اور نہ کبھی یہ ثابت ہوا کہ دنیا میں خدا یا خدا
کا بیٹا بھی نبیوں کی طرح وعظ اور اصلاح خلق کے لیے آیا ہو مگر افسوس کہ ڈپٹی صاحب
موصوف نے اسکا کوئی جواب شافی نہ دیا میری طرف سے یہ پہلے شرط ہو چکی تھی کہ
ہم فریقین دعوے بھی اپنی کتاب الہامی کا پیش کریں گے اور دلایل معقولی بھی اسی
کتاب الہامی کی سنائی جائینگی مگر ڈپٹی صاحب موصوف نے بجائے اس کے کہ کوئی
معقولی دلیل حضرت عیسٰی کے خدا یا خدا کے بیٹا ہونے پر پیش کرتے دعوے پر دعوے
کرتے گئے اور بڑا ناز ان کو ان چند پیشگوئیوں پر ہے جو انہوں نے عبرانیوں کے خطوط اور
بعض مقامات بائبل سے نکالکر پیش کی ہیں مگر افسوس کہ وہ یہہ نہیں سمجھتے کہ
ایسی پیشگوئیاں جبتک ثابت نہ کیجاویں کہ درحقیقت وہ صحیح ہیں اور ان کا مصداق
حضرت مسیح نے اپنے تئیں ٹہیرالیا ہے اور اسپر دلایل عقلی دی ہیں تب تک وہ کسی طور
سے دلایل کے طور پر پیش نہیں ہوسکتیں بلکہ وہ بھی تو پیش طلب کے دعاوی میں جو محتاج
ثبوت ہیں ان دعاوی کے سوا ڈپٹی صاحب نے ابتک حضرت مسیح کی الوہیت ثابت
کرنے کے لئے کچھ بھی پیش نہیں کیا اور میں بیان کر چکا ہوں کہ حضرت مسیح یوحنا
دسویں باب میں صاف طور سے اپنے تئیں خدا کا بیٹا کہلاتے ہیں وہ دوسروں کا ہمرنگ
سمجھتے ہیں اور کوئی خصوصیت اپنے نفس کے لیئے قایم نہیں کرتے حالانکہ وہ یہودی
جنہوں نے حضرت مسیح کو کافر ٹہیرایا تھا انکا سوال یہی تھا۔ اور یہی وجہ کافر ٹہیرانے
کی بھی تھی کہ اگر آپ درحقیقت خدا کے بیٹے ہیں تو اپنی خدائی کا ثبوت دیجیئے لیکن انہوں
نے کچھ بھی ثبوت نہ دیا افسوس کہ ڈپٹی صاحب اس بات کو کیوں سمجھتے نہیں کہ کیا ایسا
ہونا ممکن تھا کہ سوال دیگر و جواب دگر اگر حضرت مسیح درحقیقت اپنے تئیں ابن اللہ
ٹہیراتے تو ضرور یہی پیشین گوئیاں وہ پیش کرتے جو اب ڈپٹی صاحب پیش کر رہے ہیں اور
جبکہ انہوں نے وہ پیش نہیں کیں تو معلوم ہوا کہ انکا وہ دعوے نہیں تھا اگر انہوں نے

کسی اور مقام میں پیش کر دی ہیں اور کسی دوسرے مقام میں یہودیوں کے اس بار بار
کے اعتراض کو اسطرح پر اٹھا دیا ہے کہ میں درحقیقت خدا اور خدا کا بیٹا ہوں اور یہہ
پیشگوئیاں میرے حق میں وارد ہیں اور خدائی کا ثبوت بھی اپنے افعال سے دکھلا دیا ہے
تا اس متنازعہ فیہ پیشگوئی سے انکو مخلصی حاصل ہو جاتی تو براہ مہربانی وہ مقام پیش کریں
اب کسی طور سے آپ اس مقام کو چھپا نہیں سکتے۔ اور آپکی دوسری تاویلات تمام
رکیک ہیں سچ یہی بات ہے کہ مخصوص کا لفظ اور بھیجا گیا کا لفظ عہد عتیق میں اور نیز
جدید میں عام طور پر استعمال پایا ہے آپ پڑھ لیں ایک ہمارا قرضہ ہے جو بھی ادا ہوتا نظر نہیں
آتا جو آپ نے حضرت مسیحؑ کی خدائی کا تو ذکر کیا لیکن انکی خدائی کا معقولی طور پر کچھہ بھی
ثبوت نہ دے سکے اور دوسرے خداؤں کی نسبت اسمیں کچھ مابہ الامتیاز عقلی طور پر قایم
نہ کر سکے بھلا آپ فرماویں کہ عقلی طور پر اس بات پر کیا دلیل ہے کہ راجہ رامچندر اور راجہ کرشن
اور بدھ یہہ خدا نہوں اور حضرت مسیحؑ خدا ہوں۔ اور مناسب ہے کہ اب بعد اس کے آپ
بار بار اُن پیشگوئیوں کا نام نہ لیں جو خود حضرت مسیح کی طرز بیان سے رد ہو چکی ہیں اور
حضرت مسیحؑ ضرورت کیوقت انکو اپنے کام میں نہیں لائے بیشک ہر ایک دانا انسان
کو سمجھتا ہے کہ جب وہ کافر ٹھہرائے گئے اور انپر حملہ کیا گیا اور انپر پتھراؤ شروع ہوا
تو انکو اسوقت اپنی خدائی کے ثابت کرنے کے لئے ان پیشگوئیوں کے اگر وہ درحقیقت
حضرت مسیحؑ کے حق میں تھیں اور انکی خدائی پر گواہی دیتی تھیں سخت ضرورت پڑی تھی
کیونکہ اسوقت جان جانیکا اندیشہ تھا اور کافر تو قرار پاچکے تھے تو پھر ایسی ضروری اور
کار آمد پیشگوئیاں کسدن کے لئے رکھی گئی تھیں کیوں نہیں پیش کیں کیا آپ نے
اسکا کوئی کبھی جواب دیا پھر ہم ان پیشگوئیوں کو کیا کریں اور کس عزت کی نگاہ سے دیکھیں
اور کیونکر حضرت مسیحؑ کو دنیا کے دوسرے مصنوعی خداؤں سے الگ کر لیں اللہ جلشانہٗ
قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ

ذلک قولهم بافواههم یضاهئون قول الذین کفروا من قبل قاتلهم الله
انی یؤفکون اتخذوا احبارهم ورهبانهم اربابا من دون الله والمسیح ابن
مریم وما امروا الا لیعبدوا الها واحدا لا اله الا هو سبحانه عما یشرکون
یریدون ان یطفئوا نور الله بافواههم ویابی الله الا ان یتم نوره ولو کره الکافرون
هو الذی ارسل رسوله بالهدی ودین الحق لیظهره علی الدین کله
ولو کره المشرکون ([illegible] ۔ ۱۰ ۔ ۴) یعنے اللہ تعالے فرماتا ہے کہ کہا بعض یہود نے کہ عزیر
خدا کا بیٹا ہے اور کہا نصارے نے مسیح خدا کا بیٹا ہے یہ انکے منھ کی باتیں ہیں جنکا
کوئی بھی ثبوت نہیں ریس کرنے لگے ان لوگوں کی جو پہلے اس سے کافر ہو چکے یعنے
جو انسانوں کو خدا اور خدا کے بیٹے قرار دے چکے یہ ہلاک کئے جائیں کیسے یہ تعلیم سے
پھر گئے انہوں نے اپنے عالموں کو اپنے درویشوں کو اللہ کے سوا پروردگار ٹھیرالیا
اور ایسا ہی مسیح ابن مریم کو حالانکہ ہمنے یہ حکم کیا تھا کہ تم کسیکی بندگی نکرو مگر ایک
کی جو خدا ہے جسکا کوئی شریک نہیں چاہتے ہیں کہ اپنے موہنوں کے پھوکوں سے
حق کو بجھا دیں اور اللہ تعالے باز نہیں رہیگا جبتک اپنے نور کو پورا نہ کرے اگرچہ کافر
ناخوش ہوں وہ وہی خدا ہے جسنے اپنا رسول ہدایت اور سچا دین دیکر بھیجا تاوہ دین
سب دینوں پر غالب ہو جاوے اگرچہ مشرک ناخوش ہوں اب دیکھیے کہ ان آیات کریمہ
میں اللہ جلشانہ نے صاف طور پر فرمایا ہے کہ عیسائیوں سے پہلے یہودی یعنے بعض
یہودی بھی عزیر کو ابن اللہ قرار دے چکے اور نہ صرف وہی بلکہ مقدم زمانہ کے کافر بھی اپنے
پیشواؤں اور اماموں کو یہی منصب دے چکے پھر ان کے پاس اس بات پر کیا دلیل
ہے کہ وہ لوگ اپنے اماموں کو خدا ٹھیرانے میں جھوٹے تھے اور یہ سچے ہیں ۔ اور یہ
اسبات کی طرف اشارہ فرماتا ہے کہ یہی خرابیاں دنیا میں پڑ گئی تھیں جنکی اصلاح
کے لئے اس رسول کو بھیجا گیا تا کامل تعلیم کے ساتھ ان خرابیوں کو دور کرے کیونکہ اگر

یہودیوں کے ہاتھ میں کوئی کامل تعلیم ہوتی تو وہ برخلاف توریت کے اپنے عالموں اور درویشوں کو ہرگز خدا نہ ٹھیراتے اس سے معلوم ہوا کہ وہ کامل تعلیم کے محتاج تھے جیسا کہ حضرت مسیح نے بھی اسبات کا اقرار کیا کہ ابھی بہت سی باتیں تعلیم کی باقی ہیں کہ تم انکی برداشت نہیں کرسکتے یعنے جب وہ یعنے روح حق آوے تو وہ تمہیں ساری سچائی کے راہ بتاوے گی اس لئے کہ وہ اپنی نہ کہیگی لیکن وہ جو کچھ سنیگی وہ کہیگی اور تمہیں آیندہ کی خبریں دیگی حضرات عیسائی صاحبان اس جگہہ روح حق سے روح القدس مراد لیتے ہیں اور اس طرف توجہ نہیں فرماتے کہ روح القدس توان کے اصول کے موافق خدا ہے تو پہر وہ کس سے سنیگا حالانکہ لفظ پیشگوئی کے یہ ہیں کہ جو کچھ وہ سنیگی وہ کہے گی۔ اب پہر ہم اوس پہلے مضمون کیطرف رجوع کرکے کہتے ہیں کہ ڈپٹی صاحب موصوف نے تو حضرت مسیح کے خدا ہونے پر کوئی معقولی دلیل انجیل سے پیش نہ کی لیکن ہم ایک اور دلیل قرآن کریم سے پیش کردیتے ہیں کہ اللہ جلشانہ فرماتا ہے اللہ الذی خلقکم ثم رزقکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ھل من شرکائکم من یفعل من ذلکم من شی سبحانہ وتعالی عما یشرکون ۔ پارہ ۲۱ رکوع لیعنے اللہ وہ ہے جسنے تمہیں پیدا کیا پہر تمہیں رزق دیا پہر تمہیں مارے گا پہر زندہ کرے گا۔ کیا تمہارے معبودوں میں سے جو انسانوں میں سے ہیں کوئی ایسا کرسکتا ہے پاک ہے خدا ان بہتانوں سے جو مشرک لوگ اسپر لگا رہے ہیں۔ پہر فرماتا ہے ام جعلوا للہ شرکاء خلقوا کخلقہ فتشابہ الخلق علیھم قل اللہ خالق کل شی وھو الواحد القھار۔ کیا انہوں نے خدا تعالے کے شریک ایسے صفات کے ٹھیرا رکھے ہیں کہ جیسے خدا تعالی خالق ہے وہ بھی خالق ہیں تا اس دلیل سے انہوں نے انکو خدا مان لیا انکو کہہ دے کہ ثابت شدہ یہی امر ہے کہ اللہ تعالے خالق ہر ایک چیز کا ہے اور وہی اکیلا ہر ایک چیز پر غالب اور قاہر ہے۔ اس قرآنی دلیل کے موافق ڈپٹی عبداللہ

سے پہلے دریافت کیا تہا کہ اگر آپ صاحبوں کی نظر میں درحقیقت حضرت مسیح خدا ہیں
تو انکی خالقیت وغیرہ صفات الوہیت کا ثبوت دیجئے کیونکہ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ خدا اپنی
صفات کو آسمان پر چہوڑ کر نرا مجرد اور برہنہ ہو کر دنیا میں آجائے اسکی صفات اسکی
ذات سے لازم غیر منفک ہیں اور کبھی معطل جائز نہیں یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ
خدا ہو کر پہر خدائی کے صفات کاملہ ظاہر کرنے سے عاجز ہو اسکا جواب ڈپٹی صاحب
موصوف کچھہ یہ دیتے ہیں کہ جو کچھہ زمین آسمان میں آفتاب و ماہتاب وغیرہ چیزیں
مخلوق پائی جاتی ہیں یہ مسیح کی بنائی ہوئی ہیں اب ناظرین اس جواب کی خوبی
اور عمدگی کا آپ ہی اندازہ کرلیں کہ یہ ایک دلیل پیش کیگئی ہے یا دوسرا ایک
دعوے پیش کیا گیا ہے کیا ایسا ہی ہندو صاحبان نہیں کہتے کہ جو کچھ آسمان و
زمین میں مخلوق پائی جاتی ہے وہ راجہ رامچندر صاحب نے ہی بنائی ہوئی ہے پہر
اسکا فیصلہ کون کرے۔ پہر بعد اس کے ڈپٹی صاحب موصوف ایمانی نشانیوں کو کسی
خاص وقت تک محدود قرار دیتے ہیں حالانکہ حضرت مسیح صاف لفظوں سے فرما رہے
ہیں کہ اگر تم میں رائی کے برابر بھی ایمان ہو تو تم سے ایسی ایسی کرامات ظاہر ہوں
پہر ایک مقام یوحنا ۱۴ باب ۱۲ میں آپ فرماتے ہیں میں تم سے سچ سچ
کہتا ہوں کہ جو مجھ پر ایمان لاتا ہے جو میں کام کرتا ہوں وہ بھی کرے گا۔ اور انسے
بھی بڑے بڑے کام کرے گا اب دیکھئے کہ وہ تاویلات آپکی کہاں گئیں اس آیت
میں تو حضرت مسیح نے صاف صاف فیصلہ ہی کر دیا اور فرما دیا کہ مجھ پر ایمان
لانے والا میرا ہمرنگ ہو جائے گا اور میرے جیسے کام بلکہ مجھ سے بڑھکر کرے گا
اور یہ فرمودہ حضرت مسیح کا نہایت صحیح اور سچا ہے کیونکہ انبیا اسی لئے آیا کرتے ہیں
کہ ان کی پیروی کرنے سے انسان انہیں کے رنگ سے رنگین ہو جائے اور ان کی
درخت کی ایکڑالی بن کر وہی پہل لاوے اور وہی پہول لاوے جو وہ لاتے ہیں ماسوا اسکے

یہہ بات ظاہر ہے کہ انسان ہمیشہ اپنی اطمینان قلب کا محتاج ہوتا ہے اور ہر ایک زمانہ کو تاریکی کے پہیلنے کے وقت نشانونکی ضرورت ہوا کرتی ہے۔

پہر یہ کیونکر ہوسکے کہ حضرت مسیح کے مذہب قایم رکہنے کے لئے اور اس خلاف تحقیقات عقیدہ حضرت مسیح کے ابن اللہ ٹہیرانے کے لئے کسی نشان کی کچہہ بہی ضرورت نہ ہو اور دوسری قوم جن کو باطل پر خیال کیا جاتا ہے اور وہ نبی کریم صلعم جو قرآن کریم کو لایا اسکو خلاف حق سمجہا جاتا ہے اسکی پیروی کرنے والے تو قرآن کریم کے منشا کے موافق خدا تعالے کی توفیق اور فضل سے نشان دکہلا دیں مگر مسیحوں کی نشان آگے نہیں بلکہ پیچہے رہگئے ہوں اگر مسیحوں میں نشان نمائی کی توفیق اب موجود نہیں ہے تو پہر خود سوچ لیں کہ ان کا مذہب کیا شے ہے میں پہر سہ بارہ عرض کرتا ہوں کہ جیسا کہ اللہ جلشانہ نے سچے مذہب کی تین نشانیاں ٹہیرائی ہیں وہ اب بہی نمایاں طور پر اسلام میں موجود ہیں پہر کیا وجہ کہ آپکا مذہب بے نشان ہوگیا اور کوئی سچائی کے نشان اسمیں باقی نہیں رہے پہر آپ فرماتے ہیں کہ حضرت مسیح نے جو نشانی دکہلانے سے ایک جگہ انکار کیا تہا تو اسکی وجہ یہ تہی کہ وہ پہلے دکہلا چکے تہے میں کہتا ہوں کہ یہ آپکا بیان صحیح نہیں ہے اگر وہ دکہلا چکتے تو اسکا حوالہ دیتے اور نیز میں یہہ بہی کہتا ہوں کہ میں بہی تو آپ لوگوں کو دکہلا چکا ہوں۔

کیا آپکو پرچہ نور افشان ۱۰ مئی ۱۸۸۸ء یاد نہیں ہے جسمیں بڑے دعوے کے ساتھ صاحب نور افشان نے میری پیشگوئی کا انکار کرکے اس پرچہ میں مخالفانہ مضمون چہپوایا تہا اور وہ پیشگوئی بہی نقل کردی تہی تو پہر وہ پیشگوئی اپنی میعاد میں پوری ہوگئی۔

اور آپ اقرار کرچکے ہیں کہ پیشگوئی بہی خوارق میں داخل ہے تو ہمنے تو ایک نشان ایسے طور پر آپکے ثابت کردیا کہ نور افشان میں درج ہے پہر اس کے بعد

اگر آپکی طرف سے کوئی حجت ہو تو وہ اُسی حجت کے ہمرنگ ہوگی جو یہودیوں نے کی تھی جس کی تفصیل حضرت مسیح کی زبان سے آپ سُن چکے ہیں ۔ کہنے کی حاجت نہیں مگر میں آپکے اقرار کے موافق کہ آپنے مسلمان ہونے کا اقرار کیا تھا اسبات کی سُننے کے لئے بہت مشتاق ہوں کہ اس پیشگوئی کو دیکھہ کر آپنے کسقدر حصہ اسلام کا قبول کر لیا ہے اور میں تو آیندہ بھی تیار ہوں صرف درخواست اور تحریر شرائط کی دیر ہے اور آپکا یہ فرمانا کہ گویا حضرت مسیح کے حق میں مینے گالی کا لفظ استعمال کر کے ایک گونہ بے ادبی کی ہے یہہ آپکی غلط فہمی ہے مین حضرت مسیح کو ایک سچا نبی اور برگزیدہ اور خدا تعالے کا ایک پیارا بندہ سمجھتا ہوں وہ تو ایک الزامی جواب آپ ہی کے مشرب کے موافق تھا اور آپ ہی پر وہ الزام عاید ہوتا ہے نہ کہ مجھ پر۔ (بقیہ آیندہ)

دستخط بحروف انگریزی
منشی غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ
ازجانب اہل اسلام

دستخط بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ ازجانب
عیسائیان

(مطبوعہ ریاض ہند پریس امرتسر)
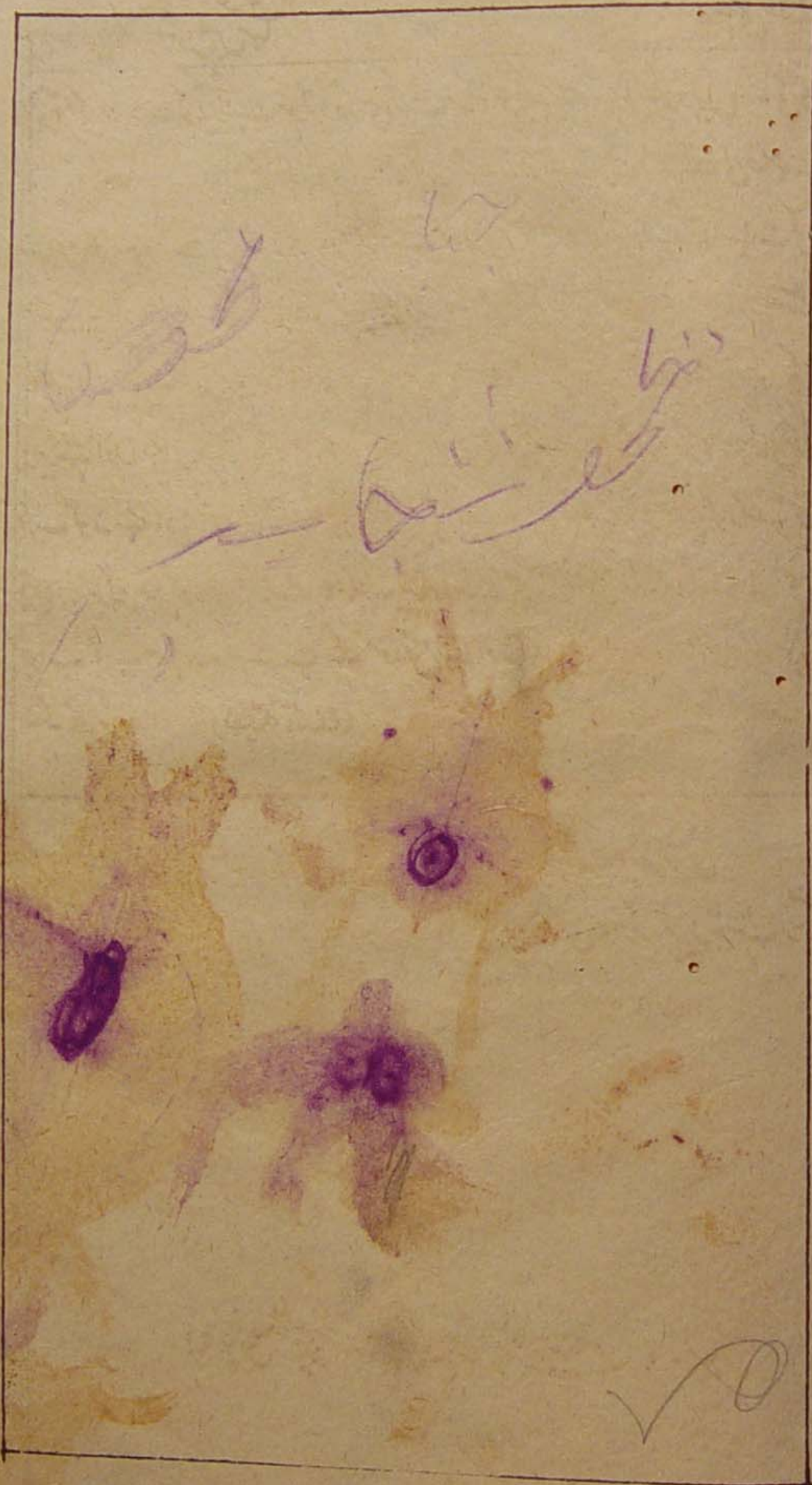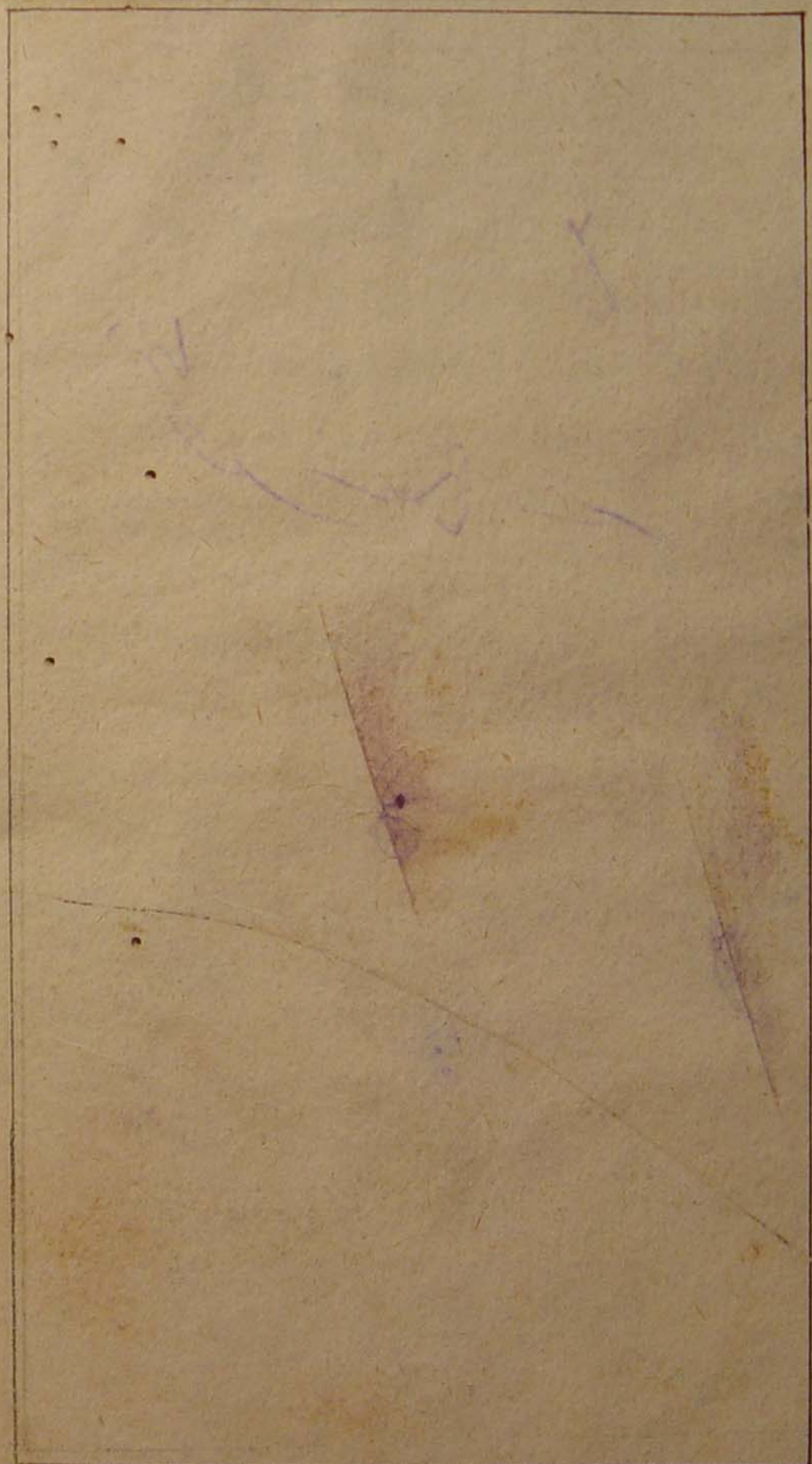
روئداد جلسہ
۲۹ مئی ۱۸۹۳ء

آج پھر جلسہ منعقد ہوا۔ ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب نے تجویز پیش کی۔ کہ چونکہ مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب بیماری کی وجہ سے تشریف نہیں لا سکے اسلیئے انکی جگہ میں پیش ہوتا ہوں۔ اور میری جگہ پادری احسان اللہ صاحب میر مجلس عیسائی صاحبان مقرر کئے جاویں۔ مرزا صاحب اور میر مجلس اہل اسلام کی اجازت سے تجویز منظور ہوئی ڈاکٹر کلارک صاحب نے ۶ بجے ۱۶ منٹ پر جواب لکھنا شروع کیا اور ۷ بجے ۱۵ منٹ پر ختم کیا اور بعد مقابلہ بلند آواز سے سنایا گیا۔ مرزا صاحب نے ۷ بجے ۵۵ منٹ پر شروع کیا اور ۸ بجے ۵۵ منٹ پر ختم کیا اور بعد مقابلہ بلند آواز سے سُنایا گیا۔ ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب نے ۹ بجے ۴۰ منٹ پر جواب لکھنا شروع کیا اور ۱۰ بجے ۳۵ منٹ پر ختم کیا اور بعد مقابلہ بلند آواز سے سنایا گیا۔ بعد ازاں فریقین کی تحریروں پر پریزیڈنٹوں کے دستخط کئے گئے۔ اور مباحثہ کے پہلے حصہ کا خاتمہ ہوا۔

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
احسان اللہ قائمقام ہنری مارٹن کلارک	غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ ازجانب
پریزیڈنٹ ازجانب عیسائی صاحبان	اہل اسلام

مطبوعہ مطبع ریاض ہند امرتسر

بیان ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب

قایم مقام ڈپٹی عبد اللہ آتھم صاحب ۲۹ مئی ۱۸۹۳ء

جناب مرزا صاحب کی کئی ایک باتیں سُنکر میں بہت حیران ہوا ہوں لیکن سب سے زیادہ حیرت اُنکے اِس فرمانے سے ہوئی کہ آپ عقلاً کہہ سکتے ہیں کہ رامچندر اور کرشن بھی کیوں خدا تصوّر نہ کئے جائیں اور اہل ہنود کی جو کتابیں ہیں اُنکا ثبوت بھی قابل اعتبار نہ گنا جائے۔ مرزا صاحب یہ کیا آپ فرماتے ہیں اُنہوں نے کونسے کار آلہی کئے اور اُنکا کونسا دعوی پایہ ثبوت تک پہنچا ہوا ہے اور ایک۔ اہل کتاب کی جو مجلس ہے اُسمیں انکی نظیروں کی ضرورت کیا ہے۔ آیا عقلاً آپ المسیح اور رامچندر اور کرشن میں کوئی تمیز نہیں کرتے اور جلالی انجیل کو مقابل اہل ہنود کی کتابوں کے جانتے ہیں۔ میرے خیال میں ایک نبی اللہ برحق کو اور اہل کتاب کے مسئلوں کو بت پرستوں اور بُت پرستوں کی کتابوں سے تشبیہ دینا ہی گناہ ہے اور اگر آپ ایسی تشبیہ دیویں تو اسکا جواب بھی آپ اللہ تعالیٰ کو دیویں۔ اہل ہنود کی جن کتابوں کا آپ نے ذکر کیا وہ تو تواریخی طور پر بھی درست نہیں ہیں۔ اب ہم کس بات کو مدنظر رکھ کر زیادہ تر امتیاز کریں۔ آپ نے یہہ بھی فرمایا تھا کہ چونکہ بہت شخصوں نے دعوی کیا تھا کہ ہم خدا ہیں اور اُنکے یہہ دعوے الوہیت کے باطل نکلے۔ لہذا مسیح نے بھی یہہ دعوے کیا ہے لہذا وہ بھی باطل ہے۔ جناب من یہہ کیا فرماتے ہیں۔ چونکہ دس روپیہ میں نو کھوٹے ہوں آیا دسواں بھی ضرور کھوٹا ہوگا؟ اِس طرح کا فتوی نہیں دیا جاسکتا موقعہ دیکھکر اور خصوصیتیں جو ہیں سمجھ کر فتوی دینا چاہیئے۔ چونکہ جھوٹے دعوے ہیں آپ پر روشن ہوگا کہ سچا بھی کوئی ہوگا اگر سچے روپے نہ ہوتے تو نقلی بھی نہ ہوتے سوم ہمنے کئی پیشین گویاں مرزا صاحب کی خدمت میں عرض کردی ہیں اور اُنپر آپ کا یہہ اعتراض ہے کہ آپ دعوے کے ثبوت میں دعوے اور ہی پیش کرتے ہیں کیونکہ یہہ

پیشین گوئیاں جنکا حوالہ دیتے ہو خود دعوے ہیں اور دعوے کا دعوے سے کیونکر ثبوت ہوسکتا ہے۔ جناب من یہ آپ کی عجب غلط فہمی ہے۔ پیشگویاں اللہ تعالی کی کسی صورت میں دعوی نہیں گنی جاسکتیں بلکہ صداقتیں ہیں اور ہم انکو دعوے کے طور نہیں تسلیم کرتے لیکن اپنے مالک کے فرمان کے طور قبول کرتے ہیں۔ کسی فرد بشری کی جراءت ہے کہ اپنے پیدا کنندہ اور پرورش کرنے والے کے فرمان کو دعوے کہے اور انکو پرکھنا بھی ہمارا حق نہیں کیونکہ اگر ایک پیشگوئی ہے تو وہ علاقہ رکھتی ہے زمانہ استقبال سے نہ کہ زمانہ حال سے اب جس منزل تک ہم پہنچتے ہی نہیں ہیں وہاں کی باتوں کا ہم فیصلہ ہی کیا کریں ہمارا حق ہے کہ نبی کو پرکھیں اور تسلی اپنی کرالیں کہ یہہ بالضرور نبی اللہ ہے اور جب ہمنے معلوم کرلیا پیغام جو وہ ہمیں پہنچاتا ہے نہ اسکا جان کے پر اسکے مالک اور اپنے مالک کا جان کے شکر اور ادب سے تسلیم کرنا چاہئے۔ پیشگوئی جب نازل ہوتی ہے تو تسلیم کیجاتی ہے اور جب پوری ہو تو درجہ تکمیل تک پہنچتی ہے۔ جو باتیں حال وارد نہیں ہوئیں انہیں سوائے اللہ تعالے کے کون تمیز کرسکتا ہے۔ اب جناب من دیکھئے گا۔ عہد عتیق میں کئی نبی اللہ تعالے کے اطلاع دیتے ہیں از جانب اللہ کے کہ یہہ باتیں ہونگی۔ عہد جدید جو وہ بھی کلام برحق ہے اور اللہ تعالی کی جانب سے نازل ہوا ہے کئی اور تحریر فرماتے ہیں۔ ہدایۃ خدا کی کہ وہ جو میرے فلانے فلانے بندے فلانے فلانے موقعہ پر کہہ گئے تھے آج اور اس موقعہ پر پورا ہوتا ہے۔ صاحب من ناگزیر ہے کہ ہم مانیں۔ گریز خلاف فطرت ہے کہ اللہ تعالی کی شہادت اور فرمان سب شہادتوں سے بڑھکر ہے۔ جناب کی خدمت میں تین فہرست پیش کی گئی تھیں جن میں پرانے عہد نامہ کی پیشگویاں معہ حوالہ جات نئے عہدنامہ کے جہاں وہ پوری ہوتی ہیں لکھی گئی تھیں۔ چھ سو سات سو آٹھ سو برس پیشتر جو اللہ کے نبی کہہ گئے نقطہ نقطہ پورے ہوتے دیکھے۔ مرزا صاحب من اگر اب بھی دعوی مانیں تو سوائے ضد اور تعصب کے کچھ نہیں۔ آپ نے یہہ بھی استفسار کیا تھا

کہ آیا المسیح نے خود کبھی اپنی ہی زبان مبارک سے ان پیشگوئیوں میں سے اپنے حق
میں تسلیم کیا ہی یا نہیں۔ جناب من نہ ایک دفعہ نہ دو دفعہ بلکہ کئی دفعہ اور نہ ایک کو
اور نہ دو کو بلکہ سب کو۔ دیکھئے متی کا ۲۲ باب آیت اکتالیس سے ۴۶ تک۔ یوحنا
کے ۵/۳۹ متی باب ۱۱-۱۰ بالمقابل ملاکی نبی ۳ باب ۱ لوقا باب ۲۴-۲۷ متی باب ۶-۱۷
چہارم۔ یوحنا باب ۱۰-۳۵ کے بارہ میں جناب نے استفسار فرمایا۔ بارہا خدمت میں عرض
کی گئی۔ نہ معلوم کیا ماجرا ہے کہ خیال شریف میں بات نہیں آئی۔ آخری التماس میں یہہ
کرتا ہوں۔ اس آیت کو آپ اسلئے گرفت کرتے ہیں کہ اسمیں الوہیت کا انکار ہے۔
برعکس اسکے المسیح اس موقعہ پر اپنی الوہیت کا بہت ہی پختہ دعوی کرتا ہے۔ گویا وہ یوں
کو آپ یہہ فرماتا ہے " ابتدا میں کلام تہا کلام خدا کے ساتھ تہا کلام خدا تہا۔ کلام مجسم ہوا
وہ لوگ جنکے پاس کلام اللہ پہنچا اس کلام کی برکت سے الہی ہونے کے قابل ٹہرائے گئے
گویا کلام کی پیروی کی جاکر کے یہ برکت اُنکو مل گئی۔

جنکے پاس کلام پہنچا اور اُنکا اتنا درجہ ہو گیا تو تم کلام مجسم کو کہتے ہو کہ تو کفر بکتا ہی
حیف تمہاری عقلوں پر۔ وہ خاص لفظیں جو غور کے لایق ہیں وہ ہیں مخصوص کیا آپ
نے تو چند عبارات لکھائی تہیں کہ اُنمیں بہی یہ ہیں۔

لیکن تلاش کرنے سے پتہ ندارد آپ کے حوالہ غلط نکلے یونانی بہی جیسے آپ کی
خدمت میں عرض کردی۔ آپ نے فرمایا بہت اور حوالہ ہیں اطلاع نہ بخشی کسی کی۔ اس پر
غور کریئے۔ بہیجا مسیح کا بہیجا جانا اور ہی طرح کا تہا۔ یوحنا باب ۱۶/۲۸ میں باپ میں سے
نکلا اور دنیا میں آیا ہوں۔ اگر اسمیں الوہیت کا انکار ہی تو آپ فرمایئے کہ کسی بندہ نے
کہا کہ مَیں باپ میں سے نکلا اور پہر باپ پاس جاتا ہوں گا۔

جناب کا یہہ فرمانا کہ المسیح کو بہیجا ہی بجا نہیں۔ ہمارا حق نہیں کہنا کہ یوں ہو یا یوں
جو باتیں ہو چکی ہیں اُنکے موجب فیصلہ کرنا ہے ورنہ ہم صاف کہدیں کہ ہم اللہ تعالے

اُنکے بزرگ نبیوں سے دانا ہے ہم ہوتے تو یوں کہتے۔ یہ دانائی نہیں یہ اختراع ہے۔ سکندر اعظم کے ایک جرنیل تھے بنام پارمینیو جب ایران کو سکندر اعظم نے فتح کرلیا۔ پارمینیو کہنے لگے۔ میں اگر سکندر اعظم ہوتا تو دارا کی بیٹی کو اپنی شادی میں لے کے اس ملک سے باہر نہ جاتا۔ سکندر اعظم نے فرمایا کہ اگر میں پارمینیو ہوتا تو میں بھی ایسا ہی کرتا اور چونکہ میں سکندر اعظم ہوں نہ پارمینیو میں کچھ اور کرونگا۔ لہٰذا چونکہ اُسوقت المسیح تھے نہ کہ مرزا صاحب۔ اور یاد رکھیئے کہ فقط یہ ہی ایک گفتگو یہودیوں کی نہیں ہوئی کہ سب کچھ اُنکی قنت ہو جاوے تین برس تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

پنجم ۵ ۔ اگر مسیح خالق تھے تو انہوں نے کیا بنایا۔ موجب فتوی الہی کے یوحنا باب اول جواب اسکا ہے سب کچھ۔ اگر اس فتوے سے مرزا صاحب گریز کرتے ہیں تو انجیل کو بھی رد کردیویں تو اسکو ایک کتاب انسانی و نفسانی و جھوٹوں کی بھری ٹھہرادیویں

ششم۔ جب آپ انسان بنے تو صفات اللہ کہاں گئی۔ یہہ مرزا صاحب کا سوال ہے۔

جواب بہت مختصر اور چھوٹا ہی حالانکہ اللہ تعالیٰ تا ابد مبارک تھے اور ہیں۔ اُنہوں نے اپنے آپ کو فرو کیا۔ موجب فلپیون کی ۲ باب ۶ آیت۔

ساتواں۔ رائی کے دانہ پر آپ کے پیر پھیر پھیلے اور پہاڑوں پر جا ٹھہرے اور کیسی عجب جوتی اپنی پشمینہ میں لپیٹ کر ہماری سر پر چلائی کہ جاگو اُٹھو ورنہ رائی بھر ایمان نہیں رہتا ہے آپ نہ گھبرایئے ایمان کہیں نہیں جاتا ہی خدمت میں عرض کیا گیا کہ یہ فرمانا صرف رسُولوں کے لیئے ہے نہ ہمارے لیئے۔ بلکہ صاف پہلے قرنتیوں کے ۱۳-۲ میں یہ آگیا کہ ایمان تو تم میں اتنا ہو کہ پہاڑ بھی ہل جاویں اور محبت نہ ہو تو عبث ہے۔ اور معجزات کے حق میں جو آپ نے مرقس کے ۱۶ باب کو بنیاد جانکر عمارت عالیشان تیار کی تھی سو ہیچ ہے اسلیئے کہ بنیاد خام ہے۔ صاف آپ پر ظاہر کیا گیا کہ رسول مسیح کے

بے ایمانی کی حالت میں بہی ایمان لاتے ہیں انکو فرمایا جاتا ہے کہ اب تمہارے ساتھ یہ نشانیاں ہونگی۔ لفظ یونانی ہی پس تی آہی اسکے معنے ہیں جو ایمان لائے ہیں حال میں اور صیغہ یہ ہرگز نہیں جو ایمان لاوینگے بلکہ رسولوں کے زمانہ میں اختیار ہر ایک کو نہ تہا بدن ایک عضو مختلف۔ حواری پوچہتا ہی کیا سب آنکھ ہیں سب کان ہیں اور فرماتا ہے کیا سب معجزہ دکھاتے ہیں اور کرامات کرتے ہیں اور بیماروں کو چنگا کرتے ہیں علی ہذا القیاس جیسے عرض کر چکا۔ اور پہر صاف لکھا ہی بہر حالت کہ یہ جو خاص عنایات ہیں جد ہو جائینگی اور تا ابد جو رہیگی سو محبت ہی۔ خداوند نے صاف صاف فرما دیا کہ دایمی نشان جس سے دنیا جانیگی کہ تم میرے ہو نہ کرامات و معجزہ پر محبت ہی دیکہو یوحنا کا ۱۳ باب ۳۴ و ۳۵ اس سے سب جانینگے کہ تم میرے شاگرد ہو۔ آپ نے پہر پوچھا کہ یوحنا باب ۱۴/۱۲ کے موجب آپ پر فرض ہی کہ جو کام مسیح نے کیے سو آپ کریں بلکہ اُس سے بڑہکر کریں۔

جناب من ! آپ متن پر تو غور کریئے یہاں تو اپنے حواریوں سے مخاطب ہیں نہ مجھ سے نہ آپ سے۔ جو کام میں کرتا رہا۔ تم بہی کرتے رہوگے۔ آپ نے فرمایا۔ اور بلاشبہ انہوں نے کئی دیو نکالے۔ سانپ پکڑے۔ مُردے جلائے۔

اور ان سے بڑہکر تم کام کروگے کیونکہ میں باپ پاس جاتا ہوں اور یہ حق ہی ایسا ہی ہوا۔ کیونکہ المسیح کی منادی سے تہوڑے ہی ایمان لائے۔ پطرس کی ایک منادی سے یک لخت تین ہزار ایمان لائے۔ اعمال کی کتاب میں لکھا ہی کہ وہ فقط یہودیوں میں منادی کرتے رہی شاگرد اُنکے تمام جہان میں گئی۔ تاہم یاد رکھیں کہ شاگرد اپنے اُستاد سے بڑہکر نہیں۔

تم مجھ سے مانگو میں کرونگا آپ فرماتے ہیں تمہارا کام دعا کرنا ہی۔ لہذا صاف لکھا ہی یہہ دعا مانگتے رہے اور خداوند یسوع انجام دیتے رہا۔ اور دے رہا ہے۔

ہشتم۔ آپ کا استفسار ہی آیا ہر زمانہ میں نشانیاں ضرور نہیں۔ ہرگز نہیں۔ ابتدا میں چاہئی لیکن ہمیشہ ابتدا نہیں ہے نشانیاں و معجزہ تعلیم و دین کو کامل کرتے ہیں۔

اور جو شے ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ کیجانب سے کامل کی گئی اُسی ایسی ناتکمیل نہ پہنچی کہ دوبارہ کامل کرنے کی ضرورت نہ ہووے آخری نشان خداوند مسیح خود تھے اور یہہ بھی صاف ظاہر ہے کہ جب کوئی نئی تعلیم وارد ہو تو خاص شخص چاہئے کہ جو پیغام پہنچاوے اور خاص نشانیاں ہوں جس سے اللہ تعالیٰ ثابت کرے کہ یہ میرا مرسل ہے اور یہہ تعلیم میری ہے۔ لیکن اب ہزار وجہیں جس سے تحقیقات ہو سکتی ہے یعنے نقلی عقلی تواریخی وغیرہ۔ جہاں کوئی کام عام طور سے ہو سکے وہاں اللہ تعالےٰ خاص طور سے نہیں کرتا ہے۔

یہودیوں کو اُن جنگلوں میں جہاں خوراک نہ تھی خوراک آسمانی ملتی رہی۔ جس دن ایسے ملک میں پہنچے جہاں سامان دیگر مہیا تھا من بھی دفع ہو گیا۔

معجزے اللہ تعالیٰ کیطرف سے مُہر ہیں کہ یہ بندہ میرا ہے اور یہ تعلیم میری ہے۔

پھر آگے کو نہ خاص بندہ ہوتا ہے نہ خاص مُہر ہوتی ہے۔ پر وہ کارخانہ عام طور سے چلایا جاتا ہے چونکہ آپ کے عقیدہ کے موجب محمدؐ صاحب نبی اللہ تھے اور قرآن کو اللہ تعالیٰ جبرئیل کی معرفت اُن پر نازل کرتا رہا اور شروع میں حق ہے جو ایسا ہووے۔

لیکن اب محمدؐ صاحب کی امت اِس تعلیم و دین کو پھیلاتی ہے نہ کہ محمدؐ صاحب خود۔ اور قرآن بذریعہ چھپائی کے شائع کئے جاتے ہیں نہ کہ بذریعہ فرشتگان کے

نہم ۔ خداوند مسیح معجزہ دکھانے سے کیوں انکاری ہوئے اُسکے حق میں تو آتھم صاحب خلاصتہً ذکر کر چکے۔ اُسوقت بھی انکاری نہ تھے کہتے ہیں نشان تمکو ملیگا یونس نبی کا۔ آپ نے یہ پڑھکر نہ سنایا جیسا وہ تین دن مچھی کے پیٹ میں رہا ویسا ابن آدم بھی تین دن زمین کے رحم میں رہیگا۔ اپنی موت اور دفنانے اور جی اُٹھنے کی نشانی دی اور اس سے بڑھکر معجزہ کبھی دنیا میں ہوا نہیں۔ اُنھوں نے ایک معجزہ دکھایا یوحنا ۱۲/۴۵ رسول کہتا ہے کئی اور کام اُسنے کئے۔ اور اپنا کام کا واسطہ کیا دیتے ہیں۔ دیکھئے یوحنا باب ۱۴/۱۱

دسواں - آپکا یہ سوال ہے کہ وہ صلیب سے کیوں نہ اتر آئے - کسطرح اترتے؟ اسی کام کی لئے تو جہان میں آئے تھے کہ اپنے تئیں جہاں کا کفارہ کریں - ہاں اسی طرح تو شیطان نے کہا تھا کہ تو پتھروں کی روٹی بنا اور نہ اُنھوں نے وہ کیا نہ یہ کیا کیونکہ ان ہر کاموں میں شیطان کی پرستش تھی آپ فرماتے ہیں کہ اگر اُتر آتے تو یہودی فوراً ایمان لاتے یہ آپکو کیوں کر معلوم ہی کونسا دیگر معجزہ دیکھ کر ایمان لائے تھے اور اُنکو جی اُٹھا دیکھہ کر کونسے ایمان دار بنے صاحب من تمیز کسی معجزہ سی ایمان نہیں پیدا ہوتا - حضرت موسیٰ نے فرعون کو تھوڑے معجزہ دکھائے تو بھی وہ سنگدل کافر ہی رہا - شرط نہیں کہ ساتھہ معجزہ کے ایمان بھی ہوگا - یعنے دیکھنے والے میں ہونہو امر الٰہی ہو - فرعون کی مینے نظیر دی ہو -

لعزر نام ایک شخص کو المسیح نے مُردوں میں سے زندہ کیا - یہودی ایسے تھر سے بھر گئے تجویز کرنے لگے کہ ان دونو کو ہلاک کر دیں - صاف انجیل جلالی میں آیا ہو - اگر وہ موسیٰ اور نوشتوں پر ایمان نہ لائیں مردوں میں سے کوئی جائیگا تو وہ ایمان نہ لائینگے -

گیارہواں - آپ نے فرمایا تھا کہ انسان کا بدن چار چار سال کے بعد تبدیل ہو جاتا ہے لہذا کفارہ کیونکر ہوا - چار برس کے بعد نہیں سات برس کے بعد وقوع میں ہوتا ہی - خیر بدن کی تبدیلی ہو جو و نہیں بدلتا - جناب کی رائے میں اس باعث سی کفارہ محال تھا اب تو شاید یہہ بھی مانینگے کہ سات برس کے بعد چار برس کے بعد اپنی بی بی کا خاوند نہ ٹھہرتا اور اپنے بچوں کا والد اور نہ اپنی ماں کا مالک ہو سکتا ہی - جب وقت خاتمہ پر آیا کیا ہی پھر خوب ہو کہ دوبارہ نکاح از سر نو رجسٹریاں کرا دی تاکہ اسکی عزت اور ملکیت بحال رہی -

جناب! اس طرح کے سوال اعتراضات آپ کے روشن فہمی کے لایق ہیں -

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
احسان اللہ قایم مقام ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان	غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام

بیان جناب مرزا صاحب

۲۹ مئی ۱۸۹۳ء

آج ڈاکٹر صاحب نے جو کچھ حضرت مسیح کی الوہیت کے ثبوت کے بارہ میں پیش کیا ہے اسکی سننے سے مجھکو کمال درجہ کا تعجب ہوا کہ ڈاکٹر صاحب موصوف کے منہ سے ایسی باتیں نکلیں جاننا چاہیے کہ یہ دعوے الوہیت کا جو حضرت مسیح کیطرف منسوب کیا جاتا ہے یہ کوئی چھوٹا سا دعوے نہیں۔ ایک عظیم الشان دعوے ہے حضرات عیسائی صاحبان کے عقیدہ کے رو سے جو شخص حضرت مسیح کی الوہیت کا انکار کرے وہ ہمیشہ کے جہنم میں گرایا جاویگا اور قرآن کریم کی تعلیم کی رو سے جو شخص ایسا لفظ منہ پر لاوے کہ فلاں شخص درحقیقت خدا ہے یا درحقیقت میں ہی خدا ہوں وہ جہنم کے لائق ٹھہریگا جیسا کہ اللہ جلشانہ فرماتا ہے ومن یقل منہم انی الہ من دونہ فذلک نجزیہ جہنم کذلک نجزی الظالمین یعنے جو شخص یہ بات کہے کہ میں خدا ہوں بجز اس سچے خدا کے تو ہم اسکو جہنم کی سزا دیں گے پھر اس کے اوپر کی آیت بھی ہے۔ وقالوا اتخذ الرحمن ولدا سبحانہ بل عباد مکرمون اور عیسائی کہتے ہیں کہ اللہ تعالی نے اپنا بیٹا پکڑا۔ پاک ہے وہ بیٹوں سے بلکہ یہ بندہ عزت وار ہیں سپارہ ۱۷۔ ر۲۔ اور پھر بعد اس کے جب ہم دیکھتے ہیں تو ہمارے ہاتھہ میں کیا ثبوت ہے تو ہمیں ایک ذخیرہ کثیرہ ثبوتوں کا نظر آتا ہے ایک طرف عقل سلیم انسانکی اس اعتقاد کو دھکے دے رہی ہے اور ایک طرف قیاس استقرائی شہادت دے رہا ہے کہ اتنیک اسکی نظیر بجز دعوی متنازعہ فیہ کے نہیں پائیگی اور ایک طرف قرآن کریم جو بیشمار دلایل سے اپنی حقانیت ثابت کرتا ہے اس سے انکاری ہے جیسا کہ فرماتا ہے ویعبدون من دون اللہ ما لم ینزل بہ سلطانا وما لیس لہم بہ علم۔ وما للظالمین من نصیر س۱۷ ر۱۶ یعنے عبادت کرتے ہیں سوائے اللہ کے ایسی چیز کی جسکی خدائی پر اللہ تعالے نے کوئی نشان نہیں

بہیجا یعنی ثبوت پر تو نشان ہوتے ہی ہیں مگر وہ خدائی کو کام میں نہیں آسکتی۔ اور پہر فرماتا ہے
کہ اس عقیدہ کے لئے انکے پاس کوئی علم بھی نہیں یعنی کوئی ایسی معقولی دلایل بہی نہیں ہے
جن سے کوئی عقیدہ پختہ ہوسکے اور پہر فرماتا ہے وقالوا اتخذ الرحمن ولدا لقد جئتم شیئا
ادا تکاد السموات یتفطرن منہ وتنشق الارض وتخر الجبال ھدا ان
دعوا للرحمن ولدا (س ۱۶ ع ۷) اور کہتے ہیں کہ رحمان نے حضرت مسیح کو بیٹا بنا لیا ہے یہ تم نے اے
عیسائیو ایک چیز بہاری کا دعوے کیا۔ نزدیک ہے جو اس سے آسمان و زمین پھٹ جاویں
اور پہاڑ کانپنے لگیں کہ تم انسان کو خدا بناتے ہو پہر بعد اس کے جب ہم دیکھتے ہیں کہ
کیا اس خدا بنانے میں یہودی لوگ جو اول وارث توریت کے تھے جنکی عہد عتیق کی پیشگوئیاں
سراسر غلط فہمی کیوجہ سے پیش کیجاتی ہیں کیا کبھی انہوں نے جو اپنی کتابوں کو روز
تلاوت کرنیوالے تھے اور انپر غور کرنیوالے تھے اور حضرت مسیح بہی انکی تصدیق کرتے تہے کہ یہ
کتابوں کا مطلب خوب سمجھتے ہیں انکی باتوں کو مانو کیا کبھی انہوں نے ان بہت سی پیش کردہ
پیشگوئیوں میں سے ایک کے ساتھ اتفاق کر کے اقرار کیا ہو کہ ہاں یہ پیشگوئی حضرت مسیح موعود
کو خدا بناتی ہے اور آنیوالا مسیح انسان نہیں بلکہ خدا ہوگا۔ تو اب بات کا کچھ بہی پتہ نہیں لگتا
ہر ایک دانا سوچ سکتا ہے کہ اگر حضرت مسیح سے انکو کچھہ بخل اور بغض پیدا ہوتا تو اسوقت
پیدا ہوتا جب حضرت مسیح تشریف لائے پہلے تو وہ لوگ بڑی محبت سے اور بڑی عجز سے الفا
د آزادی سے ان پیشگوئیوں کو دیکھا کرتے تھے اور ہر روز ان کتابوں کی تلاوت کرتے تہے اور
تفسیریں لکھتے تھے۔ پہر کیا غضب کی بات ہے کہ یہ مطلب ان سے بالکل پوشیدہ رہا ڈاکٹر صاحب
فرماتے ہیں کہ کھلی کھلی پیشگوئیاں حضرت مسیح کی خدائی کے لئے عہد عتیق میں موجود تہیں اب
ہمیں تحیر بر تحیر ہوتا ہے اگر ایک پیشگوئی ہوتی اور یہودیوں کو سمجھ نہ آتی تو وہ معذور بہی ٹھہر سکتے
لیکن یہ کیا بات ہے کہ باوجود صدہا پیشگوئیوں کے پائے جانے کے پہر بھی ایک بہی پیشگوئی
انکو سمجھ نہ آئی اور کبھی کسی اور زمانہ میں انکا یہ عقیدہ نہوا کہ حضرت مسیح بحیثیت خدائی دنیا

میں آئیں گے انمیں نبی بھی تھے انمیں راہب بھی تھے انمیں عابد بھی تھے مگر کسی نے انمیں سے نطور بشر ہو یہ نہ لکھا کہ ہاں ایک خدا بھی انسانی جامہ میں آنے والا ہے۔
آپ تو جانتے ہیں کہ یہ تو ایک امر غیر ممکن ہے کہ ایسی قوم کا غلط فہمی پر اتفاق ہو جائے جنہے نقطہ نقطہ اور شوشہ شوشہ توریت کا اپنے ضبط میں کیا ہوا تھا کیا وہ سارے ہی نا سمجھ تھے کیا وہ سارے ہی بیوقوف تھے کیا سب کے سب متعصب تھے اور پھر اگر وہ متعصب تھے تو اس تعصب کا محرک حضرت مسیح کی ظہور سے پہلے کونسی چیز تھی یہ تو ظاہر ہے کہ تعصبات بالمقابل ہوا کرتے ہیں جبکہ ابھی تک کسی نے خدائی کا دعوے نہیں کیا تھا پر تعصب کس کو کیا جاتا تھا پس یہ اتفاق یہودیوں کا قبل از زمانہ مسیح کے کہ آنے والا ایک انسان ہے خدا نہیں ہے ایک طالب حق کے لئے کافی دلیل ہے۔ اگر وہ اسی بات کو شائق ہوئے کہ حق کو خواہ نخواہ چھپایا جاوے تو پھر نبی کی آنے کا کیوں اقرار کرتے۔ ماسوا اس کے توریت کی دوسرے مقامات اور بھی اس امر کو موید اور مصدق ہیں چنانچہ توریت میں صاف لکھا ہے کہ تم زمین کی کسی چیز کو اور یا آسمان کی کسی چیز کو جو دیکھو تو اسکو خدا مت بناؤ۔ جیسا کہ خروج ۲۰ باب ۳ میں یہ الفاظ ہیں کہ تو اپنے لئے کوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو آسمان پر یا نیچے زمین پر یا پانی میں زمین کے نیچے ہے مت بنا اور پھر لکھا ہے اگر تمہارے درمیان کوئی نبی یا خواب دیکھنے والا ظاہر ہو اور تمہیں نشان یا کوئی معجزہ دکھلا وے اور اس نشان یا معجزہ کے مطابق جو اسنے تمہیں دکھایا ہے بات واقع ہو اور وہ تمہیں کہے کہ آؤ ہم غیر معبودوں کی جنہیں تمنے نہیں جانا پیروی کریں تو ہرگز اس نبی یا خواب دیکھنے والے کی بات پر کان مت دھرو اسیطرح اور بھی توریت میں بہت سے مقامات ہیں جنکے لکھنے کی حاجت نہیں مگر سب سے بڑھکر حضرت مسیح کا اپنا اقرار ملاحظہ کے لائق ہے وہ فرماتے ہیں سب حکموں میں اول یہ ہے کہ اے اسرائیل سن وہ خداوند جو ہمارا خدا ہے ایک ہی خدا ہے پھر فرماتے ہیں حیات ابدی یہ ہے کہ وے تجکو اکیلا سچا خدا اور یسوع مسیح کو جسے تمنے بھیجا ہے جانیں یوحنا ۱۷: ۳

اور بھیجا کا لفظ توریت کے کئی مقام میں انہیں معنوں پر بولا گیا ہے کہ جب خدا تعالے کسی اپنے بندہ کو مامور کر کے اور اپنا نبی ٹہرا کر بھیجتا ہے تو اسوقت کہا جاتا ہے کہ مجھے بندہ بھیجا گیا ہے اگر ڈاکٹر صاحب یہ بھیجا گیا کا لفظ بجز اس معنے کے جہاں نبی کی نسبت بولا جاتا ہے مقام متنازعہ فیہ کے ماسوا کسی اور جگہہ دوسرے معنوں پر ثابت کردیں تو شرط کے طور پر جو چاہیں ہم سے وصول کر سکتے ہیں ڈاکٹر صاحب پر واضح رہے کہ بھیجا گیا کا لفظ اور ایسا ہی مخصوص کا لفظ انسان کے بارہ میں آیا ہے یہ سراسر تحکم ہے کہ اب اسکو اور معنے کئے جاویں ماسوا اس کے حضرت مسیح کی الوہیت کے بارہ میں اگر حضرت عیسائی صاحبوں کا اصول ایمانیہ میں اتفاق ہوتا اور کوئی قوم اور فرقہ اوس اتفاق سے باہر نہوتا تو تب بھی کسیقدر ناز کرنیکی جگہہ تھی مگر اتنی بات بھی ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ میں نہیں ڈاکٹر صاحب فرماویں کہ کیا آپ کے مختلف فرقوں میں سے یونی ٹیرین کا فرقہ حضرت مسیح کو خدا جانتا ہے کیا وہ فرقہ اسی انجیل سے تمسک نہیں کرتا جس سے آپ کر رہے ہیں کیا وہ فرقہ ان پیشگوئیوں سے بے خبر ہے جنکی آپکو خبر ہے۔ پھر جسحالت میں ایک طرف تو حضرت مسیح اپنے کفر کی بریت ثابت کرنیکے لئے۔ یوحنا باب ۱۰ میں اپنے تئیں خدا اطلاق پانے میں دوسروں کا ہمرنگ قرار دیں اور اپنے تئیں لاعلم بھی قرار دیں کہ مجھے قیامت کی کچھ خبر نہیں کہ کب آئیگی اور یہ بھی روا نہ رکھیں کہ انکو کوئی نیک کہے اور جا بجا یہ فرماویں کہ میں خدا تعالے کی طرف سے بھیجا گیا ہوں اور حواریوں کو یہ نصیحت دیں کہ پیشگوئیاں وغیرہ امور کے وہی معنے کرو جو یہودی کیا کرتے ہیں اور انکی باتوں کو سنو اور مانو اور پھر ایک طرف حضرت مسیح کے معجزات بھی دوسرے نبیوں کے معجزات سے مشابہ ہوں بلکہ انسے کسیقدر کم ہوں بوجہ اوس تالاب کے قصہ کے جو ڈاکٹر صاحب کو خوب معلوم ہوگا جسمیں غسل کرنیوالے اسیطرح طرح طرح کی بیماریوں سے اچھے ہوجایا کرتے تھے جیسا حضرت مسیح کی نسبت بیان کیا جاتا ہے

اور پھر ایک طرف گھر میں ہی بہت جھگڑے ہوے ہوں ایک صاحب حضرات عیسائیوں میں سے
تو حضرت مسیح کو خدا ٹھہراتے ہیں اور دوسرا فرقہ انکی تکذیب کر رہا ہے اُدھر یہودی
بھی سخت مکذب ہوں اور عقل بھی ان نامعقول خیالات کی مخالف ہو۔ اور پھر وہ
آخری نبی جسنے صدہا دلایل اور نشانوں سے ثابت کر دیا ہو کہ میں سچا نبی ہوں تو
پھر باوجود اسقدر مخالفانہ ثبوتوں کے ایک خاص فرقہ کا خیال اور وہ بھی بے ثبوت کہ
ضرور حضرت مسیح خدا ہی تھے کسکام آسکتا ہے اور کس عزت و نیز کی لایق ہے اسی بنا
پر مینے کہا تہا کہ جسحالت میں اسقدر حملہ بالاتفاق آپکے اس عقیدہ پر ہو رہے ہیں تو اب
حضرت مسیح کی خدائی ثابت کرنیکے لئے آپکو کوئی ایسا ثبوت دینا چاہیئے جس کے
اندر کوئی ظلمت اور تاریکی نہ ہو اور جسمیں کوئی اختلاف نکر سکتا ہو مگر آپنے اسطرف
توجہ نہ کی اور آپ فرماتے ہیں جو پیشگوئیاں ہم پیش کرتے ہیں وہ دلایل ہیں دعاوی
نہیں ڈاکٹر صاحب آپ انصافاً سوچیں کہ جس حالت میں اُن پیشگوئیوں کے سر
پر اسقدر مکذب اور مخالف کہڑے ہیں اور خود وہی لوگ ان کے معنے وہ نہیں مانتے
جو آپ کرتے ہیں جو وارث عہد عتیق کے تہے اور آپکا خانگی اتفاق بھی نہیں پایا جاتا
تو پھر وہ دعاوی ہوئے یا کچھہ اور ہوئے یعنے جبکہ وہ آپ کے فرقوں میں خود متنازعہ
فیہ امر ٹھہر گیا تو اول یہودیوں سے فیصلہ کیجئے پھر یونیٹیریوں سے فیصلہ کیجئے
اور پھر جب سب اتفاق کر لیں کہ آنیوالا مسیح موعود خدا ہی ہے تو پھر مسلمانوں پر
حجت کے طور پر پیش کیجئے اور پھر آپ نے مانتے ہیں۔ کہ اس زمانہ میں ہمارے
لئے نشانوں کی ضرورت نہیں نشان پہلے زمانوں سے خاص ہوتے ہیں جب ایک
مدعا ثابت ہو گیا تو پھر نشانوں کی کیا حاجت۔

میں کہتا ہوں اگر یہ ثابت شدہ امر ہوتا تو اتنے جھگڑے ہی کیوں پڑتے کیوں
آپکے فرقہ میں سے ان پیشگوئیوں کے ان معنوں کی تکذیب کرنے کیلئے موجود ہوتے

پھر جبکہ ان پیشگوئیوں کی نہ صحت ثابت نہ ادعاے حضرت مسیح ثابت اور نہ ان کی
خاص معنوں پر اتفاق ثابت تو پھر کیونکر آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ دلایل ہیں اور یہہ
بھی آپ کو یاد رہے کہ آپکا یہ فرمانا کہ نشان اسیوقت تک ضروری تھے جو حواریوں
کا زمانہ تھا اور حواری اس کے مخاطب تھے یہ اس دوسری دلیل سے بھی خلاف
واقعہ ٹھیرتا ہے کہ اگر کسی امر میں حواریوں کو مخاطب کرنا اُس امر کو انہیں تک
محدود کر دیتا ہے تو پھر تو اسصورت میں ساری انجیل ہاتھہ سے جاتی ہے کیونکہ
تمام اخلاقی تعلیم جو حضرت مسیح نے کی اس کے مخاطب حواری تھے اب آپ کو خوب
موقعہ ملسکتا ہے کہ تمہیں کچھہ ضرورت نہیں کہ ایک گال پر طپانچہ کہا کر دوسرے
بھی پھیر دیں کیونکہ یہ تو حواریوں کے حق میں کہا گیا تھا اور آپکا یہ فرمانا کہ چندر اور کرشن
سے حضرت مسیح کو کیا نسبت ہے اور کیا اگر دس آدمی ایک دعوے کریں تو ان میں سے
ایک سچا نہیں ہو سکتا مجھے افسوس ہے کہ آپنے یہ کیا لکھا یا میرا تو مطلب صرف
اتنا تھا کہ اگر صرف دعوے سے انسان سچا ہو سکتا ہے تو دعوے کرنے والے تو دنیا میں
اور بھی ہیں پس اگر انمیں سے کوئی سچا ہے تو چاہیئے کہ اپنی سچائی کے دلایل پیش کرے
ورنہ ہمیں یا آپ کو دس دعوے کرنے والوں میں سے ایک کو بغیر دلیل کے خاص کر
لینے کا کوئی حق نہیں پہونچتا یہی تو میں بار بار کہتا ہوں اور لکھتا ہوں کہ حضرت مسیح کی
الوہیت پر ابھی تک آپنے کوئی معقولی دلایل پیش نہیں کئے اور منقولی پیشگوئیاں
جو آپ بار بار پیش کر رہے ہیں وہ تو کچھہ بھی چیز نہیں ہیں خود امور متنازعہ فیہا
ہیں جن کے آپ کچھہ معنے کرتے ہیں یونی ٹیرین کچھہ کرتے ہیں یہودی کچھہ کرتے
ہیں اہل اسلام کچھہ کرتے ہیں۔ پھر قطعیۃ الدلالت کیونکر ٹھیر جاویں اور آپ
جانتے ہیں دلیل اس کو کہتے ہیں جو قطعیۃ الدلالت اور فی نفسہٖ روشن
اور بدیہی ہو اور کسی امر کی مثبت ہو نہ کہ خود محتاج ثبوت ہو کیونکہ اند ظاہر

کو راہ نہیں دکھا سکتا اور پھر میں اپنی پہلی بات کا اعادہ کرکے لکھتا ہوں کہ
آپ جانتے ہیں کہ اس پر آشوب دنیا میں انسان ہمیشہ تسلی اور معرفت تامہ کا
محتاج ہے اور ہر ایک شخص یہی چاہتا ہے کہ جن دلائل کو تسلیم کرانا چاہتا ہے وہ
ایسی شافیہ اور کافیہ دلائل ہوں کہ کوئی جرح اُن پر وارد نہ ہو سکے اور خود ایک طالب
حق جب اپنی موت کو یاد کرتا ہے اور درحالت بےدینی گمراہ ہونے کے اُن سزاؤں
کو تصور میں لاتا ہے جو بےدینوں کو ملینگی تو خود اس کا بدن کانپ اُٹھتا ہے اور
اپنے تئیں اشتباہ کا بہوکا اور پیاسا پاتا ہے کہ اگر کوئی نشان ہو تو اسے تسلی پاوے
اور اس کے سہارے کے لئے وہ اسکی دلیل ٹھہر جاوے تو پھر میں تعجب کرتا ہوں کہ
یہ درخت عیسائی مذہب کا کیوں بغیر پھلوں کے قرار دیا جاتا ہے اور کیوں تسلی
کی راہ اس شخص کے مقابل پر پیش نہیں کیجاتی جو پیش کر رہا ہے اگر اللہ تعالیٰ کی
عادت نشان دکھلانا نہیں ہے تو اس دین اسلام کی تائید کے لئے کیوں نشان
دکھلاتا ہے اس لئے کیا کبھی ممکن ہے کہ ظلمت نور پر غالب آجاوے آپ یہ سب باتیں
جانتے ہیں میں خوب سمجھتا ہوں کہ آپکا دل ہرگز ہرگز آپکے ان بیانات کے موافق
نہ ہوگا بہتر تو یہ ہے کہ اس قصہ کے پاک کرنے کے لئے میرے ساتھ آپکا ایک معاہدہ
تحریری ہو جائے اگر میں اُن شرائط کے مطابق جو اس معاہدہ میں لکھوں گا کوئی
نشان اللہ جلشانہ کی مرضی کے موافق پیش نہ کرسکوں تو جس قسم کی
سزا آپ چاہیں اس کے بھگتنے کے لئے تیار ہوں بلکہ سزائے موت
کے لئے بھی تیار ہوں لیکن اگر یہ ثابت ہو جاوے تو آپ کا فرض ہوگا کہ
اللہ جلشانہ سے ڈر کر دین اسلام کو اختیار کریں ڈاکٹر صاحب یہ کیونکر
ہو سکتا ہے کہ عیسائی مذہب تو سچا ہو اور تائید دین اسلام کی ہو آپ بجائے
خود حضرت مسیح سے دعائیں کرتے رہیں کہ وہ اس شخص کو ذلیل اور لاجواب

کریں اور میں اپنے خدا سے دعا کرونگا پھر وہ جو سچا خدا ہے غالب
آجائے گا۔
اس سے بہتر اور کونسی تصفیہ کی صورت ہوگی۔ آپکے دعاوی بلادلیل کو کون
تسلیم کرسکتا ہے کیوں آپ انکو بار بار پیش کرتے ہیں۔
کیا آپ کی قوم نے بالاتفاق اس کو قبول کرلیا ہے آپ براہ مہربانی سیدھے
راہ پر آکر وہ طریق اختیار کریں جس سے حق و باطل میں فیصلہ ہو جاوے۔

دستخط بحروف انگریزی
منشی غلام قادر فصیح
پریزیڈنٹ
از جانب اہل اسلام

دستخط بحروف انگریزی
احسان اللہ قائم مقام ہنری مارٹن کلارک
پریزیڈنٹ
از جانب عیسائی صاحبان

بیان ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک

جناب مرزا صاحب نے اپنے جواب میں زیادہ طول اہل یہود پر دی ہے اور ان کو ہم نہیں
جانتے کہ کسی وجہ سے ہمارے اور انکے درمیان منصف ٹھیرالیا ہے۔ جنابمن آپ کونسی ریخی
کے فرزندوں کا حوالہ دیتے ہیں اگر انکو نہ ماننے پر بات موقوف ہے تو آپکو حضرت صاحب کی
شان میں بھی بڑا فرق آتا ہے۔ کیونکہ انکی مخالفت پر بھی ہمیشہ کمر باندہ کے منکر ہی
رہے۔ جنابمن دارمدار کسی انسانی فیصلہ پر نہیں ہے۔ کتابیں موجود ہیں زبان کوئی
سمجھ سے باہر نہیں ہے عقل فقط خدا تعالی نے اہل یہود کو عنایت نہیں کی تھی۔ عبارتمیں
غلطی ہی بتادیجیئے گا۔ معنوں میں ہی تو مینے صحیح ہمیں عنایت کیجئے۔ اور یہودیونکی کم بخشی
ہمارے سر پر کیوں ٹھوکتے ہیں آپ تو فرماتے ہیں کہ یہ قوم پارسا اور خدا پرست تھی توریت شریف
اور انبیا کے صحیفوں کو ملاحظہ تو کیجیئے تو انکا صحیح حال آپ پر روشن ہوگا۔ دیکھئے یسعیاہ نبی
کی کتاب کی ۶۵/۳ میں خدا تعالی کیا فرماتا ہے ایسے گروہ کیطرف جو سدا میرے منھ پر مجھکو غصہ
دلاتی تھی اور نبیوں کو دیکھکر کہتے ہیں گردنکش سنگدل حد سے زیادہ نبیوں کے قاتل اپنے خدا سے
منھ پھیرنے والے۔ یہ انکی صفات ہیں کلام اللہ میں جسے آپ پاک قوم سمجھ رہے ہیں بلکہ
یہاں تک اللہ تعالی کہتا ہے کہ گدہا اپنے مالک اور بیل اپنی چرنے کو جانتا ہے پر میری
قوم مجھکو نہیں جانتی جنکو اللہ تعالی گدہے اور بیل سے بڑھکر حماقت میں بتاتا ہے۔ آپ
ان سے عدالت چاہتے ہیں۔ مرزا صاحب یہ آپسے ہرگز نہ ہوگا۔ جنابمن انہیں کی
سنگدلی کی سزا ہیں خدا تعالے نے انکے دلوں کو تاریک کردیا کہ وہ نہ سمجھیں۔ یسعیاہ ۶/۱۰
اور یہ لعنت خداوند یسوع مسیح کے وقت تک انکے سر پر تھی اور تا حال ہے متی ۱۳/۱۵ و اعمال کا
۲۸/۲۷ کے دوسرے قرنتیونکا ۳/۱۵،۱۶ ان آیات کے ملاحظہ سے آپ دیکھ سکتے ہیں کہ آپکے منصف کے نپٹنے والے
ہیں انکی بے ایمانی سے شہر انکا برباد اپنے ملک سے جلاوطن سارے جہان میں پراگندہ

ضرب المثل اور انگشت نما ہو گئی۔ یہ آپ تک پہرتے ہیں موجب پیشگوئی المسیح کے۔
دوم پہر آپنے یونی ٹیرین کی بابت پیش کیا۔ جناب من یہ عیسائیوں کے کسی فرقہ میں سے
کوئی فرقہ نہیں۔ سارے جہان کی حماقت اور کفر کا جواب آپ مجھسے کیوں مانگتے ہیں
اور رومن کیتہلک لوگ اپنے دلکے کفر سے مریم کو خدا کی ماں قرار دیتے ہیں اور ادہر یونی ٹیرین
حماقت سے اور طرح پر پورا کرتے ہیں میرا انمیں کیا واسطہ ہے۔ کلام میرے ہاتھ میں ہے عبارت
اسکی موجود ہے غلطی پر ہو تو مجہے قابل کیجئے۔ ورنہ ان تاریک فہموں کی آپ کیا نظیر دیتے ہیں
ہمارا ایمان مسیح پر ہے فرقوں پر نہیں۔ اسطرح کہ اگر میں الزامی جواب دینی چاہوں تو اسلام پر
کتنے فتور اسوقت پیش کر سکتا ہوں جناب من اپنے گہر کیحالت دیکھکر تکلیف فرمائیے
اور نہ کسی انسان کے ماننے اور نہ ماننے پر مدار رکہئے لیکن کتاب اللہ پر۔
جناب نے ایسی دلیل طلب کی ہے جسمیں کسی کا شک نہو۔ صاف اقرار کرتا ہوں
کہ میں عاجز ہوں میں کیا بلکہ خدا ہی عاجز ہے۔ اسکے وجود پاک سے بڑہکر کوئی بات دنیا
میں روشن ہے تو بھی آپکو ہزار احمق نہ ملیں گے جو کہیں گے کہ خدا کوئی چیز نہیں جب
جناب باری کی ذات پاک میں آپ حرف لاتے ہیں اور اس معبود حق کی نسبت
شک کرتے ہیں جس کے جلال سے سارا جہان معمور ہے تو کونسی دلیل پیش
کریں جسمیں اگلا حرف نہ لاوے۔ آگے جناب کا یہ فرمانا تہا کہ مسیحی دین اگر پہیلی ہے
تو پہر یہ کیوں حق ہے۔ صاحب من یہ پہیلی نہیں اپنے موقعہ پر یعنی اسی ہفتہ میں آپکی
خدمتمیں پہیل پیش کئے جاویں گے۔ لیکن یہاں آپکے ساتہ میرا سخت تنازعہ ہے۔
آپنے مجھے کیوں منافق بنایا۔ ریاکار ٹہیرایا کہ جو میں زبان سے کہتا ہوں وہ دل سے
نہیں۔ کہ آپنے ایسا الزام مجھے لگا دیا۔ پیغمبری دعوے تو میں آپ کے سنتا رہا لیکن
یہ تو دعوے الٰہی ہے کہ آپ دلوں کے جانچنے والے ہیں۔ آخری عرض یہ ہے کہ
مناسب ہے کہ خالق کی ذات شریف مخلوق کی سمجھ میں نہ آوے۔ خدا تعالےٰ جو ہے

ذات ہی ذات ہے اور اگر اسکی ذات پاک کو ہم سمجھ لیں تو پھر کیا رہا۔ ہم اس کے
مساوی نہ ہو گئے بے شک ہو گئے۔ اسی لئے میں محمدی وحدانیت کا قائل نہیں ہو سکتا اسکو تو
بچہ بھی سمجھ سکتا ہے اور میری عقل تو گواہی دیتی ہے کہ ذات پاک کو اس سے بڑھکر ہونا چاہیے
آپکی وحدانیت میں کونسا مسئلہ سمجھ سے باہر ہے۔
گویا محدود نے غیر محدود کو گھیر لیا ہے۔ لیکن کثرت فی الوحدت ایک ایسا مسئلہ ہے
کہ نہ اسکے سمجھنے والا پیدا ہوا نہ ہوگا کیا صاحب جانا جا سکتا ہے کہ انسانی عقل اللہ تعالی
کو سمجھے۔ توبہ توبہ ذات الہی ایک ایسی شی ہے کہ نہ عقل سے ثابت کیجا سکتی ہے اور
نہ عقل سے اسکی تردید کیجا سکتی ہے یہ معاملہ انسانی عقل سے لاکھ درجہ بڑھکر ہے
اور اسکا فیصلہ صرف اللہ تعالے ہی کر سکتا ہے۔ خدا کی بات خدا ہی جانے اور میرا اور آپکا
حق مرزا صاحب نہ دلایل عقلی کے دوڑانے پر ہے لیکن تسلیم کرنا ہے۔ اور صحیح تعلیم
اللہ تعالی کی کتابوں کی یہی ہے تین اقنوم اور ایک خدا ہے واحد تا ابد مبارک ہے مسیح
خداوند کے حق میں نبی گواہی دیتے رہے نمونوں سے اللہ تعالے ظاہر کرتا رہا۔ قربانیوں
میں حلال و حرام میں ختنہ میں ہیکل میں اور پھر ظاہر کرتا رہا کہ میں حق تعالے خود تمہارا
نجات دہندہ ہوں۔ اور وقت پر کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی اور نام اس کا عمنو
رکھا عمانوئیل یعنی خدا ہمارے ساتھ۔ وقت پر آپ آئے پیدا ہوئے۔
آگے سلسلہ چلتا ہے فرشتوں کی گواہی کا۔ حواریوں کی گواہی کا انکے دعووں کا انکی کرامت و
معجزوں کا حال خدا تعالے کا خود یحیی بپتسما دینے والے کے ہاتھ سے بپتسما پا کر آپ
پانی سے نکلتے ہیں اور روح القدس کبوتر کیطرح انپر آتی ہے اور خدا تعالے اسمان بلند
آواز سے فرماتا ہے یہ میرا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں دیکھئے باپ بیٹا روح القدس موجود
کیونکہ یہ تینوں ایک ہیں۔
خیر میں زیادہ طول دینا نہیں چاہتا دشمنوں کی گواہی بھی موجود ہے شیطانوں کی گواہی

موجود ہے جو چلا چلا کر کہتا ہے کہ تو خدا کا قدوس ہے۔ رومیوں کی گواہی موجود ہے
پلاطوس کی گواہی موجود ہے۔ جناب انجیل شریف میں آپکے لیئے سب گواہیاں موجود
ہیں اور یہودی بھی سارے بے ایمان نہ تھے۔ آپکے فرمانے کے مطابق حواری بھی یہودی تھے۔
ایک ہی وعظ سے تین ہزار عیسائی ہوئے یک لخت۔

اگرچہ قوم مردود ہے قوم کا ہر ایک فرد مردود نہیں اور اب بھی ہزارہا لاکھہا یہودی مسیح خداوند
کو اپنا نجات دہندہ سمجھتے ہیں۔ اور جب آپنے مسئلہ پیش کیا کہ جب مسیح نے پوچھا کہ مسیح
کسکا بیٹا ہے اور داود کیوں اسکو خداوند کہتا ہے۔ تو چپ اور لاجواب ہو گئے۔ کوئی جواب
ندے سکا۔ صاحب من فضل کو قایل کرنا تو کچھ مشکل نہیں لیکن دل کی ضد کو دفع کرنا اللہ کا
کام ہے۔ پھر جناب یہی نہ رہتی کہ کرامتیں اسلام کے ساتھ ہیں ہمیں دیکھنے سے کوئی گریز
نہیں۔ ساتھ یہ بھی بتائیے بالفرض اگر کوئی یا کئی کرامت وارد بھی ہوں تو ہم کسطرح جانیں کہ
یہ منجانب اللہ ہیں استثنا کے ۱۳ / ۱ اور ۲ جنابنے ہی سنائے کہ بعضے تک تمہارے پرکھنے کیلیے
جھوٹے نبی بھی آجائیں گے اور کرامت پوری کریں گے۔ نیز مرقس کا ۱۳ / ۲۲ سنیئے گا گلتیوں
۱ / ۸ سو جناب من نہ فقط کرامت کی ضرورت ہے بلکہ اسبات کی کہ ان نشانوں کو کیونکر منجانب اللہ
جانیں۔ اور نہایت ادب سے عرض ہے کہ آپکی کرامت سے میں دل شکستہ ہوں آپ فرما چکے
ہیں کہ کرامت اور معجزہ میں فرق ہے میں نہیں جانتا۔ کہ کیا۔ پھر آپنے یہ فرمایا کہ ہم نہیں
جانتے کہ وہ کس قسم کا نشان دکھلائے گا۔ اور پھر معلوم نہیں کہ خدا تعالے کس طور کا نشان
دکھلائیگا۔ جناب صاحب اسمیں تحدی بامقابل معجزہ اور کرامات سے صاف گریز ہے۔ حالانکہ
آپ اپنے رسالہ حجۃ الاسلام کے ۱۴ - ۱۵ - ۱۶ - ۱۷ صفحہ میں اسبات کو تسلیم کر چکے ہیں تھے
قصہ کوتاہ مرزا صاحب کیا ہی مبارک موقعہ پیش آیا تھا کہ آپ اپنے اس دعوی کو جسکی
نسبت خم ٹھوک کر کئی روز سے دعوے کرتے ہیں یا یہ ثبوت تک پہنچاتے۔ ہزار افسوس کہ
آپنے ایسے موقعہ کو ہاتھ سے جانے دیا۔ اور اپنی لغو تاویلات کو لا معنی اور بات الزامی سے اکر

موقعہ کو ٹال دیا۔ آپکی اس پہلوتہی سے اس عاجز کی عقل ناقص میں یہ آتا ہے کہ آپکا
یہ دعوے سامان ہیں جن سے آپ اپنے مقلدوں کو خوش کرتے ہوتے ہیں ازراہ خاوندی
کے عیسائیوں کے روبرو انکا ذکر پھر نہ کرنا۔ اور ناحق ذک اٹھانی پڑتی ہے جناب من
ہم تو آپکے علم اور روشن ضمیری کا بہت ہی سنتے رہے ہیں اور ہمکو آپ سے بہت امید
تھی لیکن افسوس آپنے وہی حجتیں اور وہی دلائیل اور وہی باتیں۔ پیش کیں۔
جو کہ قریب چالیس سال سے اس ملک کے بازاروں میں حلکہ کہا رہی ہیں مرزا صاحب
افسوس ہے کہ ہم آپ پر کسی طرح خوش نہ ہوئے۔ عقلی دلیل آپنے مانگی بندہ
نے پیش کردی نقلی جناب نے فرمائی حاضر کیگئی الہام پر آمادہ ہوئے سو بھی
منظور اس موقعہ پر مجکو انجیل شریف کی ایک بات یاد آتی ہے متی کے ۱۱/۱۶-۱۷-۱۹ میں
ہے آخرالامر آپکی خدمتمیں یہ عرض ہے کہ اول خدا کے ابن وحید کا رسالت لیکر دنیا
میں آنا دلیل استقرائی سے مستثنٰی ہے جیسے کہ آدم وحوا کی پیدائیش۔ جناب
نے اسکا کیا جواب فرمایا ہیچ دوم الوہیت کے دعوے اور اثبات بائبل شریف سے
صحہ مفصل آیات کے پیش کئے گئے عقل سے امکان اور کلام الٰہی سے وقوع ثابت
کیا گیا جناب نے کیا جواب دیا ہیچ۔ یوحنا کے دسویں باب پر آپنے بارہا زور بیجا
لگایا معقول دلیل دیکھیں تو پتہ ندارد پرانے عہد نامہ میں سے مسیح کے حق میں
پیشگوئیاں اور نئے عہد نامہ میں انکی تکمیل جناب کی خدمتمیں پیش کیگئیں جواب ہیچ
پانچ پرانے عہد نامہ کے ایسے فقروں سے جیسا کہ ہم میں سے ایک کی مانند ٹھہرتا ہے وغیرہ
وغیرہ الوہیت کا استدلال کیا گیا جناب کا جواب ہیچ۔ بڑی پختہ دلائیل سے مسیح
کا کامل انسان وکامل خدا ہونا و مظہر اللہ ہونا پیش کیا گیا۔ جواب ہیچ۔ ساتواں وہ
جو آیات جناب نے پیش کی تھیں قیامت کے روز وغیرہ کے بارے میں ان کے حقائق
خوب گوش گذار ہوئی جناب نے کوئی جواب نہ فرمایا۔

آٹھواں۔ جناب قرآن سے کئی حوالجات دیتے ہیں اور ان عاجزوں کے لیئے وہ فضول ہیں کیونکہ ہم اس کو کتاب مستند نہیں سمجھتے۔

نہم۔ مرقس کی ۱۶ پر جناب نے بہت کچھ تقریر فرمائی اور معجزوں کے حق میں ہمیں قایل کرنا چاہا لہذا اس کا بھی جواب ہوا اور خوب ہی ہوا۔ جناب نے کیا جواب دیا ہیچ

دس نجات اور ذاتی الہام بے محل اور خلاف شرطوں کے تھا اس لئے ہم نے اس کا بہت غور نہیں کیا۔

گیارہ۔ جناب کا صاحب کرامات ہونے کا دعوے نہایت ہی واضح طور پر غلط ثابت کیا گیا جناب الزامی جواب دے کر پہلو تہی کر گئے۔ یہ ہفتہ گذشتہ کی کارروائیاں ہیں فرمائیے ہماری کونسی دلیل توڑی گئی۔ ہاں یک شوشہ یک نقطہ بھر ہمیں فرق آیا ہے جناب تو اپنی تاویلوں میں لگے رہے اور ہماری باتوں پر آپنے توجہ نہ فرمائی۔ اب پہر اس مباحثہ کے پہلے حصہ کا آخری وقت ہے میں خدا کا واسطہ دیکر عرض کرتا ہوں۔ بروے کلام الٰہی خدا جو اگلے زمانوں میں نبیوں کے وسیلہ بولا بالآخر اپنے بیٹے کے وسیلہ سے دین آسمانی اور راہ نجات اور گناہوں کی بخشش ہمیں عنایت کر چکا ہے۔ اور ہر ایک کو چاہیئے کہ تعصب کو دور کرکے خدا کی رضامندی کو اپنا شامل کرے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ بیشک المسیح ابن وحید اللہ تعالے کا ہے اور کلمہ مجسمہ اللہ کا ہے اور آخری دن کل آدمیوں کا انصاف کرنے والا بھی ہوگا۔

مباہلہ کے حق میں مختصر عرض ہے کہ لعنت دینا یا چاہنا ہمارے خدا کی تعلیم نہیں وہ اپنی کسی مخلوق سے عداوت نہیں رکھتا اور نہ وہ دشمنی اپنے راستوں اور ناراستوں کو برابر بخشتا ہے۔ جس مذہب میں لعنتیں جائز ہوں اُنکے پیرؤں

کو اختیار ہے مانیں اور مانگیں۔ لیکن ہم شاہ سلامتی کے فرزند ہیں اور جیسا ہم
اپنے لئے دعاے خیر اور رحمت اور بخشش کے طالب ہیں ویسا ہی بعوض لعنت
کے ہم آپ صاحبوں کے لئے بھی خواہان برکت کے ہیں۔ کہ اللہ تعالے اپنی بیحد
رحمت سے صراط مستقیم آپ کو عطا کرے اپنے امن اور ایمان میں لاوے تاکہ
جب اس جہان فانی سے ملک جاودانی کو آپ گذر کریں تو عاقبت بخیر ہووے ایک
آخری عرض ہے جناب مرزا صاحب آپ حد سے قدم بڑھا کر چڑھ آئے ہیں۔
گستاخی معاف میں دلکی صفائی سے کہتا ہوں اور بروے الہام نہ معلوم از کجا یا قسم
آپ فرماتے تھے کہ اس جنگ میں مجھے فتح ہے ضروری فتح ہے۔ جناب امتیاز
کرسکتے ہیں کہ صورت مذکورہ بالا فتح کامل کی ہے یا معاملہ دیگر کی اور یہ جناب کی غلطی
ہے فتح و شکست کا لحاظ ہرگز نہیں چاہیے برعکس اس کے یہ کہ ہاں شکست ہو تو
ہو لیکن یا اللہ تیری راستی ظاہر کیجائے افسوس جناب میں وہ مزاج دیکھی نہ
گئی۔ صاحبمن عیسوی دین اُنیس سو برس سے جہان میں ہے اور ایک
ایسا سندان ہے کہ اس پر بہت ہی مارتول گھس چکے ہیں اور اخیر تک گھستے
رہیں گے کیا انیس ۱۹ سو برس کی بات یہاں اور انہیں دنوں میں پلٹنے والی
تھی جو لوگ دین مسیح کے مخالف ہیں انکو دیکھ کر مجھے ایک قصہ یونانی یاد آتا ہے
ایک سانپ کسی لوہار کے گھر میں جا گھسا زمین پر ریتی پڑی تھی زہر بھرا ہوا سانپ
اسکو کاٹنے لگا ریتی نے کہا کاٹ لے جہاں تک تیری مرضی ہے تیرے ہی
دانت گھستے ہیں صاحبمن کوششیں تو آپنے سب کیں پر دلیل عقلی کا
مقابلہ نہ نقلی کا جواب بن پڑا اور جس الہام و کرامت پہ آپ کو ناز تھا وہ بھی
خام اور لاحاصل ٹھہرایا گیا۔ کوششیں بہت لیکن مباحثہ کے اس حصہ کا
نتیجہ معلوم اور ہر ایک منصف مزاج پر ظاہر۔ مرزا صاحبمن آپ تو بلند آواز

سے فتح پکارتے رہے لیکن یہ فتح کسی اور پر شگفتہ نہ ہوئی۔ جناب مسیح
اس جنگ میں اور ہر جنگ میں امروز تا ابد شان و شوکت حشمت و جلال
قدرت اختیار اور فتح المسیح تا ابد خدائے مبارک کی ہے۔ آمین

ازجانب عیسائی صاحبان	ازجانب اہل اسلام
دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
احسان اللہ قائمقام ہنری مارٹن کلارک	منشی غلام قادر فصیح
پریزیڈنٹ	پریزیڈنٹ
ازجانب عیسائی صاحبان	ازجانب اہل اسلام

مطبعہ ریاض ہند پریس
امرتسر

دوسرا حصہ

روئداد جلسہ

۳۰ - مئی ۱۸۹۳ء

آج پھر جلسہ منعقد ہوا - ڈاکٹر ہنری مارٹین کلارک صاحب آج اپنے اصلی عہدہ میر مجلسی پر واپس آگئے - اور مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب نے مباحثہ شروع کیا - ۶ بجے ۹ منٹ پر مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب نے سوال لکھانا شروع کیا اور ۷ بجے ۱۰ منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سنایا گیا - مرزا صاحب نے ۷ بجے ۱۵ منٹ پر جواب لکھانا شروع کیا اور ۸ بجے ۱۵ منٹ پر تمام کیا - مرزا صاحب کے جواب لکھانے کے عرصہ میں میر مجلس عیسائی صاحبان نے باوجود میر مجلس اہل اسلام کے ساتھ اتفاق کرنے کے انہیں روکنے کی کوشش کی اور اپنے کاتبوں کو حکم دیا کہ وہ مضمون لکھنا بند کردیں مگر میر مجلس اہل اسلام کی اجازت سے مرزا صاحب برابر مضمون لکھاتے رہے اور انکے کاتب لکھتے رہے - میر مجلس عیسائی صاحبان کی یہہ غرض تھی کہ مرزا صاحب مضمون کو بند کریں اور میر مجلس عیسائی صاحبان ایک تحریک پیش کریں کیونکہ انکی رائے میں مرزا صاحب خلاف شرط مضمون لکھا رہے تھے - لیکن جب انکی رائے میں مرزا صاحب شرط کے موافق مضمون لکھانے لگے تو انہوں نے اپنے کاتبوں کو مضمون لکھنے کا حکم دیدیا - میر مجلس صاحب اہل اسلام کی یہہ رائے تھی کہ جب تک مرزا صاحب مضمون ختم نہ کرلیں کوئی امر انہیں روکنے کی غرض سے پیش نہ کیا جائے - کیونکہ انکی رائے میں کوئی امر مرزا صاحب سے خلاف شرائط ظہور میں نہیں آرہا تھا - چنانچہ مرزا صاحب برابر مضمون لکھاتے رہے اور اپنے وقت کے پورے ہونے پر ختم کیا اور مقابلہ کے وقت عیسائی کاتبوں نے اس حصہ مضمون کو جو وہ اپنے میر مجلس کے حکم کے بموجب چھوڑ گئے تھے بموجب ارشاد اپنے میر مجلس کے پھر لکھ لیا -

اب یہہ امر پیش ہوا کہ مرزا صاحب نے جو جواب لکھایا ہے اسکے متعلق میر مجلس عیسائی صاحبان اور عیسائی جماعت کی یہہ رائے ہے کہ وہ خلاف شرائط ہے کیونکہ اولاً اس ہفتہ میں وقت ہے کہ یہی

مطبع ریاض ہند امرتسر

اہل اسلام سے دین محمدی کے حق میں سوال کریں اور نہ یہہ کہ محمدی صاحب مسیحیوں سے دین عیسوی کے حق میں جواب طلب کریں۔ ثانیاً فی الحال عبداللہ آتھم صاحب کیطرف سے سوال مسئلہ رحم بلا مبادلہ درپیش ہے اور مرزا صاحب جواب طلب کرتے ہیں دربارہ الوہیت مسیح کے۔ میر مجلس صاحب اسلام کی یہہ رائے تھی کہ خلاف شرائط ہرگز نہیں ہے بلکہ عین مطابق شرائط ہے اور ساتھ ہی مرزا صاحب نے بیان فرمایا کہ جواب ہرگز خلاف شرائط نہیں کیونکہ سوال رحم بلا مبادلہ کی بنا الوہیت مسیح ہے اور ہم مسئلہ رحم بلا مبادلہ کا پورا رد اُس حالت میں کر سکتے ہیں کہ جب پہلی اُس بنا کا استیصال کیا جاوے۔ بنا کو کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ بے تعلق ہے بلکہ یہہ کہنا چاہیئے کہ رحم بلا مبادلہ بنای فاسد بر فاسد ہے۔ عیسائی جماعت تو مرزا صاحب کے مضمون کو خلاف شرائط قرار دینے پر زور دیتی رہی اور اسلامیہ جماعت اُس مضمون کو مطابق شرائط قرار دیتی رہی۔ پادری عماد الدین صاحب کی یہہ رائے تھی اور اُنہوں نے کھڑے ہوکر صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ میر مجلسوں کا منصب نہیں کہ مباحثین کو جواب دینے سے روکیں مگر میر مجلس عیسائی صاحبان کے سوال کرنے پھر اُنہوں نے بھی یہی کہا کہ مضمون مرزا صاحب کا خلاف شرط ہے اور مسٹر عبداللہ آتھم صاحب نے بھی کہا کہ کسی قدر خلاف شرط تو ہے تاہم درگذر کرنا چاہیئے۔ میر مجلس اہل اسلام نے کہا یہہ مضمون ہرگز خلاف شرط نہیں اسلئے ہم آپکا درگذر نہیں چاہتے۔ ایک عرصہ تک اس امر پر تنازعہ ہوتا رہا۔ اسی عرصہ میں ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب نے کہا کہ اگر میرے چیرمین صاحب مجھے مرزا صاحب کے لفظ لفظ کا جواب دینے دینگے تو میں دونگا ورنہ نہیں دیتا۔ مگر میر مجلس صاحب اہل اسلام نے ڈپٹی صاحب کو کہا کہ آپ کو جواب لکھنے کے لئے میر مجلسوں سے ہدایت لینے کی کچھ ضرورت نہیں۔ آپ کو اختیار ہے کہ جس طرح چاہیں جواب دیں۔ مگر میر مجلس عیسائی صاحبان نے ڈپٹی صاحب کو روکا اور کہا میں اجازت نہیں دیتا۔ اگر آپ ایسا کرینگے تو میں میر مجلسی سے استعفا دیدونگا کیونکہ یہہ خلاف شرط ہے پھر تھوڑی دیر کے لئے تنازعہ ہوتا رہا اور آخرکار یہہ قرار پایا کہ آئندہ کے لئے مباحثین میں سے کسی کو جواب دینے سے روکا نہ جائے انہیں اختیار ہے کہ جیسا چاہیں جواب دیں بعد ازاں ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب نے ۸ بجکر ۳۵ منٹ پر جواب لکھانا شروع کیا اور ۹ بجکر ۵۰ منٹ پر ختم کیا اور مقابلہ کرکے بلند آواز سے سنایا گیا بعد ازاں تحریروں پر میر مجلس صاحبان کے دستخط کئے گئے اور چونکہ مرزا صاحب کے جواب لکھنے کیلئے پورا وقت باقی نہ تھا اسلئے جلسہ برخاست ہوا۔ فقط

(دستخط بحروف انگریزی) ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان۔ (دستخط بحروف انگریزی) غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام

سوال ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب

۳۰ مئی ۱۸۹۳ء

میرا پہلا سوال رحم بلا مبادلہ پر ہے جسکے معنے یہہ ہیں کہ رحم ہو اور تقاضا عدل کا لحاظ نہ ہو اسکے لئے پہلا سوال یہہ ہی کہ کیا صفات عدل و صداقت کی غیر مقید الظہور بہی ہو سکتی ہیں یعنے ان پر یہہ قید نہ ہی کہ وہ ظہور نہ کریں جیسا کہ عدل ہوا یا نہ ہوا صداقت ہوئی یا نہ ہوئی۔ اعتراض اس میں یہ ہے کہ اگر ایسا ہووے تو محافظ قدوسی الٰہی کا کون ہو سکتا ہے اور رحم اور خوبی مقید الظہور بہی کیا ہو سکتے ہیں اور اسمیں اعتراض یہ ہی کہ اگر ہو سکتے ہیں تو کیا وہ قرضہ دادنی کی صورت نہ پکڑینگے۔

دوسرا سوال یہہ ہے کہ ہر جہ گناہ جب تک باقی رہی تو صورت رہائی گناہگار کی کونسی ہے۔ اب جبکہ قرآن میں تین راہ نجات رکہے ہیں یعنے ایک یہہ کہ گناہ کبایر سے اگر بچوگے تو صغایر رحم سی معاف ہو جاوینگے۔ دوسرے یہہ کہ اگر وزن افعال شنیعہ کا اعمال حسنہ پر نہ بڑھیگا تو رحم کے مستحق ہو جاوگے۔ تیسرے یہہ کہ رحم کے مقابلہ میں عدل اپنی تقاضا سے دست بردار ہو جاتا ہی یعنے رحم غالب آتا ہی عدل کے اوپر۔ دو صورتیں اولین میں یہہ اصول ڈالا گیا ہی کہ ادا ے جز کا واسطے کل کے حاوی ہے۔ تیسرے اصول میں یہہ دکہلایا گیا ہی کہ عدل مقید الظہور نہیں بلکہ رحم مقید الظہور ہے۔ ان دونو اصولوں میں جو اوپر بیان ہوئے بداہت کے برخلاف کچھ اسمیں بیان ہی یا نہیں۔ کیونکہ مبادلہ عدل کا کچھ نہ ہوا اور یہ رحم بلا مبادلہ ہے جسنے دو صفات الٰہی کو ناقص کر دیا یعنے عدالت اور صداقت کو۔ اسکے جواب کا انتظار ہم جناب کی طرف سے کرتے ہیں اور یہہ جواب اسکا ہونا چاہئے کہ یہ دونو اصول صداقتیں بالبداہت ہیں یا نہیں۔ و یا کہ صداقتیں ہیں یا نہیں لیکن ہرجہ ادا ہو جاتا ہی اور صفات وہ قایم رہتی ہیں اور میرا عرض کرنا اس بارہ میں اور کچھ ضرور نہیں۔

میں امید کرتا ہوں کہ جیسے میرے یہ مختصر سوال ہیں ویسا ہی مختصر جواب ہو جانا چاہئے۔

دستخط بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان

دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام

بیان حضرت مرزا صاحب

۳۰ مئی ۱۸۹۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈپٹی صاحب نے رحم بلا مبادلہ کا جو سوال کیا ہے حقیقت میں اُسکی بنیاد حضرت مسیح کی الوہیت ماننے پر رکھی گئی ہی۔ اسلیئے صفائی بیان کے لئے بہت ضروری ہی کہ پہلے برعایت اختصار اسکا کچھ ذکر کیا جائے۔ کیونکہ اگر حضرت مسیحؑ کی الوہیت ثابت ہو جائے تو پہر اس لمبے جہگڑے کی کچھ ضرورت نہیں اور اگر دلائل قطعیہ سے صرف انسان ہونا اُنکا ثابت ہو اور الوہیت کا بطلان ہو تو پہر جب تک ڈپٹی صاحب موصوف الوہیت کو ثابت نہ کریں تب تک داب مناظرہ سے بہت بعید ہوگا کہ اور طرف رُخ کر سکیں ڈپٹی صاحب موصوف اپنی بیانات سابقہ میں حضرت مسیحؑ کی الوہیت ثابت کرنے کے لئے فرماتے ہیں کہ اور انسانوں کی تو ایک روح ہوتی ہی مگر حضرت مسیح کی دو روحیں تہیں ایک انسان کی اور ایک خدا تعالیٰ کی اور گویا حضرت مسیح کے جسم کی دو روحیں مدبر تہیں مگر یہہ امر سمجھ میں نہیں آسکتا ایک جسم کے متعلق دو روحیں کیونکر ہو سکتی ہیں اور اگر حضرت خدا تعالیٰ کی روح تہی تو پہر حضرت مسیحؑ انسان بلکہ انسان کامل کن معنوں سے کہلا سکتے ہیں کیا صرف جسم کے لحاظ سے انسان کہلاتے ہیں۔ اور میں بیان کر چکا ہوں کہ جسم تو معرض تحلل میں ہے چند سال میں اور ہی جسم ہو جاتا ہی اور کوئی دانشمند جسم کے لحاظ سے کسی کو انسان نہیں کہہ سکتا جب تک روح انسانی اُسمیں داخل نہ ہو پہر اگر حضرت مسیح درحقیقت روح انسانی رکہتے تہے اور وہی روح مدبر جسم تہی اور وہی روح مصلوب ہونے کے وقت یعنی مصلوبی کے وقت نکلی اور ایلی ایلی کہہ کر حضرت مسیحؑ نے جان دی تو پہر روح خدائی کس حساب اور شمار میں آئی۔ یہہ ہمیں سمجھ میں نہیں آتا اور نہ کوئی عقلمند سمجھ سکتا ہی۔ اگر درحقیقت روح کے لحاظ سے بہی حضرت مسیح انسان تہے تو پہر خدا نہ ہوئے اور اگر روح کے لحاظ سے خدا تہے تو پہر انسان نہ ہوئے ماسوا اسکے حضرات عیسائی صاحبان کا یہہ عقیدہ ہے کہ باپ بہی کامل اور بیٹا بہی کامل روح القدس بہی کامل ہے اب جب تینوں کامل ہوئے تو ان تینوں کے ملنے سے اکمل ہونا چاہئے کیونکہ مثلاً جب تین چیزیں تین تین سیر فرض کی جائیں تو وہ سب ملکر ۹ سیر ہونگی۔ اس اعتراض کا جواب ڈپٹی صاحب سے

پہلے ہی مانگا گیا تھا مگر افسوس کہ اب تک نہیں ملا اور ظاہر ہے کہ یہ ایک سخت اعتراض ہے جس سے قطعی طور پر حضرت مسیح کی الوہیت کا بطلان ہوتا ہے۔ ایسے ہی اعتراضات کو قرآن شریف نے پیش کیا ہے اور اسی بنا پر میری یہ شرط کی تھی کہ حضرت مسیح کی الوہیت پر کوئی عقلی دلیل پیش ہونی چاہئے مگر افسوس کہ اس شرط کا کچھ بھی لحاظ نہ ہوا اور یہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ آپ نے جس قدر پیشگوئیاں حضرت مسیح کی الوہیت ثابت کرنے کے لئے پیش کی ہیں وہ ...... دعاوی ہیں دلایل نہیں ہیں اول تو ایک نامعقول امر جب تک معقول کر کے نہ دکھلایا جاوے منقولی حوالجات سے کچھ بھی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ مثلاً ایک گدھا جو ہماری نظر کے سامنے کھڑا ہے اگر ہزار کتاب پیش کیجائے کہ انہوں نے اسکو انسان لکھ دیا ہے تو وہ کیوں کر انسان بن جائیگا۔ ماسوا اسکے وہ منقولی حوالجات بھی نرے نکمے ہیں جنکی کتابوں سے لئے جاتے ہیں وہ انکو مانتے نہیں اور گھر میں خود پھوٹ پڑی ہوئی ہے اور حضرت مسیح فرماتے ہیں کہ یہودی موسیٰ کی گدی پر بیٹھے ہیں انکی باتوں کو مانو۔

افسوس ہے کہ انکے معنے قبول نہیں کئے جاتے اور عذر کیا جاتا ہے کہ یہودی فاسق بدکار ہیں حالانکہ انجیل حکم دیتی ہے کہ انکی باتوں کو اور انکے معنوں کو اول درجہ پر رکھو اور ہمیں تحکم کے طور پر کہا جاتا ہے کہ کتابیں موجود ہیں کتابوں کو پڑھو۔ لیکن انصاف کرنے کا محل ہے کہ ہر ایک صداقت کو ہر ایک پہلو سے دیکھا جاتا ہے۔ ہم یہودیوں کے اقوال کو بھی دیکھیں گے۔ آپ کے اندرونی اختلافات پر بھی نظر ڈالینگے۔ اور اگر آپ کا یہ شوق ہے کہ کتابیں دیکھی جاویں وہ بھی دیکھی جاوینگی۔ مگر اس صورت میں کہ یہودیوں کے معنے بھی جو وہ کرتے ہیں سنے جائیں اور آپ کے معنے بھی سنے جائیں اور انکی لغات بھی دیکھے جائیں اور آپکی لغات بھی دیکھی جائیں پھر جو اولیٰ و انسب ہے اسکو اختیار کیا جائے اور یہودیوں سے مراد وہی یہودی ہیں جو حضرت مسیح ؑ سے پہلے صدہا برس گزر چکے ہیں غرض ہر ایک پہلو کو دیکھنا طالب حق کا منصب ہوتا ہے نہ کہ ایک پہلو کو۔ اور ماسوا اسکے رحم بلا مبادلہ کا جو سوال کیا جاتا ہے اسکا ایک پہلو تو ابھی میں بیان کر چکا ہوں اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کے قانون قدرت کو دیکھا جائیگا کہ آیا رحم اور قہر کے نفاذ میں اسکی عادات کیونکر واقع ہیں کیونکہ ظاہر ہے کہ رحم کے مقابل پر قہر ہے۔ اگر رحم بلا مبادلہ جائز نہیں تو پھر قہر بلا مبادلہ بھی جائز نہ ہوگا۔ اب ایک نہایت مشکل اعتراض پیش آتا ہے۔ اگر ڈپٹی صاحب اسکو حل کر دینگے تو ڈپٹی صاحب کی اس فلاسفی سے حاضرین کو بہت فائدہ ہوگا اور قہر بلا مبادلہ کی صورت یہ ہے کہ ہم اسے دنیا میں اپنی

آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ ہزارہا کیڑے مکوڑے اور ہزارہا حیوانات بغیر کسی جرم اور بغیر ثبوت کسی خطا کے قتل کیئے جاتے ہیں ہلاک کیئے جاتے ہیں ذبح کیئے جاتے ہیں یہانتک کہ ایک قطرہ پانی میں صدہا کیڑے ہم پی جاتے ہیں۔ اگر غور کر کے دیکھا جائے تو ہماری تمام امور معاشرت خدا تعالیٰ کے قہر بلا مبادلہ پر چل رہے ہیں یہانتک کہ جو ریشم کے کیڑے بھی انسان استعمال کرتا ہے اسمیں اندازہ کر لینا چاہیئے کہ کس قدر جانیں تلف ہوتی ہیں۔ اور حضرات عیسائی صاحبان جو ہر روز اچھے اچھے جانوروں کا عمدہ گوشت تناول فرماتے ہیں ہمیں کچھ پتہ نہیں لگتا کہ یہ کس گناہ کے عوض میں ہو رہا ہے۔ اب جبکہ یہ ثابت شدہ صداقت ہے کہ اللہ جل شانہٗ بلا مبادلہ قہر کرتا ہے اور اسکا کچھ عوض ملتا ہمیں معلوم نہیں ہوتا تو پھر اس صورت میں بلا مبادلہ رحم کرنا اخلاقی حالت سے انسب اور اولی ہے۔ حضرت مسیح ع بھی گناہ بخشنے کے لئے وصیت فرماتے ہیں کہ تم اپنے گناہ گار کا خطا بخشو۔ ظاہر ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ جل شانہ کی صفات کے برخلاف ہے کہ کسی کا گناہ بخشا جائے تو انسان کو ایسی تعلیم کیوں ملتی ہے۔ بلکہ حضرت مسیح تو فرماتے ہیں کہ میں تجھے سات مرتبہ تک نہیں کہتا بلکہ ستر کے سات مرتبہ تک یعنے اس اندازہ تک کے گناہوں کو بخشتا چلا جا۔

اب دیکھیئے کہ جب انسان کو یہہ تعلیم دیجاتی ہے کہ گویا تو بے انتہا مراتب تک اپنے گناہگاروں کو بلا عوض بخشتا چلا جا اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں بلا عوض ہرگز نہ بخشونگا۔ تو پھر یہہ تعلیم کیسی ہوئی حضرت مسیح نے تو ایک جگہ فرما دیا ہے کہ تم خدا تعالیٰ کے اخلاق کے موافق اپنے اخلاق کرو۔ کیونکہ وہ بدوں اور نیکوں پر اپنا سورج چاند چڑھاتا ہے اور ہر ایک خطا کار اور بے خطا کو اپنی رحمتوں کی بارشوں سے متمتع کرتا ہے۔ پھر جبکہ یہہ حال ہے تو کیونکر ممکن تھا کہ حضرت مسیح ع ایسی تعلیم فرماتے جو اخلاق الٰہی کے مخالف ٹھہرتی ہے یعنے اگر خدا تعالیٰ کا یہی خلق ہے کہ جب تک سزا نہ دیجائے کوئی صورت رہائی کی نہیں تو پھر معافی کے لئے دوسروں کو کیوں نصیحت کرتا ہے۔ ماسوا اسکے جب ہم نظر غور سے دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ نیکوں کی شفاعت سے بدوں کے گناہ بخشے گئے ہیں دیکھو گنتی باب $\frac{14}{19}$ ایسا ہی گنتی $\frac{14}{13}$ استثنا $\frac{9}{19}$ خروج باب $\frac{8}{8}$ پھر ماسوا اسکے ہم پوچھتے ہیں کہ آپ نے جو گناہ کی تقسیم کی ہے وہ تین قسم معلوم ہوتی ہے۔ فطرتی۔ حق اللہ۔ حق العباد۔ تو پھر آپ سمجھ سکتے ہیں کہ حق العباد کے تلف ہونیکا کیا سبب ہو سکتا ہے اور نیز یہہ بھی آپ کو

دیکھنا چاہئے کہ فطرتی گناہ آپ کے اس قاعدہ کو توڑ رہا ہے آپ کی توریت کے رو سے بہت سے مقامات ایسے ثابت ہوتے ہیں جس سے آپکا مسئلہ رحم بلا مبادلہ باطل ٹھہرتا ہے۔ پھر اگر آپ توریت کو حق اور منجانب اللہ مانتے ہیں تو حضرت موسی ع کی وہ شفاعتیں جنکے ذریعہ سے بہت مرتبہ بڑے بڑے گناہگاروں کے گناہ بخشے گئے نکمی اور بیکار ٹھہرتے ہیں اور آپ کو معلوم رہے کہ قرآن شریف نے اس مسئلہ میں وہ انسب طریق اختیار کیا ہے جو کسی کا اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا یعنے حقوق دو قسم کے ٹھہرا دیئے ہیں۔ ایک حق اللہ اور ایک حق العباد۔ حق العباد میں یہ شرط لازمی ٹھہرائی گئی ہے کہ جب تک مظلوم اپنے حق کو نہیں پاتا یا حق کو نہیں چھوڑتا اسوقت تک وہ حق قایم رہتا ہی اور حق اللہ میں یہہ بیان فرمایا گیا ہے کہ جس طرح پر کسی نے شوخی اور بیباکی کر کے معصیت کا طریق اختیار کیا ہے اسی طرح جب وہ پھر توبہ و استغفار کرتا ہے اور اپنے سچے خلوص کے ساتھ فرماں برداروں کی جماعت میں داخل ہو جاتا ہے اور ہر ایک طور کا درد اور دکھ اٹھانے کے لئے تیار ہو جاتا ہے تو خدا تعالی اسکے گناہ کو اُسکے اُس اخلاص کی وجہ سے بخش دیتا ہو کہ جیسا کہ اُسنے نفسانی لذات کے حاصل کرنے کے لئے گناہ کی طرف قدم اٹھایا تھا۔ اب ایسا ہی اُسنے گناہ کے ترک کرنے میں طرح طرح کے دکھوں کو اپنے سر پر لے لیا ہے۔ پس یہ صورت معاوضہ ہے جو اُسنے اپنے پر اطاعت الٰہی میں دکھوں کو قبول کر لیا ہے اور اسکو ہم رحم بلا مبادلہ ہرگز نہیں کہہ سکتے۔ کیا انسان نے کچھ بھی کام نہیں کیا یوں ہی رحم ہو گیا اُسنے تو سچی توبہ سے ایک کامل قربانی کو ادا کر دیا ہے اور ہر طرح کے دکھوں کو یہاں تک کہ مرنے کو بھی اپنے نفس پر گوارا کر لیا ہے اور جو سزا دوسرے طور پر اسکو ملنی تھی وہ سزا اُسنے آپ ہی اپنے نفس پر وارد کر لی ہے تو پھر اسکو رحم بلا مبادلہ کہنا اگر سخت غلطی نہیں تو اور کیا ہے۔ مگر وہ رحم بلا مبادلہ جسکو ڈپٹی صاحب پیش کرتے ہیں کہ گناہ کوئی کرے اور سزا کوئی پاوے۔ خرقیل باب ۱۸۔ آیت ۱ پھر خرقیل ۱۸/۲۰ پھر سموئیل ۲۴/۳ مکاشفات ۲۲/۱۲ خرقیل ۱۹ / ۲۷-۲-۳۰ یہہ تو ایک نہایت مکروہ ظلم کی قسم ہے۔ اِس سے بڑھکر دنیا میں اور کوئی ظلم نہیں ہوگا سوائے اسکے کیا خدا تعالے کو یہہ طریق معافی گناہوں کا صدہا برس سوچ سوچ کر پیچھے سے یاد آیا۔ ظاہر ہے کہ انتظام الٰہی جو انسان کی فطرت سے متعلق ہے وہ پہلے ہی

ہونا چاہیئے۔ جب سے انسان دنیا میں آیا گناہ کی بنیاد اُسی وقت سے پڑی۔ پھر یہہ کیا ہوگیا کہ گناہ تو اُسی وقت زہر پھیلانے لگا مگر خدا تعالےٰ کو چار ہزار برس گذرنے کے بعد گناہ کا علاج یاد آیا۔ نہیں صاحب یہ سراسر بناوٹ ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے جیسے ابتدا سے انسان کی فطرت میں ایک ملکہ گناہ کرنے کا رکھا۔ ایسا ہی گناہ کا علاج بھی اسی طرز سے اُسکی فطرت میں رکھا گیا ہے جیسے کہ وہ خود فرماتا ہے بلیٰ من اسلم وجہہ للّٰہ وھو محسن فلہ اجرہ عند ربہ ولا خوف علیہم ولا ھم یحزنون یعنے جو شخص اپنے تمام وجود کو خدا تعالےٰ کی راہ میں سونپ دیوے اور پھر اپنے تئیں نیک کاموں میں لگا دیوے تو اُسکو اجر اللہ تعالیٰ سے ملیگا۔ اور ایسے لوگ بے خوف اور بے غم ہیں۔ اب دیکھئے کہ یہہ قاعدہ کہ توبہ کرکے خدا تعالیٰ کیطرف رجوع کرنا اور اپنی زندگی کو اُسکی راہ میں وقف کر دینا یہ گناہ کے بخشے جانے کے لئے ایک ایسا صراط مستقیم ہے کہ کسی خاص زمانہ تک محدود نہیں جب سے انسان اس مسافر خانہ میں آیا تب سے اس قانون کو اپنے ساتھ لایا۔ جیسے اُسکی فطرت میں ایک شق یہ موجود ہے کہ گناہ کی طرف رغبت کرتا ہے ایسا ہی یہ دوسرا شق بھی موجود ہے کہ گناہ سے نادم ہوکر اپنے اللہ کی راہ میں مرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ زہر بھی اسی میں ہے۔ اور تریاق بھی اسی میں ہے۔ یہہ نہیں کہ زہر اندر سے نکلے اور تریاق جنگلوں سے تلاش کرتے پھریں ماسوا اسکے میں پوچھتا ہوں کہ اگر یہ سچ ہے کہ حضرت مسیحؑ کے کفارہ پر ایمان لاکر کوئی شخص خاص طور کی تبدیلی پا لیتا ہے تو اُسکا کیوں ثبوت نہیں دیا گیا۔ مینے بارہا اس بات کو پیش کیا اور اب بھی کرتا ہوں کہ وہ خاص تبدیلی اور وہ خاص پاکیزگی اور وہ خاص نجات اور وہ خاص ایمان اور وہ خاص لقاء الٰہی صرف اسلام ہی کے ذریعہ سے ملتا ہے اور ایمانداری کی علامات اسلام لانے کے بعد ظاہر ہوتی ہیں۔ اگر یہہ کفارہ صحیح ہے اور کفارہ کے ذریعہ سے آپ صاحبان کو نجات مل گئی ہے اور حقیقی ایمان حاصل ہوگیا ہے تو پھر اس حقیقی ایمان کی علامات جو حضرت مسیحؑ آپ لکھہ گئے ہیں کیوں آپ لوگوں میں پائی نہیں جاتیں۔ اور یہہ کہنا کہ وہ آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہیں ایک فضول بات ہے۔ اگر آپ ایماندار کہلاتے ہیں تو ایمانداروں کی علامات جو آپ کے لئے مقرر کی گئی ہیں آپ لوگوں میں ضرور پائی جانی چاہیئیں۔ کیونکہ حضرت مسیحؑ کا فرمودہ باطل نہیں ہو سکتا۔ مگر آپ

غور سے دیکھیں کہ وہ علامات دین اسلام میں ایسے نمایاں طور پر پائی جاتی ہیں کہ آپ اُنکے مقابلہ پر دم بھی تو نہیں مار سکتے میں نے انہیں کے لئے آپ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ آپ اگر بالمقابل کھڑے نہیں ہو سکتے تو ان علامتوں کو قرآن شریف کی تعلیم کے لحاظ سے پرکھو اور آزماؤ پھر اگر وہ واقعی سچی نکلیں تو راست بازوں کی طرح اُنکو قبول کرلو مگر آپ نے بجز ہنسی اور ٹھٹھے کے اور کیا جواب دیا۔ تین لولے۔ لنگڑے وغیرہ میرے سامنے کھڑے کر دیئے کہ انکو چنگے کرو۔ حالانکہ انکا چنگا کرنا عیسائی ایمان کی علامتوں میں سے ہے ہمارے لئے تو وہ علامتیں ہیں جو قرآن شریف میں آچکی ہیں اور ہمیں کہیں نہیں کہا گیا کہ تم اپنے اقتدار سے علامتیں دکھلا سکتے ہو بلکہ یہی کہا گیا کہ خدا تعالیٰ سے درخواست کرو پھر جس طرح کا نشان چاہیگا دکھلائیگا تو کیا آپ کی یہہ بے انصافی نہیں کہ آپ نے مجھ سے وہ مطالبہ کیا جو آپ سے ہونا چاہیئے تھا اور پھر اُسکا نام فتح رکھ لیا۔ میں تو اب بھی حاضر ہوں اُن شرائط کے مطابق جو ہماری کتاب ہم پر فرض کرتی ہو اور نیز آپ اُن شرائط کے مطابق جو آپکی کتاب آپ پر فرض کرتی ہے میرے سے نشانوں میں مقابلہ کیجیئے پھر حق اور باطل خود بخود کھل جائیگا پر ہنسی اور ٹھٹھا کرنا راست بازوں کا کام نہیں ہوتا ہی میرے پر اسی قدر فرض ہے جو قرآن کریم میرے پر فرض کرتا ہے اور آپ پر وہ فرض ہے جو انجیل آپ پر فرض کرتی ہے۔ رائی کے دانہ کا مقولہ آپ بار بار پڑہیں اور پھر آپ ہی انصاف کرلیں اور یہہ رحم بلا مبادلہ کا سوال جو مجھ سے کیا گیا ہے اِسکے جواب کا اور بھی حصہ باقی ہے جو پھر میں آپ کے جواب پانے کے بعد بیان کرونگا۔ مگر آپ پر لازم ہے کہ اول اس سوال کو انجیل سے بموجب شرط قرار یافتہ کے ثابت کر کے مدلل طور پر پیش کریں کیونکہ جو بات انجیل میں نہیں وہ آپکی طرف سے پیش ہونے کے لائق نہیں۔ میرے خیال میں اس سوال کے رد کرنے کے لئے انجیل ہی کافی ہے اور حضرت مسیح ؑ کے اقوال اُسکے استیصال کے لئے کفایت کرتے ہیں۔ آپ براہ مہربانی اس التزام سے جواب الجواب دیں کہ لکھنے کے وقت انجیل کا حوالہ ساتھ ہو تاکہ ناظرین کو پتہ لگے کہ انجیل کیا کہتی ہے اور اس سوال کا ذریعہ انجیل بنتی ہے یا دست بردار ہے۔

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام	ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان

از طرف ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب

۳۰ مئی سنہ ۱۸۹۳ء

میں آپکی طرز جواب پر کچھ اعتراض کرتا ہوں۔

یہہ جو آپ فرماتے ہیں کہ رحم بلا مبادلہ کا مقدمہ سراسر ثبوت الوہیت مسیح کے اوپر مدار رکھتا ہے جس کو تمنے ثابت نہیں کیا۔ میری طرف سے عرض ہے کیا ثبوت آپ مجھ سے طلب فرماتے ہیں میں تو عرض کر چکا ہوں کہ ہم تو اس مسیح کو جو مخلوق اور مرئی ہے اللہ نہیں کہتے مگر مظہر اللہ کہتے ہیں اور اس بارہ میں دو امر کا ثبوت چاہیئے یعنے ایک امکان کا دوسرا وقوعہ کا اور کہ امکان ہم دلایل عقلی سے ثابت کرتے ہیں اور وقوعہ اسکا کلام الٰہی سے۔ پہر اور کیا آپ چاہتے ہیں وہ ہم پر ظاہر ہونا چاہیئے امکان پر ہمنے یہہ عرض کیا تہا کہ کیا خدا قادر نہیں کہ اس ستون میں سے جو مٹی و اینٹوں کا بنا ہے جواب دیوے۔ کیا چیز مانع اسکی ایسی کرنیکا اسمیں ہو سکتی ہے یعنے کون صفت الٰہی اسمیں کٹتی ہے۔ اسکا دکہانا جناب کے ذمہ تہا جواب تک ادا نہیں ہوا۔ جیسا ہمنے ستون کی مثال دی۔ ویسا ہی مخلوق میں سے بہی ظہور اسکا ہونا ممکن ہے۔ اور وہ جو بابت وقوعہ کے ہے اس کے واسطے ہمنے کلام کی آیات دی ہیں اگر آپ کو اس کتاب سے انکار ہے کہ یہہ الہامی نہیں تو یہہ دیگر بات ہے اور اگر ہمنے صحیح حوالہ نہیں دیا تو اسکا مواخذہ ہمسے فرمایئے مگر کلام کو بہی تسلیم کرنا کہ یہہ الہامی ہے۔ اور حوالوں کو صرف اتنا ہی فرما کر گرا دینا کہ کچہہ نہیں یہ درست نہیں۔

دوم وہ جو جناب نے استفسار کیا ہے کہ وجود مسیح میں آیا دو روحیں تہیں یا ایک اور ایک وجود میں دو روحیں کسطرح سے رہتی ہیں۔

ہمارا جواب یہہ ہے کہ مخلوق کامل مسیح میں ایک روح کامل تہی۔ لیکن خدا تعالےٰ اپنی ہستی سے بجہت اس کے کہ بحد ہے ہر جگہہ اندر وباہر موجود ہے۔ اور مظہر اللہ ہونے کے معنے یہہ ہین کہ اپنا ظہور خاص کسی جگہہ سے کسی طرح سے کرے۔ تو اسمیں دوسری روح کے مقید ہونے کی جسم مسیح میں کونسی ایما ہے اور خالی خدا سے ہونے پر کونسی ایما ہے۔ یہہ تو معقولی مسئلہ ہے

محتاج کتاب کا نہیں اسمیں آپ کس لئے اٹکتے ہیں۔

سوم۔ وہ جو جناب لطیف ضدی کے بارہ میں کشش وزن کی فرماتے ہیں تو اُس کشش سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کو جناب کثیف ٹھیراتے ہیں اور ہم یہ نہیں مانتے کہ خدا تعالے کی ذات کثیف ہے لہذا اسمیں وزن کیونکر ہو۔ کیونکہ وزن نام کشش کا ہے اور کشش متعلق کثافت کے ہے۔ آپ ہمارے مسئلہ کثرت فی الوحدت کو سمجھے نہیں کیونکہ ہم ماہیت کو تقسیم نہیں کرتے۔ گو اقانیم کو مخلوط بجہ بگیر بہی نہیں کرتے۔ مثال ہماری کثرت فی الوحدت کی یہ ہے کہ جیسے صفت بے نظری کی بے حدی سے نکلتی ہے اور نکلنا اس کا زمان و مکان کا کچھ فرق نہیں کرتا۔ بلکہ ایک صورت میں وہ ہر دو ایک ہی رہتے ہیں اور دوسری صورت میں بہت ہوتی ایسا ہی تین اقانیم میں اقنوم اولی قایم فی نفسہ ہے۔ اور دو اقانیم ماجد کے اُس ایک کے لازم و ملزوم ہیں آپ تین اقانیم کا وزن تین جگہہ کسطرح تقسیم فرماتے ہیں۔ لطیف ضدی کے ساتھ وزن کا علاقہ کیا ہے لطیف ضدی ہم اس کو کہتے ہیں جو عین ضد کثافت پر ہو نہ اس کو جو نسبت ایک کی دوسرا لطیف ہو۔ جیسے مٹی کی نسبت پانی اور پانی کی نسبت ہوا اور ہوا کی نسبت آگ یہ ساری لطیف نسبتی ہیں اور فی الواقع کثیف ہی رہتے ہیں۔

کلام الٰہی کے بیان کو آپ صرف دعوے فرماتے ہیں اور اس کے ثبوت کے واسطے دلیل اور طلب کرتے ہیں تو اس سے یہ مراد آپکی معلوم ہوتی ہے کہ آپ بابت عقیدہ کلام الٰہی کے یا تو متذبذب ہیں و یا مطلقاً یقین نہیں رکھتے۔ یہ امر طے ہولے تو ہم اس کا بہی جواب دیں گے۔

چہارم وہ رحم جو بلا مبادلہ کی دلیل پر جناب نے فرمایا ہے کہ عادت اللہ یہی ہے کہ جیسا رحم بلا مبادلہ فرماتا ہے ویسا ہی قہر بہی بلا مبادلہ فرماتا ہے۔ چنانچہ وہ جانور معصوم ہو کر بابری جاتے ہیں کوئی سبب کی معیشت کے واسطے اور کوئی اور طرح پر۔ جواب ساری شکایت اس امر میں دکھ کے اوپر ہے اور دکھ ہماری نظر میں تین قسم کے ہیں یعنے ایک وہ جو سزائیہ ہے دوسرا وہ جو مصنفل دکھہ کا ہے تیسرا وہ جو سامان امتحان کا ہے۔ تو جب آپ حیوانوں کے دکھ سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں یہ قہر

بلا مبادلہ یا بلا وجہ ہے خیال فرمایئے کہ آپ کسقدر غلط ہیں۔ جو تینوں اقسام کو ایک ایک قسم ہزارہیں ڈالدیتے ہیں اور ماسوا اس کے جو آپ فرماتے ہیں کہ قہر بھی بلا وجہ ہو سکتا ہے اور رحم بھی بلا وجہ۔ تو خدائے مقدس کی خدائی یہ نہ ہوئی بلکہ دہریت کی اندھیر گردی ہوئی

پنجواں۔ خداوند مسیح نے ضرور کہا ہے کہ تم گناہوں کو معاف ہی کرتے رہو جو تمہارے برخلاف کریں اور انتقام نہ لو لیکن کلام انجیل میں یہ بھی لکھا ہے کہ تم انتقام نہ لو کیونکہ خداوند فرماتا ہے کہ انتقام لینا میرا کام ہے۔

اور چونکہ گناہوں کی اقسام گو کتنی ہی بیان ہوں مگر دراصل گناہ صرف خدا کے برخلاف ہوتا ہے اور وہ فرماتا ہے کہ تم انتقام نہ لو اور ضرورت ہوگی تو میں انتقام لونگا۔ تو بھی اسمیں تعلیم کفارہ کے برخلاف کیا ہوا جسکا گناہ کیا گیا اُسی نے ہر ایک کو منتقم اور جج اسکا نہیں بنایا۔

ششم۔ دُنیا دی عدالت حقیقی عدالت کا نام ہے بلکہ محض نظامت کا نام۔ کیونکہ ہرجہ کو واپس نہیں لاتی مگر جرایم کو روبہ تنزل کرتی ہے۔ اور نہ دنیادی شفاعت شفاعت کا نام ہے بلکہ ایک مہلت طلبی کا نام ہے کیونکہ خداوند کو اختیار ہے کہ گنہگار کو اس کے گناہوں میں یہاں ہی کاٹ ڈالے لیکن اپنے محبوبوں کی درخواست پر وہ مہلت توبہ کی بخش سکتا ہے جو شفیع منصبی نہیں ہیں ان کا جواب ہم ادا کرچکے ہیں مگر بموجب اذن خدا کے مہلت بخشوانی کی شفاعت ہو سکتی ہے کہ مہلت بخشی جاوے کہ توبہ کرے۔ فرائض ہمارے نزدیک دو ہی قسم کے اقسام ماتحت میں ہیں لیکن اصل میں ایک ہی قسم ہے جیسا کہ داؤد نبی فرماتا ہے کہ تیرا ہی گناہ کیا۔ پس حق العباد کا گناہ تو اسمیں آگیا لیکن فطرتی گناہ شاید آپ موروثی گناہ کو فرماتے ہیں لیکن گناہ موروثی کے بارہ میں ہماری غرض یہ ہے کہ آدم کے گناہ میں گرنے کے باعث آدمزاد کا امتحان سخت تر ہو گیا۔ کہ جسم میں تکالیف پیدا ہوئیں اور موت ڈرادنی ٹھہر گئی۔ ان معنوں کرکے اسکو آدم کا گناہ کہا جاتا ہے ورنہ جیسا آپنے حزقیل نبی کا حوالہ دیا درست ہے کہ جو روح گناہ کرے گی وہی مرے گی باپ دادوں کے انگور کھٹے کھانے ہوئے اولاد کے دانت کھٹے نہیں کریں گے۔

ہفتم۔ جس منصوبہ کو جناب مکروہ فرماتے ہیں کہ گناہ کوئی کرے اور سزا کوئی بھرے اسکا جواب یہ ہے کہ کیا دنیا میں ایک شخص کا قرضہ دوسرا اپنی دولت سے نہیں ادا کر سکتا ہاں ایک گناہگار دوسرے کے گناہ نہیں اٹھا سکتا کیونکہ وہ اپنے ہی گناہوں سے فارغ نہیں جیسا کہ جو خود قرضدار ہے وہ دوسرے کے قرضہ کا ضامن نہیں ہو سکتا پس یہ کراہت مسیح کے کفارہ میں کہاں ہے آئی جو گناہگار نہ تھا۔ اور ذخیرہ نجات میں غنی جسکو اسنے اپنے کفارہ سے پیدا کیا تھا۔

ہشتم۔ خداوند تعالی نے اس نقشہ امتحان میں ہمکو یہ صورت دکھلائی ہے کہ امتحان اعمالی جو ایک ہی خطا پر ختم ہو جاتا تھا اور مہلت توبہ کی نہ دیتا تھا وہ موقوف کیا گیا بوسیلہ کفارہ مسیح کے بجائے اسکے امتحان ایمانی قایم کیا گیا کہ جسمیں بہت سی فرصت توبہ کی ملسکتی ہے۔ پس جو خداوند میں مقبول ہیں وہ بھی اس دنیا میں امتحان ایمانی سے بری نہیں ہوئے۔ لیکن اسکے خاتمہ کا دن نزدیک ہے اور جب وہ آئیگا تو اس وقت انسان کامل نجات کو دیکھیگا فی الحال اس اطمینان ہی کو دیکھتا ہے جو صادق کے وعدہ پر کوئی منتظر تاج و تخت کا ہو۔ جناب جو فرماتے ہیں کہ ہم کو کوئی ایسا شخص دکھلاؤ جو نجات یافتہ ہو اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نجات جناب کسی ایسی چیز کو کہتے ہیں جیسے بڑا ڈھیلا آنکھوں سے محسوس ہوتا ہے۔ مگر اطمینان کی تو یہ شکل نہیں۔ بلکہ وہ شکل ہے کہ جیسے ایک نوکدخدا لذت زفاف کو بیان نہیں کر سکتی لیکن حقیقت میں اسکو عزیز سمجھتی ہے۔

نہم۔ جن امور کی بار بار کشش ہوتی ہے کہ آپ بموجب آیات انجیلی کے معجزہ دکھلاؤ ہمارا جواب یہ ہے کہ ہم بار بار ان مقامات کی شرح حقیقی دکھلا چکے۔ اگر جناب پھر اسی سوال کا تکرار کریں اور ہماری شرح کو ناقص نہ دکھلا سکیں تو انصاف کسکے گھر کے آگے ماتم کر رہا ہے اسکو منصف طبع آپ پہچان لینگے۔

اب ہمارا سوال جہاں کا تہاں موجود ہے کہ رحم بلا مبادلہ ہرگز جایز نہیں۔

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ ازجانب عیسائی صاحبان	غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ ازجانب اہل اسلام

روئداد جلسہ مباحثہ

۳۱ مئی ۱۸۹۳ء

مرزا صاحب نے ۶ بجے ۵ منٹ پر جواب لکھانا شروع کیا۔ اور ۷ بجے ۶ منٹ پر ختم کیا اور بعد مقابلہ بلند آواز سے سُنایا گیا۔

مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب نے ۷ بجے ۵۲ منٹ پر شروع کیا۔ اور ۸ بجے ۵۲ منٹ پر ختم کیا اور سُنایا گیا۔ مرزا صاحب نے ۹ بجے ۲۶ منٹ پر شروع کیا اور ۱۰ بجے ۲۶ منٹ پر ختم کیا اور بعد مقابلہ بلند آواز سے سنایا گیا۔ بعد ازاں منیجر نیشنل پریس کی درخواست پیش ہوئی کہ اسے مباحثہ چھاپنے کی اجازت دیجائے۔ قرار پایا کہ اُسے اجازت دیجائے اس شرط پر کہ وہ اُسیطرح مباحثہ چھاپے جس طرح کہ منیجر ریاض ہند پریس چھاپ رہا ہے یعنے بلاکمی و بیشی فریقین کے تحریریں باترتیب چھاپے۔ اس کے بعد تحریروں پر میر مجلسوں کے دستخط ہوئے اور جلسہ برخاست ہوا۔

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ	ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ
از جانب	از جانب
اہل اسلام	عیسائی صاحبان

مطبوعہ ریاض ہند امرتسر

بیان حضرت مرزا صاحب

۱۳ مئی ۱۸۹۳ء

ڈپٹی صاحب کا کل کا سوال جو ہے کہ رحم بلا مبادلہ ہرگز جائز نہیں آج کسقدر اسکا تفصیل سے جواب لکھا جاتا ہے واضح ہو کہ رحم بلا مبادلہ میں عیسائی صاحبوں کا یہ اصول ہے کہ خداتعالے میں صفت عدل کی بھی ہے اور رحم کی بھی صفت عدل کی یہ چاہتی ہے کہ کسی گناہگار کو بغیر سزا کے نہ چھوڑا جائے اور صفت رحم کی یہ چاہتی ہے کہ سزا سے بچایا جائے اور چونکہ عدل کی صفت رحم کرنے سے روکتی ہے اس لئے رحم بلا مبادلہ جائز نہیں۔

اور مسلمانوں کا یہ اصول ہے کہ رحم کی صفت عام اور اول مرتبہ پر ہے جو صفت عدل پر سبقت رکھتی ہے جیساکہ اللہ تعالے فرماتا ہے قال عذابی اصیب بہ من اشاء ورحمتی وسعت کل شیء س ۹ ر ۹ پس اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ رحمت عام اور وسیع ہے اور غضب یعنے صفت عدل بعد کسی خصوصیت کے پیدا ہوتی ہے یعنی یہ صفت قانون الٰہی سے تجاوز کرنے کے بعد اپنا حق پیدا کرتی ہے اور اس کے لئے ضرور ہے کہ اول قانون الٰہی ہو اور قانون الٰہی کی خلاف ورزی سے گناہ پیدا ہو اور پھر یہ صفت ظہور میں آتی ہے اور اپنا تقاضا پورا کرنا چاہتی ہے اور جبتک قانون نہ ہو یا قانون کی خلاف ورزی سے گناہ پیدا نہ ہو مثلاً کوئی شخص قانون الٰہی کے سمجھنے کے قابل نہ ہو جیسے بچہ ہو یا دیوانہ ہو یا قسم حیوانات سے ہو اسوقت تک یہ صفت ظہور میں نہیں آتی ہاں خداتعالے اپنی مالکیت کیوجہ سے جو چاہے سو کرے کیونکہ اُس کا اپنی ہر ایک مخلوق پر حق پہنچتا ہے تو اب اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ عدل کو رحم کے ساتھ کچھ بھی علاقہ نہیں رحم تو اللہ تعالی کی ازلی اور اول مرتبہ کی صفت ہے جیساکہ حضرات عیسائی صاحبان بھی اسبات کا اقرار رکھتے ہیں کہ خدا محبت ہے کبھی یہ نہیں لکھا کہ خدا غضب ہے یعنے عدل ہے اور غضب کا لفظ عدل کے لفظ سے اس لئے مترادف

اور یہ معنی ہیں کہ خدا تعالے کا غضب انسانوں کے غضب کا سا نہیں۔ کہ بلا وجہ اور یا چڑنے کے طور پر ظہور میں آجائے بلکہ وہ ٹھیک ٹھیک عدل کے موقعہ پر ظہور میں آتا ہے اب یہ دوسرا سوال ہے کہ جو شخص قانون آلہی کی خلاف ورزی کرے اُسکی نسبت کیا حکم ہے تو اسکا یہی جواب ہوگا کہ اس قانون کی شرائط کے مطابق عمل کیا جاویگا رحم کو اس جگہ کچھ تعلق نہیں ہوگا یعنے رحم بلا مبادلہ کے مسئلہ کو اس جگہ کچھ تعلق نہیں ہوگا کیونکہ گناہ کی فلاسفی یہی ہے کہ وہ قانون آلہی کے توڑنے سے پیدا ہوتا ہے پس ضرور ہوا کہ پہلے قانون موجود ہو مگر قانون تو کسی خاص زمانہ میں موجود ہوگا اس لئے خدا تعالے کا عدل اس کے رحم کے دوش بدوش نہیں ہوسکتا بلکہ اسوقت پیدا ہوتا ہے کہ جب قانون نفاذ پاکر اور پہنچکر اوسکی خلاف ورزی کیجائے پس واضع قانون کو یہ عام اختیار رہے کہ جسطرح چاہے اپنے قانون کی خلاف ورزی کی سزائیں مقرر کرے اور پھر اُن سزاؤں کے معاف کرنے کے لئے اپنی مرضی کے مطابق شرائط اور حدود ٹھیرائے لہذا ہم کہتے ہیں کہ اب یہ مسئلہ رحم بلا مبادلہ کی مزاحمت سے اور صورت میں ہو کر بالکل صاف ہے ہاں یہ دیکھنا ابھی باقی ہے کہ جو سزائیں مقرر کیگئی ہیں یا طریق معافی کے مقرر کئے گئے ہیں یہ کس مذہب کی کتاب میں انسب و اولی اور قرین بالانصاف ہیں۔ اور اس خوبی کے دیکھنے کے لئے رحم کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہوگا۔ کیونکہ ابھی ہم ثابت کر چکے ہیں کہ رحم اصلی اور عام اور مقدم صفت ہے پس جسقدر کسی مذہب کا طریق سزا اور طریق معافی رحم کے قریب قریب واقع ہوگا وہ انسب اور اولے مذہب سمجھا جائے گا کیونکہ سزاوہی کے اصول اور قوانین میں حد سے زیادہ تشدد کرنا اور ایسی ایسی پابندیاں لگا دینا جو خود رحم کے برخلاف ہیں خدا تعالی کی صفات مقدسہ سے بہت دور ہیں سو اب منصف لوگ دیکھ لیں کہ قرآن کریم نے معافی کا کیا طریق ٹھیرایا۔ اور انجیل شریف کی روسی معافی کا کیا طریق بیان کیا جاتا ہے سو واضح ہو کہ قرآن کریم کی ہدایتیں کسی شخص کے معافی کے لئے کوئی بے جا تشدد اور کوئی اصول جو ظلم تک منجر ہو بیان نہیں فرماتیں صرف اصلی اور طبعی طور پر یہ فرماتے ہیں کہ جو شخص

قانون الٰہی کے توڑنے سے کسی جرم کا ارتکاب کرے تو اس کے لئے یہ راہ کھلی ہے کہ
وہ سچی توبہ کرے اور ان قوانین کی صحت اور حقانیت پر ایمان لا کر پھر ہر نوع جد و جہد سے
ان قوانین کا پابند ہو جاوے یہاں تک کہ ان کی راہ میں مرتے ہیں۔ یہی ذریعہ نجات کرنے
ہیں یہ بھی لکھا ہے کہ شفاعت بھی مجرموں کے لئے فائدہ بخش ہے مگر خدا تعالیٰ کے
اذن سے اور اعمال حسنہ بھی گناہوں کا تدارک کرتے ہیں اور ایمانی ترقی بھی اور نیز محبت
اور عشق بھی گناہوں کے خس و خاشاک کو آگ کی طرح جلا دیتی ہے لیکن حضرات
عیسائی صاحبوں کے اصول میں اول الدین ورد ہی یہ ہے کہ گناہوں کی معافی کے لئے
ایک بیگناہ کا مصلوب ہونا لازمی اور ضروری سمجھا گیا ہے اب عقلمند منصف خود
فیصلہ کر سکتے ہیں اور یہ بھی یاد رہے کہ ہر ایک جھگڑے اور تنازعہ کے فیصلہ کے لئے
خدا تعالیٰ کا قانون قدرت موجود ہے یہ قانون قدرت صاف شہادت دے رہا ہے
کہ خدا تعالیٰ کا رحم بلا مبادلہ قدیم سے جاری ہے جسقدر خدا تعالیٰ نے زمین و آسمان
کو پیدا کر کے اور طرح طرح کی نعمتیں انسانوں کو بخشکر اپنا رحم ظاہر کیا ہے کیا اس سے
کوئی انکار کر سکتا ہے جیسا کہ اللہ جلشانہ فرماتا ہے وان تعدوا نعمت اللہ لا
تحصوھا س ۱۳ ر ۔ یعنی اگر تم خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو ہرگز گن نہیں سکتے
ایسا ہی اسکی رحیمیت یعنی کسی نیکی کے پاداش میں جزا دینا بھی قانون قدرت سے
صاف ثابت ہو رہا ہے کیونکہ جو شخص نیک راہ پر چلتا ہے وہ اسکا نتیجہ پا
لیتا ہے ایسا ہی اسکی مالکیت بھی قانون قدرت کے رو سے ثابت ہو رہی ہے جیسا
کہ میں کل بیان کیا تھا کہ ہزارہا جانور انسان کے فائدہ کے لئے ہلاک کئے جاتے ہیں۔ اور
نیز توریت سے ثابت ہے کہ حضرت نوح کے طوفان میں بجز چند جانوروں کے باقی
تمام حیوانات طوفان سے ہلاک کئے گئے۔ کیا انکا کوئی گناہ تھا کوئی نہ تھا صرف مالکیت
کا تقاضا تھا۔ اور یہ بات کہ گناہ قانون سے پیدا ہوتا ہے یہ اس آیت سے صاف ثابت
ہے والذین کفروا وکذبوا بآیاتنا اولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون۔
س ۱ ر ۴ یعنی جو لوگ ہمارے کتاب پہنچنے کے بعد کفر اختیار کریں اور تکذیب کریں وہ

جہنم میں گرائے جائیں گے اور پھر خدا تعالے کا توبہ سے گناہ بخشنا اس آیت سے ثابت ہے غافر الذنب و قابل التوب الخ اور خدا تعالے کی رحمانیت اور رحیمیت اور مالکیت ان آیات سے ثابت ہے الحمد للہ رب العالمین الرحمن الرحیم مالک یوم الدین

اور بقیہ جوابات ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب کا ذیل میں لکھتا ہوں آپ فرماتے ہیں کہ حضرت مسیح کی روح مخلوق تھی اور جسم بھی مخلوق تھا اور خدا تعالے اس طرح ان سے تعلق رکھتا تھا جیسا کہ وہ ہر جگہ موجود ہے یہ فرمانا ڈپٹی صاحب کا مجھے سمجھ نہیں آتا جبکہ حضرت مسیح نرے انسان ہی تھے اور ماسوا اس کے کچھ بھی نہیں تھا تو پھر خدا تعالے کا تعلق اور خدا تعالے کا موجود ہونا ہر ایک جگہ پایا جاتا ہے پھر باوجود اس کے آپ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ حضرت مسیح مظہر اللہ ہیں میں سوچتا ہوں کہ یہ مظہر اللہ کیسے ہو گئے اس سے تو لازم آیا کہ ہر ایک چیز مظہر اللہ ہے پھر میرا یہ سوال ہے کہ کیا یہ مظہر اللہ ہونا روح القدس کے نازل ہونے سے پہلے ہوا یا روح القدس کے پیچھے ہوا اگر پیچھے ہوا تو پھر آپ کی بحث کنفت ہے لہذا اسمیں ضرورت ان کی نہیں میرا جواب ہے کہ بیٹا یعنی حضرت عیسی کا اقنوم مجسم ہونا ثابت ہے کیونکہ لکھا ہے کہ کلام مجسم ہوا اور روح القدس بھی مجسم تھا کیونکہ لکھا ہے کہ کبوتر کی شکل میں اترا اور آپکا خدا بھی مجسم ہے کیونکہ یعقوب سے کشتی کری اور دیکھا بھی گیا اور بیٹا اس کے دہنے ہاتھ جا بیٹھا۔

پھر آپ اپنی کثرت فی الوحدت کا ذکر کرتے ہیں مگر مجھے سمجھ نہیں آتا۔ کہ کثرت حقیقی اور وحدت حقیقی کیونکر ایک جگہ جمع ہو سکتے ہیں اور ایک کو اعتباری ٹھہرانا آپکا مذہب نہیں اس جگہ میں یہ بھی پوچھتا ہوں کہ حضرت مسیح جو مظہر اللہ ٹھہرائے گئے وہ ابتدا سے اخیر وقت تک مظہر اللہ تھے اور دوامی طور پر انمیں مظہریت پائی جاتی تھی یا اتفاقی اور کبھی کبھی اگر دائمی تھی تو پھر آپکو ثابت کرنا پڑیگا کہ حضرت مسیح کا عالم الغیب ہونا اور قادر وغیرہ کی صفات انمیں پائے جانا یہ دائمی طور پر تھا حالانکہ انجیل شریف اسکی مکذب ہے جسے بار بار بیان کرنے کی حاجت نہیں۔

اس جگہ یہ بھی مجھے پوچھنا پڑا کہ جس حالت میں بقول آپکے حضرت مسیح میں دو روحیں

پھر کیا خصوصیت رہی پھر آپ اعتراض کرتے ہیں کہ ہم یہ نہیں مانتے کہ خدا تعالے کی ذات

نہیں صرف ایک روح ہے جو انسان کی روح ہے جسمیں الوہیت کی ذرہ بھی آمیزش نہیں ہاں جیسے خدا تعالے ہر جگہہ موجود ہے اور جیسے کہ لکھا ہے کہ یوسف میں بھی روح تھی حضرت مسیح کے ساتھ بھی موجود ہے تو پھر حضرت مسیح اپنی ماہیت ذاتی کے لحاظ سے کیونکر دوسرے اقنوم ٹھیرے اور یہ بھی دریافت طلب ہے کہ حضرت مسیح کا آپ صاحبونکی نظر میں دوسرا اقنوم ہونا یہ دوری ہے یا دائمی پھر آپ فرماتے ہیں کہ وہ یعنی اللہ تعالے فرماتا ہے کہ تم انتقام نہ لو میں تعجب کرتا ہوں کہ انتقامی شریعت یعنے توریت تو خود آپکی مسلمات میں سے ہے پھر کیونکر آپ انتقام سے گریز کرتے ہیں اور اسبات کا نتیجہ ابھی تک آپ کے منہ سے جواب نہیں ملا کہ جسحالت میں تین اقنوم صفات کاملہ میں برابر درجہ کے ہیں تو ایک کامل اقنوم کے موجود ہونے کے ساتھ جو جمیع صفات کاملہ پر محیط ہے اور کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں کیوں دوسرے اقنوموں کی ضرورت ہے اور پھر ان کاملوں کے ملنے کے بعد یا ملنے کے لحاظ سے جو اجتماعی حالت کا ایک ضروری نتیجہ ہونا چاہیئے وہ کیوں اس جگہہ پیدا نہیں ہوا یعنے یہ کیا سبب ہے کہ باوجودیکہ ہر ایک اقنوم تمام کمالات مطلوبہ الوہیت کا جامع تھا پھر ان تینوں جامعوں کے اکٹھا ہونے سے الوہیت میں کوئی زیادہ قوت اور طاقت نہ بڑہی اگر کوئی بڑہی ہے اور مثلاً پہلے کامل تھی پھر ملنے سے یا ملنے کے لحاظ سے اکمل کہلاے یا مثلاً پہلے قادر تھی اور پھر ملنے کے لحاظ سے اقدر نام رکھا گیا۔ یا پہلے خالق تھی اور پھر ملنے کے لحاظ سے خلاّق یا اخلق کہا گیا۔ تو براہ مہربانی اسکا کوئی ثبوت دینا چاہیئے آپ کثیف جسموں کی طرف تو ناحق کھینچ کر لے گئے تھے تو ایک مثال ہی تھی اور پھر وہ مثال بھی بفضلہ تعالے آپ ہی کی کتابوں سے ثابت کر دکھائی اور آپکی یہ تمام بیانات بڑے افسوس کے لایق ہیں کیونکہ ہماری شرط کے مطابق نہ آپ دعوے انجیل کے الفاظ سے پیش کرتے ہیں اور نہ دلائیل معقولی انجیل کے رو سے بیان فرماتے ہیں بھلا فرمائیے کہ رحم بلامبادلہ کا لفظ انجیل شریف میں کہاں لکھا ہے اور اس کے معنے خود حضرت مسیح کے فرمودہ سے کب اور کسوقت آپنے بیان فرمائے ہیں اس عہد شکنی پر جسقدر اہل انصاف افسوس کریں وہ تھوڑا ہے

اور کل جو ہمنے پھر بلا مبادلہ کا ذکر کیا تھا اسکا بھی آپنے کوئی عمدہ جواب نہ دیا میرا مطلب
تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی صفت مالکیت بغیر دیکھنے گناہ کے بجائے خود کام کر رہی ہے
مثلاً انسان کے بچوں کو دیکھو کہ صدہا صعب اور شدید اور ہولناک بیماریاں ہوتی
ہیں اور بعض ایسے غربا اور مساکین کے گھر میں پیدا ہوئے ہیں کہ دانت نکلنے کی بھی طرح طرح کے
فاقوں کو اٹھانا پڑتا ہے پھر بڑے ہوئے تو کسی کے سائیس بنائے گئے اور دوسری
طرف ایک شخص کسی بادشاہ کے گھر میں پیدا ہوتا ہے پیدا ہوتے ہی غلام اور
کنیزکیں اور خادم دست بدست گود میں لئے پھرتے ہیں بڑا ہو کر تخت پہ بیٹھ جاتا ہے
اسکا کیا سبب ہے۔ کیا مالکیت سبب ہے یا آپ تناسخ کے قائل ہیں پھر اگر مالکیت
ثابت ہے اور خدا تعالے پر کسی کا بھی حق نہیں تو اتنا جوش کیوں دکھلایا جاتا ہے پھر
آپ فرماتے ہیں کہ موسیٰ کی شفاعتیں حقیقی شفاعتیں نہیں تھیں بلکہ انپر مواخذہ
قیامت کی پیچ لگی ہوئی تھی اور گو خدا تعالے نے سرسری طور پر گناہ بخشدیئے اور
کہدیا کہ ہمنے موسیٰ کی خاطر بخشدیئے لیکن اصل میں نہیں بخشے تھے پھر پکڑے گا
اور جبر کرنے والوں کی طرح ناراض ہو کر جہنم میں ڈالیگا اس کا آپکے پاس کیا
ثبوت ہے براہ مہربانی وہ ثبوت پیش کریں مگر توریت کے حوالہ سے جہاں یہ لکھا ہو
کہ خدا تعالے فرماتا ہے کہ گو ہمنے آج اس نافرمانی کو بخشدیا مگر کل پھر میں مواخذہ
کروں گا اسجگہ آپکی تاویل منظور نہیں ہوگی اگر آپ سچ پر ہیں تو توریت کی آیت
پیش کریں کیونکہ توریت کے کئی مقامات میں جو ہم پیچھے سے لکھا دیں گے یہی صاف
صاف لکھا ہے کہ خدا تعالے بعض نافرمانیوں کے وقت حضرت موسیٰ کی شفاعت
سے ان نافرمانیوں سے درگذر کرتا رہا بلکہ بخشدیئے کے الفاظ موجود ہیں گنتی ۱۴/۱۹
و ۱۴/۲۰ استثنا ۹/۱۹ سے ۲۲ خروج ۸/۸ - پھر آپ فرماتے ہیں کہ حضرت مسیح کا دوسرے
گناہگاروں کے عوض میں مصلوب ہونا قانون قدرت کے مخالف نہیں ایک
شخص کا قرضہ دوسرا اپنی دولت سے ادا کر سکتا ہے یہ آپنے خوب ہی مثال دی پر
پوچھا تو یہ گیا تھا کہ کیا ایک مجرم کے عوض میں دوسرا شخص سزایاب ہو سکتا ہے

اسکی نظیر دنیا میں کہاں ہے۔ آجکل انگریزی قوانین جو بڑی جستجو اور بڑی تحقیق اور مدرعایت الضاف سے بنائے جاتے ہیں کیا آپنے جو ایک مدت تک اکسٹرا اسسٹنٹ رہ چکے ہیں تعزیرات ہند وغیرہ میں کوئی ایسی بھی دفعہ لکھی ہوئی پائی ہے کہ زید کے گناہ کرنے سے بکر کو سولی پر کھینچنا کافی ہے

(باقی آیندہ)

دستخط　　دستخط

بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ	ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ
از جانب	از جانب
اہل اسلام	عیسائی صاحبان

بیان ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب

۳۱ مئی سنہ ۱۸۹۳ء

جناب کا یہ فرمانا کہ رحم اول اور خالق درجہ پر ہے برخلاف بداہت کے ہے کیونکہ بداہت یہ حکم کرتی ہے کہ کوئی صفت کسی دوسری صفت سے کم نہیں بجائے خود ہر ایک پورا امر تمیز رکھتی ہے۔ یہ جناب نے حق فرمایا ہے کہ جبتک قانون کسی تک نہ پہنچے وہ قانون شکن نہیں کہلا سکتا اور گناہ اسپر عاید نہیں ہوتا اسیواسطے وہ بچے جو ماہیت گناہ سے واقف نہیں اور دیوانہ اور نادان گناہ نہیں کر سکتے۔ بلکہ اگر کوئی شخص ماہیت کسی گناہ کی نہ جانتا ہو اور وہ اس سے سرزد ہو وے۔ مواخذہ عدل میں نہ آوے گا اور اسکا وہ فعل گناہ نہ تصور کیا جائیگا۔ خدا اپنی مالکیت کیوجہ سے خواص اپنی صفات کے برخلاف اگر کچھ مالکیت جناب کے تو سادالفتنہ اس کے قدوسی کا درہم

برہم ہو جاتا ہے لہذا یہ صحیح نہیں۔ کہ مالکیت کی وجہ سے جو چاہے سو کرے حتی کہ ظلم تک۔ نیز عدل کو رحم سے اس طرح کا علاقہ تو نہیں کہ جو رحم ہے وہ عدل نہیں اور جو عدل ہے وہ رحم نہیں۔ لیکن یہ ہر دو صفات واحد واقدس خدا کی ہیں۔ خدا غضب بجا ہر گز یہ تو کلام الٰہی میں ہو نہیں سکتا مگر اس کو بھسم کرنے والی آگ بھی لکھا ہے جو گنہگاروں کو بھسم کرتی ہے استثنا ۴/۲۴ قانون فعل متقنن ہے اور فعل ضرور ہے کہ اپنے فاعل سے بعد میں ہو لیکن عدل جو قانون بناتا ہے قانون جس کا فعل ہے ازلی و ابدی صفت ہے وہ عارضی طور سے پیدا نہیں ہوئی اور نہ وہ عارضی طرح سے جا سکتی ہے۔ اور یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ عدل اس کو کہا جائے کہ ہر جرم باقی رہ جائے اور گنہگار رہا ہو جائے واضح رہے کہ دنیا کی عدالت عدالت نہیں بلکہ نظامت کا نام ہے کہ جس کا منشا یہ ہے کہ جرائم روبہ تنزل رہیں نہ یہ کہ سزا کامل ہو جائے کیا ایک قاتل کو پھانسی دینے سے مقتول جی اٹھتا ہے۔ اور اگر قاتل کو پھانسی دیں گے تو مقتول کو اس سے کیا ہے خداوند کی عدالت ایسی نہیں بلکہ یہ ہے کہ جب تک وہ ہر جرم گناہ والی نہ ہو معاوضہ کی سزا سے بھی رہائی نہ ہووے۔

دوم۔ جو آپ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم نے معافی کا کیا طریق ٹھیرایا ہے اول تو آپ کا یہ کہنا ہی جائز نہیں اس لئے کہ واحد خدا کی یہ ہر دو کلام ہو کر متباین طریقہ نہیں بتا سکتی کہ اعمال حسنہ ادائے قرضہ کی صورت ہیں کیونکہ یہ فرض عین ہے کہ ہم اعمال حسنہ کریں لیکن یہ بڑی ایک تعجب کی بات ہے کہ ادائے جزو کو کل پر حاوی تصور کر کے وہ قرضہ بیباق سمجھا جاوے جیسا کہ ایک شخص کو سو روپے کسی کے دینے ہیں اور اسمیں سے پچیس روپیہ دے کر یہ کہے کہ تیرا حساب بیباق ہوا کوئی عقلمند اس امر کو مانے گا کہ ادائے جزو کا حاوی بر کل ہے لہذا اعمال حسنہ کا ذکر آپ تب تک نہ کریں جب تک آپ یہ نہ ثابت کر لیں کہ کوئی اعمال کے ذریعہ سب قرضہ ادا کر سکتا ہے یعنی بیگناہ مطلق رہ سکتا ہے۔ توبہ اور ایمان بیرونی پہاں تک نجات کے ضرور ہیں جیسا کہ کوئی بغیر انکے نجات میں داخل نہیں ہو سکتا لیکن یہاں تک اندرونہ شے کا نہیں ہو سکتا کیا اگر ہم ایک مکھی کو مار کر سو توبہ کریں وہ جی اٹھتی ہے

اور ایمان کی بابت ہیں اگر ہم ایمان لا دیں کہ خدا اے قادر اسکو پہر جلا دے سکتا ہے
بہی کچھ امکان سے بڑہکر وقوعہ ہو جاتا ہے - محبت وخشیت فرائض انسانی ہیں ہیں انکا ذکر
اعمال حسنہ میں آچکا - اور ضرور نہیں -

سوم - یہ آپ صریح غلط فرماتے ہیں کہ قانون قدرت خدا تعالی کا کہ رحم بلا مبادلہ قدیم سے
جاری ہے - ہماری فطرت میں اس امر کو صداقت ادا کر کے ثبت کیا گیا ہے کہ جو کسی
کا کوئی ہرجہ کریگا اس کو معاوضہ اس کا دینا پڑیگا - مخلوق کا ہر زمان اطاعت الہی کیواسطے
رکہا گیا ہے - اور وہ بغاوت میں اگر گناہ کے کٹے تو اسوقت کا ہرجہ اسکو بہرنا پڑے گا -
اور اس کا معاوضہ یہی ہے کہ رو بابد روان سزا میں گرفتار رہے -

چہارم - مینے کل بھی عرض کیا تہا کہ دُکھ تین قسم کے ہیں یعنے ایک وہ جسکو سزائیہ
کہتے ہیں - جس کے معنے معاوضہ ہرجانہ کے ہیں اور جسکی حد یہ ہے کہ جبتک وہ ہرجہ
ادا نہ ہو ہرجہ رساں کی رہائی بھی نہ ہو دوسری قسم مصنقل سکھ کی ہے جس سے میری مراد
یہ ہے کہ محتاج بالغیر علم کسی شے کا بغیر مقابلہ ضد اسکی کے - صاف نہیں پاتا - جیسا کہ
اندہا مادر زاد سفیدی کو تو نہیں جانتا - مگر تاریکی کو بہی بخوبی نہیں پہچانتا - گو وہ ہمیشہ
اس کے سامنے ہے - ایسا ہی اگر آدمی کو بہشت میں بہیجا جائے اور مقابلہ کے واسطے
اسنے کبھی دُکھ نہ دیکہا ہو تو بہشت کی قدر و عافیت نہیں جانتا تیسرا دُکہہ امتحان کا
ہے یعنے اعمال بالقوہ کو بفعل لوانے کے واسطے باختیار اس شخص کے کہ جس کے دہ فعل
ہیں ضرور ہے کہ اسکو ایسی دو شے کے درمیان رکہا جائے جو مساوی بکدیگر ہوں و
ضد فی الحاصل در آن واحد ہوں کہ جنمیں سے احدی کا رد یا قبول کرنا بغیر توڑ اور
دُکھ کے نہیں ہو سکتا - اگر یہ تین اقسام صحیح ہیں تو آپکا کیا حق ہے کہ جو جاندار دنیا
میں دُکھ پاتے ہیں انکو دکہہ کو سزائیہ ہی قرار دیں -

پنجم - جناب کا اس امر کا نہ سمجہنا کہ مسیح میں خصوصیت ظہور کی کیا ہے جبکہ ہر شے
مظہر الٰہی ہے اسکا جواب عرض کرتا ہوں - کہ خصوصیت یہ ہے کہ مسیح کے علاقہ سے
اللہ تعالے نے کفارہ کا کام پورا کرایا خدا تعالے دُکھ اُٹھانے سے بری مطلق ہے

مخلوق سب کا بوجھ اُٹھا کر باقی نہیں رہ سکتا یہاں پر خدا تعالیٰ نے یہ کیا کہ پاک انسان نے
سب بوجھ اپنے سر پر اُٹھایا اور اقنوم ثانی الوہیت کے لئے اسکو اُٹھوایا اور یوں وہ دکھ
پناہ ہوا کیونکہ اس موقعہ پر مقابلہ رو با بدروان ہر اکا ساتھ ازلی وابدی اقنوم ثانی کے سوا
یہ خصوصیت مظہریت کی اور کہاں ہے - آپ ہی اسکو دکھلا دیں اور اس خصوصیت کو مسیح
ہیں ہماری زبانی آپ قبول نہ کریں مگر تا وقتیکہ بائبل کو آپ رد نہ کریں تو آپکا حق نہیں
کہ اسپر عذر کریں کہ کیا مسیح کا معجزہ ہی پیدا ہونا مارا جانا جی اٹھنا او صعود کرنا آسمان پر - انکی
بھی کچھ معنے ہیں یا نہیں جناب ہی فرما دیں اور جبکہ لکھا ہے کہ خون بہانے بدون نجات
نہیں عبرانی $\frac{9}{22}$ واحبار $\frac{14}{11}$ اور کہ ساری قربانیاں توریت کی اسی پر ایما کرتی ہیں اور یہ
لکھا ہے کہ آسمان کے نیچے دوسرا نام نہیں دیا گیا کہ نجات ہو اعمال $\frac{4}{12}$ ان سب باتوں
کے جناب کچھ معنے فرما دیں اور ایسی ہی سرسری بے جواب گذر نہ فرما دیں۔
ششم جناب جو پوچھتے ہیں کہ مظہر اللہ مسیح بعد نزول روح القدس کے ہوئی یا ماقبل اسکے
ہمارا اس جگہہ پر جواب قیاسی ہے روح القدس کے نازل ہونے کے وقت ہوئی کلام الٰہی
میں اس کا وقت کوئی معین نہیں ہوا خصوصیت کا انحصال آگے اور پیچھے مظہر اللہ ہونے
پر کیا ہے جناب نے اس امر کو مشرح نہیں فرمایا اسی لئے ہم اور زیادہ جواب نہیں دیسکتے۔
ہفتم۔ اگرچہ ہر سہ اقانیم کا مجسم ہونا آپ نے بہت صحیح نہیں فرمایا لیکن تاہم مجسم ہونے
وہ وزنی ہو جاتے ہیں جیسا کہ آپنے یہ کہا ہے کہ برائے مثال ہر ایک تین تین سیر کا اقنوم
ہو تو جملہ اس کا نو سیر ہوتا ہے۔
ہشتم۔ توحید فی التثلیث کی تعلیم میں ہماری مراد یہ نہیں ہے کہ ایک ہی صورت میں
واحد اور ایک ہی صورت میں تثلیث ہے بلکہ ہمارا ماننا یہ ہے کہ ایک صورت میں ایک
اور دوسری صورت میں تین ہیں - اور جب ہمنے عرض کیا کہ ان تینوں میں اس قسم کا
علاقہ ہے کہ جیسے بے نظیری بے حدی سے نکلکر زمان و مکان دوسرا نہیں چاہتے تاہم ان
دو صفات کی تعریف علیحدہ علیحدہ ہے اور یہ دونوں صفات ایک جیسی ہیں ایسا ہی تثلیث
کی صورت ہے کہ ایک قایم فی نفسہ ہے اور دو لازم ملزوم ساتھ اس ایک کے۔۔اس کے

سمجھنے کے واسطے آپ اس بیان پر بھی توجہ فرمادیں کہ اقنوم جوئے وصلیح جوئے شخص واحد سے آن واحد میں محال مطلق ہے حالانکہ اگر گناہگار کی مغفرت ہو تو یہ ہر دو یکبارگی چلتے ہیں اور ایک اقنوم سے یہ ادا نہیں ہوسکتی اس سے لازم آتا ہے کہ کم از کم دو اقنوم ہونے چاہئیں۔ وقت کم ہے بے نظیری کی ہم تعریف کچھہ کرنا چاہتے ہیں بے نظیری مطلق وہ شے ہے جو امکان تک نظیر کا مٹا دیوے اور یہ وہی کرسکتا ہے جو مکان گنجائش نظیر کا مٹا دیوے۔ اب خداتعالے بے نظیر مطلق ہے پس ضرور ہے کہ وہ بے حد بھی ہو اور یہ بینظیری بے حدی سے نکلے بلا تفاوت زمان ومکان کے کثرت فی الوحدت کی مثالیں ہمارے پاس اور بھی معقول ہیں مگر صرف امکان دکھلانے داتی اور کہ وقوعہ اس کا دکھلانا کلام الٰہی کا کام ہے جسکی آیات کا حوالہ ہم پہلے دے چکے ہیں چنانچہ ایک یہ ہے کہ دیکھو انسان نیک وبد کی پہچان میں ہم میں سے ایک کی مانند ہوگیا۔ پیدایش ۳ ہم

(باقی آئندہ)

دستخط بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک۔ پریزیڈنٹ
از جانب
عیسائی صاحبان

دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ
از جانب
اہل اسلام

بیان حضرت مرزا صاحب

پہلے بہت افسوس سے لکھتا ہوں کہ ڈپٹی صاحب نے باوجود میرے بار بار کے یاد دلانے کے کہ ہر ایک بات اور ہر ایک دعوے انجیل سے ہی پیش کرنا چاہئیے اور دلائل معقولی بھی انجیل سے ہی دکھلانی چاہئیے پھر بھی اس شرط کو ہر ایک محل میں چھوڑ دیا ہے اور ان کے بیانات ایسی آزادی سے چلے جاتے ہیں کہ گویا وہ ایک نئی انجیل بنا رہے ہیں اب سوچنا چاہئیے کہ انہوں نے میرے سوالات کا کیا جواب دیا پہلے تو میں نے بطور شرط کے عرض کیا تھا کہ رحم بلا مبادلہ کا لفظ انجیل میں کہاں ہے اور پھر اسکی معقولی طور پر حضرت مسیح سے تشریح اور تفصیل کہاں ہے مگر آپ عمداً اس بات سے انکار کر گئے اس لئے میں ایسا خیال کرتا ہوں کہ آپ بحیثیت ایک پابند انجیل کے بحث نہیں کرتے بلکہ ایک اہل الرائے کی طرح اپنے خیالات پیش کر رہے ہیں آپ میرے اس بیان کو کہ رحم ظہور میں اول اور فائق درجہ پر ہے قبل اس کے کہ اس کو سمجھیں قابل جرح قرار دیتے ہیں اگرچہ اسمیں کلام نہیں کہ خدا تعالیٰ کی تمام صفات کاملہ ازلی و ابدی ہیں مگر اس عالم حادث میں ظہور کے وقت جیسا کہ موقعہ ہوتا ہے ضرورت کے رو سے تاخیر و تقدیم ہو جاتی ہے اس بات کو کون شخص سمجھ نہیں سکتا کہ باعتبار ظہور کے رحم پہلی مرتبہ پر ہے کیونکہ کسی کتاب کے نکلنے کا محتاج نہیں اور اسبات کی حاجت نہیں رکھتا کہ تمام لوگ عقلمند اور فہیم ہی ہو جائیں بلکہ وہ رحم جیسا عقلمندوں پر اپنا فیضان وارد کر رہا ہے ویسا ہی بچوں اور دیوانوں اور حیوانات پر بھی وہی رحم کام کر رہا ہے لیکن عدل کے ظہور کا وقت گو عدل کی صفت قدیم ہے اسوقت ہوتا ہے کہ جب قانون الٰہی نکل کر خلق اللہ پر اپنی حجت پوری کرے اور اپنا سچا قانون ہونا اور منجانب اللہ ہونا ثابت کر دیوے پھر اس کے بعد جو شخص اسکی خلاف ورزی کرے تو وہ پکڑا جائے گا بھی تو میرا سوال تھا کہ آپکا سوال رحم بلا مبادلہ کا تب ٹھیک بیٹھتا ہے کہ ظہور رحم اور ظہور عدل کے دونوں وقت ایک ہی زمانہ میں سمجھی جائیں اور انہیں ہر جگہہ پر ایک تلازم رکھا جائے لیکن ظاہر ہے کہ رحم کا دایرہ تو بہت وسیع

اور چوڑا ہے اور وہ ابتدا سے جب سے دنیا ظہور میں آئی اپنی فیضان دکھلا رہا ہے
پھر عدل کا رحم سے کیا تعلق ہوا اور ایک دوسرے کی مزاحمت کیونکر کر سکتے ہیں آپکے
رحم بلا مبادلہ کا بجز اس کے بین کوئی اور خلاصہ نہیں سمجھتا کہ عدل سزا کو چاہتا ہے اور
رحم عفو اور درگذر کو چاہتا ہے لیکن جبکہ رحم اور عدل اپنے مظہروں میں مساوی
اور ایک درجہ کی نہ ٹھہرے اور یہ ثابت ہو گیا کہ خدا تعالے کے رحم نے کسیکی راستبازی
کی ضرورت نہیں سمجھی اور ہر ایک نیکوکار اور بدکار پر اسکی رحمانیت قدیم سے اثر ڈالتی
چلی آئی ہے تو پھر یہ کیونکر ثابت ہوا کہ خدا تعالے بدکاروں کو ایک ذرہ رحم کا مزہ چکھانا
نہیں چاہتا کیا قانون قدرت جو ہمارے نظر کے سامنے پکار پکار کر شہادت نہیں دے
رہا۔ کہ اس رحم کے لئے گناہ اور غفلت اور تقصیر وار ہی بطور روک کے نہیں ہو سکتی اور اگر
ہو تو ایکدم بھی انسان کی زندگی مشکل ہے پھر جبکہ یہ سلسلہ رحم کا بغیر شرط راستبازی اور
معصومیت اور نیکوکاری انسانوں کی دنیا میں پایا جاتا ہے اور صریح قانون قدرت اسکی
گواہی دے رہا ہے تو پھر کیونکر اس سے انکار کر دیا جاوے اور اس نئی اور خلاف صحیفہ فطرت
کے عقیدہ پر کیونکر ایمان لایا جاتا ہے کہ خدا تعالے کا رحم انسانوں کی راستبازی سے
وابستہ ہے اللہ جلشانہ نے قرآن شریف کے کئی مقامات میں نظیر کے طور پر وہ آیات
پیش کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کیونکر سلسلہ رحم کا نہایت وسیع دائرہ کے ساتھ
تمام مخلوقات کو مستفیض کر رہا ہے چنانچہ اللہ جلشانہ فرماتا ہے اللہ الذی
خلق السموات والارض وانزل من السماء ماءً فاخرج بہ من الثمرات رزقا لکم
وسخر لکم الفلک لتجری فی البحر بامرہ وسخر لکم الانہار وسخر لکم الشمس والقمر دائبین
وسخر لکم اللیل والنہار واتاکم من کل ما سألتموہ وان تعدوا نعمت اللہ لا تحصوھا
س ۱۳ ر ۱۷ پھر فرماتا ہے والانعام خلقہا لکم فیہا دفءٌ ومنافع ومنہا تاکلون
اور پھر فرماتا ہے وھو الذی سخر البحر لتاکلوا منہ لحما طریا اور پھر فرماتا ہے
واللہ انزل من السماء ماءً فاحیا بہ الارض بعد موتہا ان تمام آیات سے خدا تعالے
نے اپنی کلام کریم میں صاف قانون قدرت کا ثبوت دیدیا ہے کہ اسکا رحم بلا شرط ہے

کسی کی راستبازی کی شرط نہیں ہاں جرائم کا سلسلہ قانون الٰہی کے نکلنے سے شروع ہوتا ہے جیساکہ آپ خود مانتے ہیں اور اسیوقت عدل کی صفت کی ظہور کا زمانہ آتا ہے۔ گو عدل ایک ازلی صفت ہے مگر آپ اگر ذرہ زیادہ غور کریں گے تو سمجھ جائیں گے کہ صفات کے ظہور میں حادثات کی رعایت سے ضرور تقدیم تاخیر ہوتی ہے پھر جبکہ گناہ اسوقت سے شروع ہوا کہ جب کتاب الٰہی نے دنیا میں نزول فرمایا اور پھر اُسنے خوارق ونشانوں کے ساتھ اپنی سچائی بھی ثابت کی تو پھر رحم بلا مبادلہ کہاں رہا کیونکہ رحم کا سلسلہ تو پہلے ہی سے بغیر شرط کسیکی راستبازی کے جاری ہے اور جو گناہ خدا تعالےٰ کی کتاب نے پیش کئے وہ مشروط بشرائط ہیں یعنے یہ کہ جس کو وہ احکام پہنچائے گئے ہیں اسپر وہ بطور حجت کے وارد ہوں اور وہ دیوانہ اور مجنوں بھی نہ ہو۔ اور مالکیت پر آپ یہ جرح فرماتے ہیں کہ اگر مالکیت کو تسلیم کیا جائے تو سارا کارخانہ درہم برہم ہو جاتا ہے تو آپکو سوچنا چاہیئے کہ یہ کارخانہ اپنی حد کی ذیل میں چل رہا ہے پھر درہم برہم ہونے کے کیا معنے ہیں مثلاً جو شخص خدا تعالےٰ کے قانون کی خلاف ورزی کرے اس کے قانونی وعدہ کے موافق سزاوار کسی سزا کا ٹھہرتا ہے تو خدا تعالےٰ کو مالک ہے کہ اسکو بخشدیوے لیکن بلحاظ اپنے وعدہ کے جبتک وہ شخص ان طریقوں سے اپنے تئیں قابل معافی نہ ٹھیراوے جو کتاب الٰہی مقرر کرتی ہے تب تک وہ مواخذہ سے بچ نہیں سکتا۔ کیونکہ وعدہ ہو چکا ہے لیکن اگر کتاب الٰہی مثلاً نازل نہ ہو یا کسی تک نہ پہنچے۔ یا مثلاً وہ بچہ اور دیوانہ ہو تو تب اس کے ساتھ جو معاملہ کیا جائے گا وہ مالکیت کا معاملہ ہوگا۔ اگر یہ نہیں تو پھر سخت اعتراض وارد ہوتا ہے کہ کیوں چھوٹے چھوٹے بچے مدتوں تک ہولناک دکھوں میں مبتلا رہکر پھر ہلاک ہوتے ہیں اور کیوں کروڑہا حیوانات مارے جاتے ہیں ہمارے پاس بجز اس کے کوئی اور جواب بھی ہے کہ وہ مالک ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ پھر آپ اپنے پہلے قول پر ضد کرکے فرماتے ہیں کہ دنیا میں جو کسی کی شفاعت سے گناہ بخشے جاتے ہیں وہ ایک انتظامی امر ہے افسوس کہ آپ اسوقت مقنن کیوں بن گئے اور توریت کی آیتوں کو کیوں منسوخ کرنے لگے اگر صرف انتظامی امر ہے اور حقیقت میں گناہ بخشے نہیں جاتے تو توریت سے اسکا

ثبوت دینا چاہیئے توریت صاف کہتی ہے کہ حضرت موسیٰ کی شفاعت سے کئی مرتبہ گناہ بخشے گئے۔ اور بائبل کے تقریباً کل صحیفے خداتعالیٰ کے رحیم اور تواب ہونے پر ہمارے ساتھ اتفاق رکھتے ہیں دیکھو یسعیاہ ۵۵/۷ یرمیاہ ۳/۱۲ تواریخ دوم ۷/۱۴ زبور چہارم ۳۲/۵ امثال ۲۸/۱۳ اسی طرح لوقا ۱۷/۴ و لوقا ۱۵/۲۴ لوقا ۱۰/۲۵ و ۲۸ مرقس ۱۶/۱۶ اور پیدائش ۶/۵ و ۷ کتاب ایوب ۱/۱ حزقیل ۱۴/۱۱ دانیال ۶/۴ زبور ۱۳۰/۳ و ۴ و ۷ زبور ۷۸/۳۸ میکاہ ۷/۱۸۔

غرض کہاں تک لکھو ہیں ان کتابوں کو کھولکر پڑہیں اور دیکھیں کہ سب سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ رقم یا مبادلہ کی کچھ ضرورت نہیں اور ہمیشہ سے خداتعالیٰ مختلف ذرایع سے رحم کرتا چلا آیا ہے پھر آپ فرماتے ہیں کہ توبہ اور ایمان باہر کے پھاٹک ہیں یعنے باوجود توبہ اور ایمان کے پھر بھی کفارہ کی ضرورت ہے یہہ آپکا صرف دعوے ہے جو ان تمام کتابوں سے مخالف ہے جن کے ہمنے حوالہ دیدیئے۔ ہاں اسقدر سچ ہے کہ حضرت اللہ جلشانہ نے باوجود انسان کے خطاکار اور تقصیروار ہونے کے اپنے رحم کو کم نہیں کیا ایسا ہی وہ توبہ کے قبول کرنے کے وقت بھی وہی رحم مدنظر رکھتا ہے اور فضل کی راہ سے انسان کی بضاعت مزجات کو کافی سمجھ کر قبول فرمالیتا ہے اسکی اس عادت کو اگر دوسرے لفظوں میں فضل کے ساتھ تعبیر کردیں اور یہہ کہدیں کہ نجات فضل سے ہی تو عین مناسب ہے کیونکہ جیسے ایک غریب اور عاجز انسان ایک پھول تحفہ کے طور پر بادشاہ کیخدمت میں لیجاوے اور وہ بادشاہ اپنی عنایات بیغایات سے اور اپنی حیثیت پر نظر کرکے اسکو وہ انعام دے جو پھول کی مقدار سے ہزارہا بلکہ کروڑہا درجہ بڑھکر ہے تو یہ کچھہ بعید بات نہیں ہے ایسا ہی خداتعالیٰ کا معاملہ ہے وہ اپنے فضل کے ساتھ اپنی خدائی کے شان کی موافق ایک گدا ذلیل حقیر کو قبول کرلیتا ہے جیساکہ دیکھا جاتا ہے کہ دعاؤں کا قبول ہونا بھی فضل ہی پر موقوف ہے جس سے بائبل بھری ہوئی ہے پھر آپ فرماتے ہیں کہ اگرچہ مسیح میں اور کچھہ بھی زیادتی نہیں صرف ایک انسان ہیں جیسے اور انسان ہیں اور خداتعالیٰ وہی علاقہ عام طور کا اس سے رکھتا ہے جو اوروں سے رکھتا ہے

لیکن کفارہ سے اور مسیح کے آسمان پر جانے سے اور اس کے بے باپ پیدا ہونے سے اسکی
خصوصیت ثابت ہوتی ہے اس قول سے مجھے بڑا تعجب پیدا ہوا کیا دعووں کا پیش کرنا
آپ کی کچھ عادت ہے ہم لوگ کب اسبات کو مانتے ہیں کہ مسیح جی اُٹھا ہاں حضرت مسیح
کا وفات پا جانا قرآن شریف کے کئی مقام میں ثابت ہے لیکن اگر جی اُٹھنے سے روحانی
زندگی مراد ہے تو اسطرح سے سارے نبی جیتے ہیں مردہ کون ہے کیا انجیل میں نہیں لکھا کہ
حواریوں نے حضرت موسیٰ اور الیاس کو دیکھا اور الیسا کہا کہ اے اُستاد اگر فرماویں تو آپ کی
لئے جدا خیمہ اور موسیٰ کے لئے جدا اور الیاس کے لیئے جدا کھڑا کیا جائے پھر اگر حضرت موسیٰ
مردہ تھے تو نظر کیوں آ گئے کیا مردہ بھی حاضر ہو جایا کرتے ہیں پھر اسی انجیل میں لکھا ہوا ہے
کہ لعازر مرنے کے بعد حضرت ابراہیم کی گود میں بٹھایا گیا اگر حضرت ابراہیم مردہ تھے تو کیا مردہ کی
گود میں بٹھایا گیا۔ واضح رہے کہ ہم حضرت مسیح کی اس زندگی کی خصوصیت کو ہرگز نہیں مانتے
بلکہ ہمارا یہہ مذہب موافق کتاب و سنت کی ہے جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ حیات اقوی
اور اعلےٰ رکھتے ہیں اور کسی نبی کے ایسے اعلےٰ درجہ کی حیات نہیں ہے جیسے آنحضرت صلعم کی
چنانچہ بہتے لوگوں نے کئی دفعہ آنحضرت کو اسی بیداری میں دیکھا ہے باتیں کی ہیں مسایل پوچھے ہیں
اگر حضرت مسیح زندہ ہیں تو کیا کبھی کسینے آپ لوگوں میں سے بیداری میں انکو دیکھا ہے پھر آپکا
یہ فرمانا کہ حضرت مسیح روح القدس کے نازل ہونے سے پہلے مظہر اللہ نہیں تھے یہ اقبالی ڈگری
ہے آپنے مان لیا ہے کہ تیس برس تک تو حضرت مسیح خالص انسان تھے مظہر وغیرہ نام و نشان نہ
تھا پھر تیس برس کے بعد جب روح القدس کبوتر کی شکل ہوکر انہیں اترا تو پھر مظہر اللہ بنے میں اسجگہ
اسوقت شکر کرتا ہوں۔ آج کے دن ایک فتح عظیم ہمکو میسّر آئی کہ آپنے خود اقرار کر لیا کہ تیس برس
تک حضرت مسیح مظہر اللہ ہونے سے بالکل بے بہرہ رہے نرے انسان تھے اب بعد اس کے یہہ
دعوے کرنا کہ پھر کبوتر اترنے کے بعد مظہر اللہ بن گئے یہ دعوے ناظرین کی توجہ کے لایق ہے کیونکہ
اگر روح القدس کا اترنا انسان کو خدا اور مظہر اللہ بنا دیتا ہے تو حضرت یحیےٰ اور حضرت زکریا۔
حضرت یوسف حضرت یوشع بن نون اور کل حواری خدا ٹھیر جائیں گے۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ

کیا مجسم ہونے سے وزنی ہو سکتا ہے یہ عجیب سوال ہے کیا آپ کوئی ایسا جسم پیش
کر سکتے ہیں کہ اس کو جسم تو کہا جائے مگر جسمانی لوازمات سے بالکل مبرا ہو مگر شکر ہے تو آپنے
مان لیا کہ آپ کے باپ اور بیٹا اور روح القدس تینوں مجسم ہیں پھر آپ فرماتے ہیں کثرت
فی الوحدت اور وحدت میں کوئی تضاد نہیں ایک جگہہ پائی جاتی ہیں یعنے بلحاظ جہات
مختلفہ کے یہہ آپکا خوب جواب ہے سوال تو یہ تھا کہ ان دونوں میں سے آپ حقیقی کس کو
مانتے ہیں آپنے اس کا کچھہ بھی جواب نہ دیا پھر آپ دعوے کے طور پر فرماتے ہیں کہ آسمان
کے نیچے دوسرا نام نہیں جس سے نجات ہو اور نیز یہہ بھی کہتے ہیں کہ مسیح گناہ سے پاک تھا
اور دوسرے نبی گناہ سے پاک نہیں مگر تعجب کہ حضرت مسیح نے کسی مقام میں نہیں فرمایا
کہ میں خدا تعالے کے حضور میں ہر ایک قصور اور ہر ایک خطا سے پاک ہوں اور یہ کہنا حضرت مسیح
کا کہ کون تم میں سے مجھپر الزام لگا سکتا ہے یہ الگ بات ہے جسکا یہ مطلب ہے کہ تمہارے
مقابل میں اور تمہارے الزام سے میں مجرم اور مفتری نہیں ٹھیر سکتا لیکن خدا تعالے کے حضور
میں حضرت مسیح صاف اپنی تقصیروار ہونے کا اقرار کرتے ہیں جیسا کہ متی باب ۱۹ سے ظاہر کہ انہوں نے اپنی نیک ہونے سے انکار
کیا پھر آپ فرماتے ہیں کہ قرآن اور انجیل دونوں کلام خدا ہو کر پھر دو مختلف طریق نجات کے کیوں بیان کرتے ہیں اسکا جواب
یہ ہے کہ جو قرآن کو مخالف انجیل کے جو ایسے طریقے بیان کیا جاتا ہے وہ صرف آپکا بے بنیاد خیال ہے اب تک آپنے ثابت کر کے
نہیں دکھلایا کہ حضرت مسیح کا قول ہو انجیل میں تو نہ بالتصریح بالفاظ کہیں تثلیث کا لفظ موجود ہے اور نہ رحم بلامبادلہ کا اقرار
کہ ہم کی تصدیق کیلئے وہ حوالجات کافی ہیں جو ابھی ہمنے پیش کئے ہیں جبکہ قرآن اور عہد عتیق اور جدید کے بہت سے اقوال بالاتفاق
آپکے کفارہ کے مخالف ٹھیرتے ہیں تو کم سے کم آپکو یہ کہنا چاہیئے کہ اس عقیدہ میں آپسے غلط فہمی ہو گئی ہے۔ کیونکہ ایک عبارت کے
معنے کرنے میں کبھی انسان سے ہو کہنہ بھی کہا جاتا ہے جیسا آپ فرماتے ہیں کہ آپکے بھائیوں رومن کیتھلک اور یونانی [illegible] نے انجیل کے
سمجھنے میں دہوکہ کہا یا ہے اور وہ دونوں فریق آپکو دہوکہ پر سمجھتے ہیں پھر جب گھر میں ہی پھوٹ تو پھر آپکا اتفاقی مسئلہ
کو چھوڑ دینا اور اختلافی مسئلہ کو پکڑ لینا کیا ضرور ہے۔ باقی آئندہ

دستخط بحروف انگریزی غلام قادر فصیح
پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام

دستخط بحروف انگریزی ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ
از جانب عیسائی صاحبان

رویداد جلسہ مباحثہ

یکم جون ۱۸۹۳ء

آج پہر جلسہ منعقد ہوا اور ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب نے ۶ بجے ۸ منٹ پر سوال لکھانا شروع کیا اور ۷ بجے ۵ منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سنایا گیا۔ بعدہ مرزا صاحب نے ۸ بجے ایک منٹ پر جواب لکھانا شروع کیا اور ۹ بجے ایک منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سنایا گیا بعد اس کے ڈپٹی صاحب نے ۹ بجے ۴ منٹ پر شروع کیا اور ۱۰ بجے ۵ منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سنایا گیا بعد ازاں تحریروں پر میر مجلس صاحبان کے دستخط ہو کر جلسہ برخاست ہوا۔

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ	غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ
از جانب	از جانب
عیسائی صاحبان	اہل اسلام

مطبوعہ ریاض ہند پریس امرتسر

از جانب ڈپٹی عبد اللہ آتھم صاحب

یکم جون سنہ ۱۸۹۳ء

میں نے کل کے بیانات فریق ثانی میں دو صدائیں عجیب غریب سنی ہیں یعنے ایک یہ کہ گویا میں نے کسی امر کا جواب نہیں دیا دوسرا یہ کہ گویا میں نے اقبال کیا ہے کہ اقنوم ثانی الوہیت میں مسیح کی انسانیت تئیس برس تک خالی ہی ہے اگر یہ غلطفہمی ہے تو ان دو امروں کی صلاح اس دفعہ میں کرتا ہوں پہلی غلطی کا میرا یہ جواب ہے کہ بعد طبع ہونے مباحثہ کل کے عام کے سامنے وہ رکھا جاویگا کہ منصف مزاج آپ ہی فیصلہ کرلیں کہ میں نے جواب نہیں دیا یا کہ فریق ثانی نے جواب نہیں دیا دوسرے کے بارہ میں میرا جواب یہ تھا کہ مسیحیت میں خصوصیت مظہریت کی نمودار اسوقت ہوئی کہ جب وہ بپتسمہ پاکر پرون میں سے نکلا اور جسوقت یہ صدا آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے میں اس سے راضی ہوں تم اسکی سنو۔ اسوقت سے وہ مسیح ہوا۔ پس اُن دونوں صداؤں کو میں مشابہ پھوٹے ڈھول یا پھٹے نقارہ کے قرار دیتا ہوں۔

دوم۔ فریق ثانی نے یقیناً میرے اس سوال کا جواب نہیں دیا کہ تقاضائے عدل الٰہی کیونکر پورا ہوا اور نہ اس کے عدل کا کچھ لحاظ فرمایا۔ اسی لئے میں اس سوال پر اور کچھ نہ کہتا ہوں نہ سنتا ہوں باقی سوال جو میرے ہیں انکو پیش کرتا ہوں۔ منجملہ اُن سوالوں کے پہلا سوال میرا یہہ ہے کہ یقولون هل لنا من الامر من شیء قل ان الامر کلہ للہ کہتے ہیں کچھ بھی کام ہے ہمارے ہاتھ تو کہہ کہ سب کام ہیں اللہ کے ہاتھ۔ انجیل میں ایسا تو لکھا ہے کہ ہر ایک دلچ جس کا ترجمہ قریب قریب لفظ وسعت سے ہو سکتا ہے منجانب اللہ کے بخشے جاتے ہیں چنانچہ کسی کو ظرف یا عضو عزت کا بنایا گیا ہے۔ اور کسیکو ذلت کا۔ پھر کسیکو مخدوم ہونا بخشا گیا ہے۔ اور کسیکو خادم ہونا۔ لیکن جہنم کسیکو نصیب نہیں کیا گیا۔ اور نہ تباہ شدنی کسیکو ٹھہرایا گیا ہے اور پھر یہ بھی لکھا ہے کہ فرعون کو اسی لئے برپا ہونے دیا گیا۔ راصل لفظ ہی برپا کیا گیا۔ (مراد اسکی ہے برپا ہونے دیا گیا) تاکہ اسمیں جلال صفات الٰہی کا زیادہ ہو لیکن یہ نہیں لکھا کہ انسان کو کچھ بھی اختیار نہیں

تاہم اس کے عملوں پر مواخذہ ہے۔ نوسنکہ قرآن و انجیل کی تعلیم میں بھی فرق ہے کہ قرآن تو اختیار انسانی کے مخالف نص تعلیم دیتا ہے اور انجیل ہر دو پہلوؤں میں اور ہر دو شقوں میں اختیار فعل مختیاری انسان کا نقیض نہیں کرتی اور اگرچہ قرآن میں ساتھ جبر کے قدر بھی ہے لیکن یہ دونوں باہم متفق نہیں ہو سکتے

تیسرا سوال ہمارا یہ ہے کہ جبکہ قرآن کی سورۃ توبہ قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ ولا بالیوم الآخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون رکوع ۴ میں یوں لکھا ہے کہ قتل کرو انکو جو اللہ اور دن قیامت کو نہیں مانتے اور نہ حرام کرتے اس شے کو اپنے اوپر جسکو اللہ و رسول نے حرام کیا منجملہ ان کے جو اہل کتاب ہیں جب تک دیتے رہیں جزیہ اپنے ہاتھوں سے اور ذلیل رہیں۔ اسمیں ایمان بالجبر کا ہمارا الزام ہے۔ موسیٰ کے جہاد اور قسم کے تھے انمیں سے امان منحصر بر ایمان کوئی نہ دکھلا سکیگا اور یہاں آیت مذکورہ میں نہ دفعیہ کا جہاد ہے نہ انتقام کا جہاد نہ انتظام کا جہاد بلکہ وہ جہاد ہے جو اصول قرآنی کو نہ مانے وہ مارا جائے۔ اسیکا نام ہے ایمان بالجبر ہمارے مکرم سر سید احمد خان بہادر نے۔ جہاد بالجبر کو نہیں مانا انکا فرمانا یہ ہے کہ یا تو یا مرو یا جزیہ گذار ہو کر جیتے رہو۔ لیکن بابت تیسری شرط یعنی جزیہ کے ہمارا سوال ان سے یہ ہے کہ متعلق اہل کتاب کے اس لفظ کو کیوں لکھا من الذین میں لفظ منْ کا فاصل ہے اور اہل کتاب کا لفظ سارے اس کے متن سے مستثنیٰ ہے پھر یہ کیا خوش فہمی نہیں کہ اس تیسری شرط کو بھی عامہ قرار دیا جائے اور وہ صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ جملہ لا اکراہ فی الدین سے سارا اعتراض ایمان بالجبر کا باطل ہو جاتا ہے لیکن اگر ہم دکھلا سکیں کہ قرآن میں یہ حکم بھی ہے کہ اے مسلمانو جب تمہارے سامنے کوئی سفید پوش آوے اور تمکو سلام علیک کرے تو تم اس کے کپڑے اتار لینے کیواسطے یوں مت کہو کہ تو مکار ہے درحقیقت مسلمان نہیں خدا تمکو دولت اور طرح بہت دیدے گا۔ تو کیا یہ اکراہ نہیں کہ بہتان مکاری اسکی کپڑے اتار لیویں اور کیا یہ پالیسی کے برخلاف نہیں۔ جو ترقی دین کو

روک دینا ہے یعنی نہ القیاس اور بھی چند شق اس امر کے ہیں جو سمت مخالف سے پیش ہوسکتی ہیں جن کے پیش ہونے پر ہم اسکا جواب دیں گے۔

سوم بنمونہ تعلیمات قرآن کا تو یہ ہے جو اوپر عرض ہوا اسپر معجزات کا خفیف سا پردہ بھی کچھ نہیں جو کچھ دھوکہ ہا دیسکے چنانچہ محمد صاحب جاجت معجزہ ہونیکا انکار مطلق ہے۔

بعض محمدی صاحبان فاتو بسورۃ من مثلہ میں ایک بڑا معجزہ فصاحت و بلاغت کا بیان کرتے ہیں مگر کس امر میں مثال طلب کیجاتی ہے اس آیت میں اس کا ذکر کچھ نہیں فصاحت و بلاغت کی دعوی کا قرآن میں کہیں لفظ تک نہیں۔ غالباً مراد قرآنی اس دعوے میں یہ ہے کہ ازانجا قرآن خلاصہ کتب انبیا سلف کا ہے جنکو خدا کے سوا کوئی مخلوق نہیں بنا سکتا تھا۔ لہذا وہ بھی یعنی قرآن بمثل ہے یعنے اسمیں تقدس تعلیمات کا دعوے ہے فصاحت بلاغت کا نہیں بلکہ برخلاف فصاحت و بلاغت کے قرآن میں یوں بھی لکھا ہے کہ وہ آسان کیا گیا عربی زبان میں واسطے اہل عرب کے۔ اور جو فصاحت بلاغت جدید مطلق ہووے تو وہ محتاج تلقین کی ہوجاتی ہے اور آسانی کے برخلاف۔ آسان نہیں رہتے۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ بروے قرآن محمد صاحب اُمی محض نہ تھے بلکہ قرآن میں یوں لکھا ہے کہ جو اہل کتاب نہیں وہ اُمی ہے۔ اور فی الواقع علم عبرانی اور یونانی کا آنجناب کو حاصل نہیں معلوم ہوتا۔ نیز یہ بھی یاد رہے کہ لفظ کتاب کا باصطلاح قرآنی علی العموم بمعنے کتاب الہامی کے ہے۔ کتاب دنیاوی نہیں

چوتھا جناب نے میرے کل کے ایک سوال کا جواب پورا نہیں دیا جسمیں میرا استفسار تھا کہ مسیح کی پیدائش معجزہ ہی تھی یا نہیں یعنے باپ اسکا نہیں تھا یا تھا۔ فرشتہ خاصکر جبرئیل مریم انکی والدہ کے پاس خوشخبری لائے تھے یا نہیں۔ اور وہ جو جناب اپنی روایت کا ذکر فرماتے ہیں کہ محمد صاحب سے وہ ہمکلام ہوگئے آئے ہیں ہمارے نزدیک اس کا ثبوت جناب کے پیشوا کے معراج سے کچھ زیادہ نہیں معلوم ہوتا۔

نیز یہ بھی ہمارا استفسار ہے کہ جناب یونی ٹیرین اور رومن کیتھلک کو ہمارے اوپر حاکم کیوں بناتے ہیں وہ مسیحی لوکہلاتے ہیں مگر ہم انکو بمعنے مسیحی کہتے ہیں ہمارے ایج ٹبپ

ڈپٹی صاحب نے جب حلقہ اس طرح کا کھینچا کہ دین مسیح کہاں تک موثر ہے تو انہوں نے تو اہل اسلام کو بھی بیچوں بیچ گنا ہے اور دلایل اس کے قرآن سے دیئے ہیں لیکن ہم ان کو مسیحی نہیں مان سکتے۔ {باقی آیندہ}

دستخط بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک
پریزیڈنٹ
از جانب عیسائی صاحبان

دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح
پریزیڈنٹ
از جانب اہل اسلام

بیان حضرت مرزا صاحب

یکم جون ۱۸۹۳ء

ڈپٹی صاحب اول یہ فرماتے ہیں کہ میرے اس بات کا اقبال نہیں کیا کہ اقنوم ثانی یعنے حضرت مسیح تیس برس تک مظہر اللہ ہونے سے خالی رہے اس کے جواب میں صرف ڈپٹی صاحب موصوف کی عبارت مرقومہ ۳۱ رمئی ۱۸۹۳ء کو سامنے رکھدینا کافی ہے اور وہ یہ ہے

نمبر۔ جناب جو پوچھتے ہیں کہ مظہر اللہ مسیح بعد نزول روح القدس کے ہوئے یا ابد اسکی ہمارا اسکے یہ جواب قیاسی ہے کہ روح القدس کے نازل ہونے کے وقت ہوئے اب سوچنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ کیا اس عبارت کے بجز اس کے کوئی اور بھی معنے ہو سکتے ہیں کہ حضرت مسیح روح القدس کے نازل ہونے سے پہلے جو کبوتر کی شکل میں اپر نازل ہوا مظہر اللہ نہیں تھے پیچھے سے مظہر اللہ بنے پھر جب مظہر اللہ کی مطلق نفی بغیر کسی استثنا کے ڈپٹی صاحب موصوف نے کردی تو کیا بجز اس کے کوئی اور بہی معنے ہو سکتے ہیں کہ حضرت مسیح کبوتر نازل ہونے سے پہلے صرف انسان تھے کیونکہ مظہر اللہ کا لفظ کسی تقسیم اور تجزیہ کے قابل نہیں اور انکی عبارت مذکورہ

نکلتا نہیں کہ مخفی طور پر پہلے مظہر اللہ تھے اور پھر علانیہ طور پر ہو گئی وہ تو صاف فرما رہے ہیں کہ بعد
روح القدس کے مظہر اللہ ہوئے اب یہ دوسرا بیان پہلے بیان کی تفسیر نہیں ہے بلکہ صریح اسکے
مخالف اور اسکا ضد پڑا ہوا ہے اور اقرار کے بعد انکار کرنا انصاف پسندوں کا کام نہیں بلاشبہ
وہ اقرار کر چکے ہیں کہ حضرت مسیح تیس برس تک مظہر اللہ ہونے سے بالکل بے بہرہ اور بے نصیب
تھے کیونکہ ہمارا سوال تھا کہ روح القدس کے نازل ہونے سے پہلے مظہر اللہ تھے یا بعد اس کے
ہوئے تو آپ نے قطعی طور پر بعد کو اختیار کیا اور صاف طور پر اقرار کر لیا کہ بعد میں مظہر اللہ بنے اب ہمیں
زیادہ بحث کی ضرورت نہیں جب عام میں یہ سوال پھیلے گا اور پبلک کے سامنے آئے گا تو خود
لوگ سمجھ لیں گے کہ ڈپٹی صاحب نے یہ اقرار کے بعد انکار کیا ہے یا کوئی اور صورت ہے اور اب وہ
پھر بھی اقرار کرتے ہیں کہ اس بارہ میں جو کچھ ہمنے کہنا تھا وہ کہدیا۔ بعد اس کے کچھ نہیں کہیں گے
مگر افسوس کہ انہوں نے یہ طرز حق پرستوں کے اختیار نہیں کی۔

معلوم ہوتا ہے کہ انکو دوسرے دنکی تحریک اور نکتہ چینی سے بعد میں فکر پڑی کہ ہمارے اس قول سے
مسیح کا انسان ہونا اور مظہر اللہ سے تیس برس تک خالی ہونا ثابت ہو گیا تو پھر اس مصیبت پیش
آمدہ کیوجہ سے آج انہوں نے یہ تاویل رکیک پیش کی مگر درحقیقت یہ تاویل نہیں بلکہ صاف
صاف اور کھلے کھلے لفظوں میں انکار ہے پھر بعد اس کے ڈپٹی صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ میری
سوال کا جواب نہیں آیا یعنے تقاضائے عدل کیونکر پورا ہو میں کل کے بیان میں صاف لکھا
دیا تھا کہ آپکا یہ دعوے کہ رحم اور عدل دونوں دوش بدوش اور خدا تعالے کے لئے ایک ہی وقت
میں لازم پڑے ہوئے ہیں یہ غلط خیال ہے پھر مکرر کچھ لکھتا ہوں کہ رحم قانون قدرت کی
شہادت سے اول مرتبہ پر ہے اور دائمی اور عام معلوم ہوتا ہے لیکن عدل کی حقیقت قانون الٰہی
کے نازل ہونے کے بعد اور وعدہ کے بعد متحقق ہوتی ہے یعنے وعدہ کے پہلے عدل کچھ بھی چیز
نہیں اسوقت تک مالکیت کام کرتی ہے اگر وعدہ سے پہلے عدل کچھ چیز ہے تو ڈپٹی صاحب ہمارے
کل کے سوال کا ذرہ متنبہ ہو کر جواب دیدیں کہ ہزارہا انسانوں کے بچے اور پرند اور چرند اور کیڑے
مکوڑے بیوجہ ہلاک کئے جاتے ہیں وہ باوجود عدل کے دائمی صفت کے کیوں کٹے جاتے ہیں

اور بموجب آپکے قاعدہ کے کیوں عدل ان کے متعلق نہیں کیا جاتا ہے اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالے
پر کسی چیز کا حق نہیں ہے انسان اپنے حق سے بہشت کو بھی نہیں پا سکتا صرف وعدہ سے یہ مرتبہ
شروع ہوتا ہے جب کتاب الٰہی نازل ہو چکتی ہے اور اسمیں وعدہ بھی ہوتے ہیں اور وعید
بھی ہوتے ہیں تو اللہ تعالے اپنے وعدہ و وعید کی رعایت سے ہر ایک نیک و بد سے معاملہ کرتا ہے
اور چونکہ عدل فی زمانہ کچھ بھی چیز نہیں بلکہ وعدہ وعید پر تمام مدار ہے اور خدا تعالے کے مقابل
پر کسی چیز کا کوئی بھی حق نہیں تو پھر عدل کیونکر کہا جاوے عدل کا مفہوم ضرور اسبات کو چاہتا
ہے کہ اول جانبین ہیں حقوق قرار دیے جاویں لیکن مخلوق کا خدا تعالے پر جسنے عدم محض سے
اس کو پیدا کیا کوئی حق نہیں ورنہ ایک کتا مثلاً کہہ سکتا ہے کہ مجکو بیل کیوں نہیں بنایا اور
بیل کہہ سکتا ہے کہ مجکو انسان کیوں نہیں بنایا اور چونکہ یہ جانور اسی دنیا میں جہنم کا نمونہ بھگت
رہے ہیں اگر عدل خدا تعالے پر لازمی صفت ٹھہرائی جاوے تو ایسا سخت اعتراض ہوگا کہ
جسکا جواب آپ سے کسی طور پر نہ بن پڑے گا پھر آپنے جبر قدر کا اعتراض پیش کیا ہے اور فرماتے
ہیں کہ قرآن سے جبر ثابت ہوتا ہے اس کے جواب میں واضح ہو کہ شاید آپکی نظر سے یہ آیات
نہیں گزریں جو انسان کے کسب و اختیار پر صریح دلالت کرتی ہیں اور یہ ہیں۔
وان لیس للانسان الا ما سعیٰ ع ۲۷ ر ۳ - کہ انسان کو وہی ملتا ہے جو سعی کرتا ہے جو اسکی
کوشش کی ہو یعنی عمل کرنا اجر پانے کے لیئے ضروری ہے پھر فرماتا ہے ولو یؤاخذ اللہ الناس
بما کسبوا ما ترک علی ظہرھا من دابۃ ع ۲۲ ر ۱۶ - یعنی خدا اگر لوگوں کے اعمال پر جو اپنے اختیار سے
کرتے ہیں انکو پکڑتا تو کوئی زمین پر چلنے والا نہ چھوڑتا اور پھر فرماتا ہے لھا ما کسبت وعلیھا
ما اکتسبت س ۳ ر ۸ اس کے لیئے جو اسنے اچھے کام کیئے اور اسپر جو اسنے برے کام کیئے
پھر فرماتا ہے من عمل صالحاً فلنفسہ س ۲۴ ر ۶ جو شخص اچھا کام کرے سو اس کیلیئے
اور جو برا کرے وہ اسکی لیئے - پھر فرماتا ہے وکیف اذا اصابتھم مصیبۃ بما قدمت
ایدیھم س ۹ ر ۵ یعنے کس طرح جبوقت پہنچے انکو مصیبت بوجہ ان اعمال کے جو انکے
ہاتھ کر چکے ہیں اب دیکھئے ان تمام آیات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ انسان اپنے کاموں میں

اختیار بھی رکھتا ہے اور اس جگہہ ڈپٹی صاحب نے جو یہ آیت پیش کی ہے یقولون
ھل لنا من الامر من شئی اور اس سے انکا مدعا یہ ہے کہ اس سے جبر ثابت ہوتا ہے یہ
انکی غلط فہمی ہے دراصل بات یہ ہے کہ امر کے معنے حکم اور حکومت کے ہیں اور یہ بعض ان
لوگوں کا خیال تہا جنہوں نے کہا کہ کاش اگر حکومت میں ہمارا دخل ہوتا تو ہم ایسی تدابیر
کرتے جس سے یہ تکلیف جنگ احد میں ہوئی ہے پیش نہ آتی اس کے جواب میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے
قل ان الامر کلہ للہ یعنے تمام امر خدا تعالے کے اختیار میں ہیں تمہیں اپنے رسول کریم کا
تابع رہنا چاہئیے اب دیکھنا چاہیئے کہ اس آیت کو قدر سے کیا تعلق ہے سوال تو صرف بعض آدمیوں
کا اتنا تہا کہ اگر ہماری اصلاح اور مشورہ لیا جاوے تو ہم اس کے مخالف صلاح دیں تو اللہ تعالےٰ
نے انکو منع فرمایا کہ اس امر کی اجتہاد پر بنا نہیں یہ تو اللہ تعالےٰ کا حکم ہے پہر بعد اس کے واضح
رہے کہ تقدیر کے معنے صرف اندازہ کرنا ہے جیسے کہ اللہ جلشانہ فرماتا ہے وخلق کل شئی فقدرہ
تقدیرا س ۱۸ ر ا یعنی ہر ایک چیز کو پیدا کیا تو پہر اس کے لئے ایک مقرر اندازہ ٹہیرا دیا۔ اس
سے کہاں ثابت ہوتا ہے کہ انسان اپنے اختیارات سے روکا گیا ہے بلکہ وہ اختیارات بھی
اسی اندازہ میں آگئے جب خدا تعالے نے انسانی فطرت اور انسانی خوے کا اندازہ کیا تو اسکا
نام تقدیر رکہا اور اسی میں یہ مقرر کیا کہ فلاں حد تک انسان اپنے اختیارات برت سکتا ہے
یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے کہ تقدیر کی لفظ کو ایسے طور پر سمجہا جائے کہ گویا انسان اپنی خدا داد
قوے سے محروم رہنے کے لئے مجبور کیا جاتا ہے اسجگہہ تو ایک گہڑی کی مثال ٹہیک آتی ہے کہ
گہڑی کا بنانیوالا جس حد تک اسکا دور مقرر کرتا ہے اس حد سے وہ زیادہ چل نہیں سکتی
یہی انسان کی مثال ہے کہ جو قوے اسکو دیگئی ہیں انسے زیادہ وہ کچہہ کر نہیں سکتا اور جو عمر
دیگئی ہے اس سے زیادہ جی نہیں سکتا۔ اور یہ سوال کہ خدا تعالے نے قرآن شریف میں جبر
کے طور پر بعضوں کو جہنمی ٹہیرا دیا ہے اور خواہ نخواہ شیطان کا تسلط انپر لازمی طور پر رکہا گیا
ہے یہ ایک شرمناک غلطی ہے اللہ جلشانہ قرآن شریف میں فرماتا ہے ان عبادی لیس لک
علیھم سلطان کہ اے شیطان میرے بندوں پر تیرا کچہہ بھی تسلط نہیں دیکھو کسطرح پر اللہ

انسان کی آزادی ظاہر کرتا ہے منصف کے لئے اگر کچھ دل میں انصاف رکھتا ہو تو یہی آیت کافی ہے لیکن انجیل متی سے تو اس کے برخلاف ثابت ہوتا ہے کیونکہ انجیل متی سے یہ بات بہ پایہ ثبوت پہنچتی ہے کہ شیطان حضرت مسیح کو آزمایش کے لیگیا تو یہ ایک قسم کی حکومت شیطانی ٹہیری کہ ایک مقدس نبی پر اُسنے اسقدر جبر کیا کہ وہ کئی جگہہ اُس کو لئے پہرا یہانتک کہ بے ادبی کی راہ سے اسے یہ بھی کہا کہ تو مجھے سجدہ کر اور ایک بڑی اونچی پہاڑ پہ لیگیا اور دنیا کی ساری بادشاہتیں اور اُنکی شان و شوکت اسکو دکھلائیں دیکھو متی ۴ باب ۸ پہر غور کرکے دیکھو کہ اسجگہہ پر شیطان کیا ملکہ خدائی جلوہ دکھلایا گیا کہ اول تو وہی اپنی مرضی سے مسیح کی خلاف مرضی ایک پہاڑ پر لیگیا اور دنیا کی بادشاہتیں دکھادینا خدا تعالیٰ کی طرح اسکی قوت میں ٹھیرا - اور بعد اس کے واضح ہو کہ یہ بات جو آپکے خیال میں جمگئی ہے کہ گویا قرآن کریم نے خواہ نخواہ بعض لوگوں کو جہنم کے لئے پیدا کیا ہے یا خواہ نخواہ دلوں پر مُہریں لگا دیتا ہے یہ اسبات پر دلیل ہے کہ آپ لوگ کبھی انصاف کی پاک نظر کے ساتھ قرآن کریم کو نہیں دیکھتے - دیکھو اللہ جلشانہ کیا فرماتا ہے لاملئن جھنم منک و ممن تبعک منھم اجمعین س ۲۳ ر ۲ یعنی شیطان کو مخاطب کرکے کہتا ہے کہ میں جہنم کو تجھ سے اور اُن لوگوں سے جو تیری پیروی کریں بہر دونگا دیکھو اس آیت سے صاف طور پر کھل گیا اللہ تعالیٰ کا یہ منشا نہیں ہے کہ خواہ نخواہ لوگوں کو جبر کے طور پر جہنم میں ڈالے بلکہ جو لوگ اپنی بداعمالیوں سے جہنم کے لایق ٹہیریں انکو جہنم میں گرایا جاویگا اور پہر فرماتا ہے یضل بہ کثیرا و یھدی بہ کثیرا و ما یضل بہ الا الفاسقین یعنے بہتوں کو اس کلام سے گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو یہ ہدایت دیتا ہے مگر گمراہ انکو کرتا ہے جو گمراہ ہونے کے کام کرتے ہیں اور فاسقانہ چالیں چلتے ہیں یعنے انسان اپنے ہی افعال کا نتیجہ خدا تعالے سے پالیتا ہے جیسے کہ ایک شخص آفتاب کے سامنے کی کہڑکی جب کہول دیتا ہے تو یہ ایک قدرتی اور فطرتی امر ہے کہ آفتاب کی روشنی اور اسکی کرنیں اس کے منہ پر پڑتی ہیں لیکن جب وہ اس کہڑکی کو بند کر دیتا ہے تو اپنے ہی فعل سے اپنے لئے اندہیرا پیدا کر لیتا ہے چونکہ خدا تعالے علت العلل ہے بوجہ اپنی علت العلل ہونے کے ان دونوں فعلوں کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے لیکن اپنی پاک کلام میں اسنے بارہا بتصریح سے فرمادیا ہے کہ جو ضلالت کے اثر کسی دل میں پڑتے ہیں وہ اسکی بداعمالی کا نتیجہ ہوتے ہیں اللہ تعالے اسپر کوئی ظلم نہیں کرتا جیسا فرماتا ہے فلما زاغوا ازاغ اللہ قلوبھم ۲۸ ۹ پس جبکہ وہ کج ہوگئی تو اللہ تعالے نے ان کے دلوں کو کج کر دیا -

پھر دوسرے مقام میں فرماتا ہے فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضا ان کے دلوں میں
مرض تھی خدا تعالے نے اس مرض کو زیادہ کیا یعنے امتحان میں ڈالکر انکی حقیقت ظاہر کر دی
پھر فرماتا ہے بل طبع اللہ علیھا بکفرھم یعنے خدا تعالے نے بباعث انکی بے ایمانیوں کے
ان کے دلوں پر مہریں لگا دیں لیکن یہ جبر کا اعتراض اگر ہو سکتا ہے تو آپ کی کتب مقدسہ پر ہوگا
دیکھو خروج ۲۱/۴ خدا نے موسے کو کہا میں فرعون کا دل سخت کر دونگا اور جب دل سخت ہوا تو اسکا
نتیجہ جہنم ہے یا کچھ اور ہے دیکھو خروج ۳/۷ امثال باب ۴/۱۶ پھر خروج ۱/۱۰ استثناء ۲۹/۴
خدا نے تمکو وہ دل جو سمجھے اور وہ آنکھیں جو دیکھیں اور وہ کان جو سنیں آج تک نہ دئیے اب
دیکھئے کیسے جبر کے صاف مثال ہے پھر دیکھو زبور ۱۴۸/۶ اسنے ایک تقدیر مقدر کی جو ٹل نہیں
سکتی رومیان ۹/۱۸ کاریگری کا کاریگر پر اعتراض نہیں کر سکتے۔ اب ان تمام آیات سے
آپکا اعتراض الٹ کر آپ ہی پر پڑا اور پھر بعد اس کے آپنے جہاد پر اعتراض کر دیا ہے مگر یہ
اعتراض طریق مناظرہ کے بالکل مخالف ہے اور آپ کی شرائط میں بھی یہی درج تھا کہ نمبروار
سوالات ہوں گے بجز اس کے کیا مطلب تھا کہ پہلے سوال کا جواب ہو جاوے تو پھر دوسرا پیش
ہوا اور خبط مبحث نہ ہو اور آپکے پہلے سوال کا جواب جو آپنے عدل کیا کچھ نتیجہ نہ نکلا تھا وہ
یہ ہے کہ آپ کے اس خود ساختہ قانون کو حضرت مسیح ع توڑتے ہیں کیونکہ وہ ہمارے بیان
کے مطابق نجات کا مدار رحم و عفو پر رکھتے ہیں اور احکام الٰہی جنکی جزا وعدہ کے طور پر بیان کی گئی پیش
کرتے ہیں جیسا کہ وہ فرماتے ہیں کہ مبارک وے جو غمگین ہیں کیونکہ وہ تسلی پائیں گے مبارک
وے جو رحمدل ہیں کیونکہ ان پر رحم کیا جاویگا مبارک وے جو پاک دل ہیں کیونکہ وہ خدا کو دیکھیں
گے اب آپ کیا فرماتے ہیں کہ یہ وعدے جو غمگینوں اور رحمدلوں اور پاک دلوں کیلئے وعدہ
کئے گئے تھے یہ پورے ہوں گے یا نہیں اگر پورے ہوں گے تو اس جگہہ تو کسی کفارہ کا ذکر
تک بھی نہیں اور اگر پورے نہیں ہوں گے تو تخلف وعدہ ٹھیرا جو خدا تعالے کی ہدایتوں
کی نسبت تجویز کرنا ایک سخت گناہ ہے غرض ہمنے آپ کے رحم بلا مبادلہ قرآن شریف کی
کامل تعلیم اور قانون قدرت اور آپ کی کتب مقدسہ سے بخوبی رد کر دیا۔ اب ثابت شدہ
امر کے برخلاف اگر آپ ضد نہیں چھوڑیں گے تو منصفین خود دیکھ لیں گے خدا تعالے کی

تمام تعلیمیں قانون قدرت کے موافق ہیں اور بقول ڈاکٹر مارٹن کلارک صاحب قرآنی توحید الٰہی صاف اور پاک اور مطابق قانون فطرت ہے جو بچہ بھی اس کو سمجھ سکتے ہیں لیکن آپکا یہ مسئلہ تثلیث بچہ تو کیا آجکل کے فلاسفر بھی خلاف عقل ٹھیراتے ہیں پھر کیا وہ تعلیم جو انسانی فطرت کے مطابق اور قانون قدرت کے موافق اور ایسی چمکتی ہے کہ بچہ بھی اسکو قبول کر لیتے ہیں اور تمام مذاہب کے زوائد نکالکر وہی توحید باقی رہجاتی ہے کیونکر رد کرنے کے لائق ٹھیرتی ہے اور آپکا سوال جہاد کا دوسرے موقعہ پر جواب دیا جاویگا مگر آپنے داب مناظرہ کے برخلاف کیا جو سوال پر سوال کر دیا اسکو ناظرین خود دیکھ لیں گے۔

دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح
پریزیڈنٹ
از جانب اہل اسلام

دستخط بحروف انگریزی
ہنڈری مارٹن کلارک
پریزیڈنٹ
از جانب عیسائی صاحبان

از جانب ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب

یکم جون ۹۳ء

۹/۲۷

جناب کا یہ فرمانا کہ مسیح تیس برس تک الوہیت سے خالی رہا ہے بقول میرے یہ خوش فہمی ہے میرا کہنا یہی تہا کہ مسیحیت کے عہدہ پر وہ تب تک نہیں آئے۔ اور یہ صحیح ہے باقی جو کچھ آپنے فرمایا وہ زاید ہے۔ بے حدی سے خالی ہونا تو کسی کا بھی جایز نہیں چہ جائیکہ مسیح اس سے خالی رہے اقنوم ثانی کا جو رشتہ انسانیت سے ہے واسطے مسیحیت کے ہے اقنوم ثانی تو ساتھ الوہیت کے ہوتا ہم وہ مسیح نہیں تہا جب تک کہ تیس برس کا ہوا۔

مظہر اللہ کے معنے کیا ہین اور کس مراد سے یہ کلمہ استعمال ہوا ہے ہماری نظر میں تو یہ معنے ہین جاے ظہور اللہ کی اور واسطے عہدہ مسیحیت کے ہیں پہر کیوں اسپر آپ تنازعہ کرتے ہیں۔ روح القدس برلے گواہی اس امر کے آیا کہ یہ بیٹا خدا کا ہے خدا نے کہا ہین اس سے راضی ہوں نہ اس لئے کہ اسوقت آنکر اسکے بیچمیں داخل ہوا

(۲) آپکے دوسرے امر کا جواب یہ ہے کہ جو چاہو آپ فرماؤ لیکن جواب آپنے نہیں دیا کہ تقاضاے عدل کا کیونکر پورا ہوا اگر آپکے فرمانے کا یہ مطلب ہے کہ تقاضاے عدل کچھہ شے نہیں ہے تو ہمارا آپکے اس صداقت ادلے پر اتفاق نہیں۔

(۳) آپ فرماتے ہیں کہ جبر قرآن سے ثابت نہیں مجھے اسمیں حیرانی ہے کہ آپ اس آیتہ کے لفظوں کی طرف توجہ نہیں فرماتے جسمیں لکھا ہے کہ کہتے ہیں کہ کچھہ بھی کام ہمارے ہاتھہ میں ہے اور بجواب اس کے کہا جاتا ہے کہ کہہ دے سب کام اللہ ہی کے ہاتھہ میں ہیں۔ اور آیات تو مین اس مقدمہ میں بہت قرآن سے دے سکتا ہوں لیکن حاجت نہیں پہر آپکا عقیدہ اسمیں جو لکہا ہے والقدر خیرہ و شرہ من اللہ تعالے خیر اور شر اللہ تعالے کی طرفسے ہے وہ نتیجہ منتخب قرآن سے ہے۔ جو انجیل کی آیتوں کے اوپر آپنے اپنا حاشیہ چڑہایا ہے سو صحیح نہیں مینے عرض کردیا ہے کہ بدی کے واسطے خدا کیطرفسے پرمشن ہوتا ہے یعنے اجازت اور بیرونجوں کے واسطے وہاں ہی تک حد ہے کہ جسمیں دوزخ اور بہشت کا کچھہ ذکر نہیں دنیا کے اندر کمی اور زیادتی وسعت کا ذکر ہے پہر انکو آپ مسئلہ قرآن کا کیونکر کہتے ہیں۔ مین تو کہتا ہوں کہ قرآن میں جبر اور قدر ہر دو ہین لیکن یہ امر ہر دو باہم متفق نہیں ہو سکتے بلکہ ایک دوسرے کے نقیض ہیں جیسا کہ یہ کہنا کہ اختیار ہے بہی اور نہیں بہی صاف نقیض ہے۔

(۴) خداوند مسیح کی آزمایش میں شیطان نے جو انسانیت کا امتحان کیا ہے آپکا مطلب کیا ہے کچھہ ظاہر نہیں اسمیں جبر و قدر کا علاقہ کیا ہے۔

آپکی مثال آفتاب کی نہ معلوم کیونکہ برمحل ہے جب آپ کہتے ہیں کہ سبب ثانی کے افعال بہی خدا تعالے اپنی طرف جو سبب اول ہے منسوب کرتا ہے نہ معلوم کیون

کرتا ہے کیا ضرورت اسکی تھی سبب ثانی کے افعال ایسی صورت میں سبب اولے سے منسوب ہو سکتی ہین کہ جب کچھ دخل سبب اولکا بھی اس میں ہو۔

سبب اولے نے ایک شخص کو فعل مختار بنایا یا فعل مختاری ور خود جبتک کچھ اس سے ظہور نہ ہووے قابل مواخذہ کے نہیں لہذا وہ درحقیقت بری بھی نہیں بلکہ بھلی ہے۔ اور سبب اولے اگر اسمیں دخل دیوے تو فعل مختاری کا نقیض ہو جاوے یہ خود اس کے منصوبہ فعل مختار بنانے سے بعید ہے۔

اس کے معنے ہمنے کردے ہین کہ فرعون کا دل کیونکر سخت کردیا ہمنے اس کے معنے پہلے عرض کردیئے یعنے یہ کہ اسکو بدی کرنے سے روکا نہیں اور اپنے فضل کا ہاتھ اس سے اُٹھا لیا اسی طرح سے اسکا دل سخت ہو گیا۔ پھر اسمیں خدا تعالےٰ نے کچھہ نہیں کیا مگر اجازت روکنے کی نہیں وہی اسکو ہمارے ہاں پرمشن کہتے ہیں۔

اور یہ کلام مجاز ہے کہ انکو آنکھیں دیکھنے کی نہیں دیں یا کان سننے کے نہیں دیئے جس سے مراد یہ ہوئی کہ آنکھہ اور کان رکھتے ہوے تب وہ نہیں دیکھتے اور نہیں سنتے کہ خدا تعالےٰ نے انکو روکا نہیں ایسا ہی کلام مجاز یہ ہے کہ جسطرح باپ اپنے لڑکے سے ناراض ہو کر کہتا ہے کہ تو مرجائے اس کے معنے یہ نہیں کہ وہ چاہتا ہے کہ وہ مرجائے بلکہ یہ کہ اس کے افعال سے وہ ناراض ہے۔

(۵) مینے دیکھا تھا کہ سوال چھوٹا ہے اور گنجایش دو کی ہے تو مینے دو سوال کردیئے۔ آپ جب چاہین اسکا جواب دیدیویں ہم آپکو اسمیں عاجز نہ سمجھیں گے کہ آپنے اس وقت اسکا جواب نہیں دیا۔ اور پھر جب آپ جواب چاہیں گے اسکا تکرار بھی کردیں گے۔

۶۔ آپ جو ان وعدوں میں کفارہ کا ذکر پوچھتے ہین جو مسیح نے باب ۵ متی میں دیئے اسمیں بڑا تعجب مجھے معلوم ہوتا ہے کہ کیا سارے مضامین ایک ہی جگہہ جمع کیئے جاتے ہیں اگر اسجگہ میں ذکر نہیں تو بہت جگہوں میں ذکر ہے۔ جنکی حوالہ ہم بار بار دیچکے آپکے ذمہ یہ تھا کہ دکھلا دین کہ کفارہ کی نفی انمیں ہے۔ آپ اپنا بار ثبوت دوسرے پر کس لیے ڈالتے ہیں

(۷) اگر آپنے رحم بلا مبادلہ کو قانون قدرت اور آیات قرآنی اور کتب مقدسہ سے رد کردیا ہے

نویس خوشی ہوئی - ان امور کا جب چھپ جائیں گے ہر ایک بجائے خود انصاف کریگا ہم جو دلایل اس کے دے چکے ہیں انکا تکرار بار بار ہر وقت پانی بلونے کی جانتے ہیں

(۸) مسئلہ تثلیث کے بارہ میں جو ہمنے دلایل دئے ہیں جبتک انکا رد آپکی طرف سے مدلل ہو کے نہ آوے تو ہم اسپر توجہ نہیں کر سکتے آپنے یہ عادت اختیار فرمائی ہے کہ ثبوت کیطرف توجہ نکرنا اور پھر اسی امر کا تکرار کر دینا۔

(۹) مجھے افسوس یہ ہے کہ آپ میرے سوالات کا جواب نہیں دیتے ہیں اور نہ میرے جوابات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں آج بھی ہمارا ایک سوال یہ پڑا ہے کہ انجیل کے رو سے مریم کے پاس جبرائیل کا آنا آپ مانتے ہیں یا نہیں اور کہ مسیح کی پیدایش معجزہ ہی کو تسلیم کرتی ہے یا نہیں لیکن آپنے اسطرف کچھہ توجہ نہیں فرمائی

دستخط بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ
از جانب
عیسائی صاحبان

دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ
از جانب
اہل اسلام

آج مرزا صاحب نے ۶ بجے ۹ منٹ پر جواب لکھوانا شروع کیا۔ اور ۷ بجے ۹ منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سُنایا گیا۔ ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب نے ۷ بجے ۴۰ منٹ پر جواب لکھوانا شروع کیا اور ۸ بجے ۴۰ منٹ پر ختم کیا۔ اور بلند آواز سے سُنایا گیا۔ مرزا صاحب نے ۹ بجے ایک منٹ پر جواب لکھانا شروع کیا اور ۱۰ بجے ایک منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سُنایا گیا۔ بعد ازاں فریقین کی تحریروں پر میر مجلسوں کے دستخط ہو کے جلسہ برخاست ہوا۔

دستخط انگریزی	دستخط انگریزی
ہنری مارٹن کلارک	غلام قادر فصیح
پریزیڈنٹ	پریزیڈنٹ
از جانب عیسائی صاحبان	از جانب اہل اسلام

مطبوعہ ریاض ہند پریس امرتسر

بیان حضرت مرزا صاحب

۳ جون ۱۸۹۳ء وقت ۶ بجے

پھر ڈپٹی صاحب فرماتے ہیں کہ مظہر اللہ ہونے سے خالی ہونا تو کسی کا بھی جائز نہیں چہ جائیکہ مسیح اس سے خالی رہے یعنے مسیح روح القدس کے نزول سے پہلے بھی مظہر اللہ ہی تھا کیونکہ عام معنوں سے تو تمام مخلوقات مظہر اللہ ہے۔ جواب میں کہتا ہوں کہ آپ کا اب بھی وہی اقرار ہے کہ خاص طور پر مسیح مظہر اللہ نزول روح القدس کے بعد ہوئے اور پہلے اوروں کی طرح عام مظہر تھے۔ اور پھر ڈپٹی صاحب موصوف تین اقنوم کا ذکر فرماتے ہیں۔ اور یہہ نہیں سمجھتے کہ یہہ آپ کا ذکر بے ثبوت ہے آپ نے اس پر کوئی عقلی دلیل نہیں دی اور یوں تو ہر ایک وجود کے سلسلہ میں تین جزوں کا ہونا ضروری ہے اور آپ صاحبوں کی یہہ خوش فہمی ہے کہ انکا نام تین اقنوم رکھا۔ روح القدس اسی طرح حضرت مسیح پر نازل ہوا جس طرح قدیم سے نبیوں پر نازل ہوتا تھا جسکا ثبوت ہم دے چکے۔ نئی بات کونسی تھی۔

پھر آپ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں یہی لکھا ہے کہ سب کام اللہ کے ہاتھ میں ہیں میں کہتا ہوں کہ گو یہہ بات سچ ہے اور اللہ تعالی قرآن کریم میں فرماتا ہے الیہ یرجع الامر کلہ یعنے خداتعالی کی طرف ہی ہر ایک امر رجوع کرتا ہے مگر اس سے یہہ نتیجہ نکالنا کہ اس سے انسان کی مجبوری لازم آتی ہے غلط فہمی ہے۔ یوں تو خداتعالی نے قرآن کریم میں یہہ بھی فرمایا ہے کہ میں مینہ برساتا ہوں اور برق وصاعقہ کو پیدا کرتا ہوں اور کھیتیاں اگاتا ہوں مگر اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اسباب طبیعیہ مینہ برسنے اور رعد وبرق کے پیدا ہونے کے جو ہیں اس سے اللہ تعالی انکار کرتا ہے بالکل فضول ہے کیونکہ یہہ مراتب بجائے خود بیان فرمائے گئے ہیں کہ یہہ تمام چیزیں اسباب طبیعیہ سے پیدا ہوتے ہیں پس اصل بات یہہ ہے کہ خداتعالی کے ایسے بیانات سے کہ میرے حکم سے بارشیں ہوتی ہیں اور میرے حکم سے کھیتیاں اگتی ہیں

اور برق و صاعقہ پیدا ہوتا ہے اور کھل لگتے ہیں وغیرہ وغیرہ - اور ہر ایک بات میرے ہی قبضہ اقتدار میں اور میرے ہی امر سے ہوتی ہے یہہ ثابت کرنا مقصود نہیں کہ سلسلہ کائنات کا مجبور مطلق ہے بلکہ اپنی عظمت اور اپنا علۃ العلل ہونا اور اپنا سبب الاسباب ہونا مقصود ہے کیونکہ تعلیم قرآنی کا اصل موضوع توحید خالص کو دنیا میں پھیلانا اور ہر ایک قسم کے شرک کو جو پھیل رہا تھا مٹانا ہے اور چونکہ قرآن شریف کے نازل ہونے کے وقت عرب کے جزیرہ میں ایسے ایسے مشرکانہ عقائد پھیل رہے تھے کہ بعض بارشوں کو ستاروں کی طرف منسوب کرتے تھے - اور بعض دہریوں کی طرح تمام چیزوں کا ہونا اسباب طبعیہ تک محدود رکھتے تھے - اور بعض دو خدا سمجھکر اپنے ناملایم قضا و قدر کو اھرمن کی طرف منسوب کرتے تھے - اسلئے یہہ خدا تعالیٰ کی کتاب کا فرض تھا جسکے لئے وہ نازل ہوئی کہ ان خیالات کو مٹادے اور ظاہر کرے کہ اصل علت العلل اور سبب الاسباب وہی ہے اور بعض ایسے بھی تھے جو مادہ اور روح کو قدیم سمجھ کر خدا تعالیٰ کا علت العلل ہونا بلکل ضعیف اور ناقص کے خیال کرتے تھے - پس یہہ الفاظ قرآن کریم کے کہ میرے ہی امر سے سب کچھ پیدا ہوتا ہے توحید محض کے قایم کرنے کے لئے تھے - ایسی آیات سے انسان کی مجبوری کا نتیجہ نکالنا تفسیر القول بمالا یرضی بہ قائلہ ہے - اور خدا تعالےٰ کے قانون قدرت پر نظر ڈالکر یہہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ آزادی اور عدم مجبوری جسکا ڈپٹی صاحب موصوف دعویٰ کر رہے ہیں دنیا میں پائی نہیں جاتی بلکہ کئی قسم کی مجبوریاں مشہود و محسوس ہو رہی ہیں - مثلاً بعض ایسے ہیں کہ اُنکا حافظہ اچھا نہیں وہ اپنے ضعیف حافظہ سے بڑھکر کسی بات کے یاد کرنے میں مجبور ہیں بعض کا متفکرہ اچھا نہیں وہ صحیح نتیجہ نکالنے سے مجبور ہیں - بعض بہت چھوٹے سر والے جیسے وہ لوگ جنہیں دولہ شاہ کا چوہا کہتے ہیں ایسے ہیں کہ وہ کسی امر کے سمجھنے کے قابل نہیں - ان سے بڑھکر بعض دیوانے بھی ہیں اور خود انسان کے قویٰ ایک حد تک رکھے گئے ہیں جس حد سے آگے وہ کام اُن سے نہیں لے سکتے یہہ بھی ایک قسم کی مجبوری ہے -

پھر ڈپٹی صاحب فرماتے ہیں کہ اسلام کا یہہ عقیدہ ہے کہ خیر اور شر اللہ تعالیٰ کی

طرف سے ہے افسوس کہ ڈپٹی صاحب کیسے صحیح معنے سے پھر گئے واضح ہو کہ اسکے یہہ
معنے نہیں ہیں کہ خدا تعالیٰ شر کو بحیثیت شر پیدا کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ صاف فرماتا ہے
ان عبادی لیس لک علیہم سلطان یعنے اے شیطان شر پہنچانے والے میرے بندوں
پر تیرا تسلط نہیں بلکہ اس فقرہ کے یہہ معنے ہیں کہ ہر ایک چیز کے اسباب خواہ وہ چیز خیر
میں داخل ہے یا شر میں خدا تعالیٰ نے پیدا کی ہیں۔ مثلاً اگر شراب کے اجزاء جن سے
شراب بنتی ہے موجود نہوں تو پھر شرابی کہاں سے شراب بنا سکیں اور پی سکیں
لیکن اگر اعتراض کرنا ہے تو پہلے اس آیت پر اعتراض کیجیے کہ سلامتی کو بناتا اور بلا کو
پیدا کرتا ہے یسعیا ۴۵ / ۷

پھر آگے ڈپٹی صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ جسکا خلاصہ یہہ ہے۔ توریت میں ایسا
کوئی حکم نہیں کہ دوزخ کے لئے خدا نے کسی کو مجبور کیا ہے اسکا یہی جواب ہے۔ کہ
فرعون کا دل خدا نے سخت کیا آپ اسکو مانتے ہیں پھر انجام فرعون کا اس سخت دلی
سے جہنم ہوا یا بہشت نصیب ہوا۔ پھر دیکھو امثال آپ کا خدا تعالیٰ کیا فرماتا ہے۔
خداوند نے ہر یک چیز اپنے لئے بنائی ہاں شریروں کو بھی اُسنے بُرے دن کے لئے
بنایا ۱۶ / ۴ - اب دیکھیے یہہ تو گویا اقبالی ڈگری کی طرح آپ پر الزام وارد ہو گیا کہ
شریر دوزخ کے لئے بنائے گئے کیونکہ وہی تو بُرا دن ہے۔ پھر آپ فرماتے ہیں۔ کہ
قرآن میں اگرچہ اختیاری بھی تعلیم ہے مگر پھر مجبوری کی بھی تعلیم اور یہہ ایک دوسری
کی نقیض ہیں۔ اسکے جواب میں میں لکھ چکا ہوں کہ آپ خلط مقاصد کرتے ہیں جہاں
آپ کو مجبوری کی تعلیم معلوم ہوتی ہے وہاں مذاہب باطلہ کا رد مقصود ہے اور ہر ایک
فیض کا خدا تعالیٰ کو مبدا قرار دینا مد نظر ہے۔

اور آپ فرماتے ہیں کہ شیطان جو حضرت مسیح کو لیگیا اُسمیں کیا مجبوری تھی جواب
یہی ہے کہ نور سے ظلمت کی پیروی کرائی گئی۔ نور بالطبع ظلمت سے جدا رہنا چاہتا ہے۔ پھر
آپ فرماتے ہیں کہ اگر اختیار کو مانا جائے تو پھر خدا تعالیٰ کا علت العلل قرار دینا لغو ہے آپ کی
تقریر کا یہہ خلاصہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بکلی خدا تعالیٰ کو معطل کر کے پورا پورا استقلال

اور اختیار چاہتے ہیں جبکہ ہمارے قوی اور ہمارے جوارح کے قوی اور ہمارے خیالات کے مبلغ علم پر اُسکی خدائی کا تسلط ہے وہ کیونکر معطل ہوسکتا ہے۔ اگر ایسا ہو تو علت اور معلولات کا سلسلہ درہم برہم ہوجائیگا اور صانع حقیقی کی شناخت کرنے میں بہت سا فتور آئیگا اور دعا کرنا بھی لغو ہوگا۔ کیونکہ جبکہ ہم پورا اختیار رکھتے ہیں تو پھر دعا بے فائدہ ہے۔ آپ کو یاد رہے کہ خدا تعالی کو علت العلل ماننا مستلزم مجبوری نہیں یہی ایمان ہے یہی توحید ہے کہ اسکو علۃ العلل مان لیا جاوے اور اپنی کمزوریوں کے دور کرنے کے لئے اس سے دعائیں کی جائیں۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ یہ کلمہ کہ اُنکی آنکھیں دیکھنے کے لئے نہیں ہیں۔ مجاز ہے۔ حضرت اگر یہ مجاز ہے تو پھر کہاں سے معلوم ہوا کہ دلوں پر مُہر لگانا اور آنکھوں پر پردہ ڈالنا حقیقت ہی کیا اس جگہ آپ کو مُہریں اور پردے نظر آگئے ہیں۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ اگر آپ نے رحم بامبادلہ کو رد کردیا ہے تو بس خوش ہوجیئے۔ افسوس ابھی تک آپ میری بات کو نہ سمجھے یہہ تو ظاہر ہے کہ عدل کا مفہوم جانبین کے حقوق کو قایم کرتا ہے یعنے اس سے لازم آتا ہے کہ ایک خدا تعالیٰ کا بندہ پر حق ہو جس حق کا وہ مطالبہ کرے اور ایک بندہ کا خدا تعالی پر حق ہو جس حق کا وہ مطالبہ کرے۔ لیکن یہہ دونو باتیں باطل ہیں کیونکہ بندہ کو خدا تعالی نے عدم محض سے پیدا کیا ہے اور جس طرح چاہا بنایا مثلاً انسان یا گدھا یا بیل یا کوئی کیڑا مکوڑا۔ پھر حق کیسا۔ اور خدا تعالی کا حق اگرچہ غیر محدود ہے مگر مطالبہ کے کیا معنی۔ اگر یہہ معنی ہیں کہ خدا تعالی کو بندوں کی فرمانبرداری کی ضرورتیں پیش آگئی ہیں اور تب ہی اُسکی خدائی قائم رہتی ہے کہ ہر ایک بندہ نیک اور پاک دل ہوجائے ورنہ اُسکی خدائی ہاتھ سے جاتی ہے۔ یہہ تو بالکل بیہودہ ہے کیونکہ اگر تمام دنیا نیک بن جائے تو اسکی خدائی کچھ بڑھ نہیں سکتی۔ اور اگر بد بن جائے تو کچھ کم نہیں ہوسکتی۔ پس حق کو بحیثیت حق قرار دیکر مطالبہ کرنا چہ معنی دارد۔ پس اصل بات یہہ ہے کہ خدا تعالے جو غنی بے نیاز ہے اور اس سے برتر ہے کہ اپنی ذاتی حاجت سے کسی حق کا مطالبہ کرے۔ خود بندہ کے فائدہ کے لئے اور اپنی مالکیت اور خالقیت اور رحمانیت اور رحیمیت کے ظاہر کرنے کے لئے یہہ سارا سامان کیا ہے۔ اول ربوبیت

یعنے خالقیت کے تقاضا سے دنیا کو پیدا کیا پھر رحمانیت کے تقاضا سے وہ سب چیزیں اُن کو عطا کیں جنکے وہ محتاج تھے پھر رحیمیت کے تقاضا سے اُنکے کسب اور سعی میں برکت ڈالی اور پھر مالکیت کے تقاضا سے اُنکو مامور کیا اور امر معروف اور نہی منکر سے مکلف ٹھہرایا اور اسپر وعید اور مواعید لگا دیئے۔ اور ساتھ ہی یہہ وعدہ بھی کیا کہ جو شخص بعد معصیت کے طریق ایمان اور توبہ و استغفار کا اختیار کرے وہ بخشا جائیگا۔ پھر اپنے وعدوں کے موافق روز حشر میں کاربند ہوگا اس جگہ رحم بلا مبادلہ کا اعتراض کیا تعلق رکھتا ہے اور قائمی حقوق کا اور خدا تعالیٰ سے متکبرانہ طور پر عدل کا خواستگار ہونا کیا علاقہ رکھتا ہے سچی فلاسفی اسکی یہی ہے جو سورۂ فاتحہ میں بیان فرمائی گئی جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے الحمد للّٰہ رب العالمین الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین۔ اب دیکھیئے رحمٰن و رحیم کے بعد بظاہر یہہ سمجھا جاتا تھا کہ آلعادل کا لفظ لانا ان صفات کے مناسب حال ہے کہ رحم کے بعد عدل کا ذکر ہو لیکن خدا تعالےٰ نے عدل سے عدول کر کے اپنی صفت مالک یوم الدین ٹھہرائی تا معلوم ہو کہ حقوق کا مطالبہ اس سے جائز نہیں اور اس سے کوئی اپنے حق کا خواستگار نہیں ہو سکتا اور نہ وہ حاجتمند ہے کہ بحیثیت ایک ایسے حقدار کے جو بغیر وصول حق کے مرا جاتا ہے بندوں سے فرماں برداری چاہتا ہے بلکہ بندوں کی عبادتیں اور بندوں کی طاعتیں درحقیقت اُنہیں کے فائدہ کے لئے ہیں جیسا کہ طبیب نسخہ کسی بیمار کے لئے تجویز کرتا ہے تو یہہ بات نہیں کہ اس نسخہ کو طبیب آپ پی لیتا ہے یا اس سے کوئی حظ اُٹھاتا ہے بلکہ وہ بیمار کی بھلائی کے لئے ہے۔ اور پھر بعد اسکے آپ نے اسلام کے **جہاد** پر اعتراض کیا ہے مگر افسوس کہ آپ نے اسلامی جہاد کی فلاسفی کو ایک ذرہ بھی نہیں سمجھا اور آیات کی ترتیب کو نظرانداز کر کے بیہودہ اعتراض کر دیئے ہیں واضح رہے کہ اسلام کی لڑائیاں ایسے طور سے نہیں ہوئیں کہ جیسے ایک زبردست بادشاہ کمزور لوگوں پر چڑھائی کر کے انکو قتل کر ڈالتا ہے بلکہ صحیح نقشہ ان لڑائیوں کا یہہ ہے کہ جب ایک مدت دراز تک خدا تعالیٰ کا پاک نبی اور اُسکے پیرو مخالفوں کے ہاتھ سے دُکھ اُٹھاتے رہے چنانچہ ان میں سے کئی قتل کیے گئے اور کئی بُرے بُرے عذابوں سے

مارے گئے یہانتک کہ ہمارے نبی صلعم کے قتل کرنے کے لئے منصوبہ کیا گیا اور یہہ تمام کامیابیاں اُنکے بتوں کے معبود برحق ہونے پر حمل کی گئیں اور ہجرت کی حالت میں بھی **آنحضرت صلعم** کو امن میں نہ چھوڑا گیا بلکہ خود آ اٹھ پڑا و تک چڑھائی کرکے خود جنگ کرنے کے لئے آئے تو اُسوقت اُنکے حملہ کے روکنے کے لئے اور نیز اُن لوگوں کو امن میں لانے کے لئے جو اُنکے ہاتھ میں قیدیوں کی طرح تھے اور نیز اس بات کے ظاہر کرنے کے لئے کہ اُنکے معبود جنکی تائید پر یہ سابقہ کامیابیاں حمل کی گئیں ہیں لڑائیاں کرنے کا حکم ہوا جیساکہ اللہ تعالے فرماتا ہے واذ یمکر بک الذین کفروا لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک ویمکرون ویمکر اللہ واللہ خیر الماکرین ۹/۱۸ پہر فرماتا ہے وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان۔ الی آخرہ ۵/۷

پہر فرماتا ہے۔ وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ۲/۸

پہر فرماتا ہے۔ ولا یزالون یقاتلونکم حتی یردوکم عن دینکم ان استطاعوا ۲/۱۰

پہر فرماتا ہے ولولا دفع اللہ الناس بعضہم ببعض لفسدت الارض ۱۷/۱۳

پہر فرماتا ہے ان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ (س ۱۴ اخیر رکوع)

پہر فرماتا ہے اذ جاءوکم من فوقکم ومن اسفل منکم ۲۱/۱۸

پہر فرماتا ہے یا اہل الکتب لم تصدون ۴/۱

پہر فرماتا ہے وہم بدءوکم اول مرۃ ۱۰/۸

اب ترجمہ کے بعد آپ کو معلوم ہوگا کہ اصل حقیقت کیا ہے اور اگر یہہ سوال ہو کہ گو کفار نے کیسے ہی دُکھ دیئے تہے مگر صبر کرنا چاہئے تہا تو اسکا یہہ جواب ہے کہ وہ اپنی کامیابیوں کو اپنے لات وعزیٰ بتوں کی تائیدات پر حمل کرتے تہے جیساکہ قرآن کریم اس سے بہرا پڑا ہے حالانکہ وہ صرف ایک مہلت کا زمانہ تہا اِسلئے خدا تعالے نے چاہا کہ یہہ ثابت کرے کہ جیسے اُنکے بت قرآن کریم کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہیں ایسا ہی تلوار کے ساتھ کامیاب کرا دینے سے بھی عاجز ہیں۔ سو جس قدر اسلام میں اُنپر حملے کئے گئے ان کا مقصد اُن کفار کے بتوں کا عاجز ہونا تہا اور یہہ ہرگز نہیں کہ ان لڑائیوں میں کسی قسم کا یہ ارادہ تہا کہ

قتل کی دہمکی دیگر اُن لوگوں کو مسلمان کردیا جائے بلکہ وہ تو طرح طرح کے جرائم اور خونریزیوں کے سبب سے پہلے سے واجب القتل ہوچکے تھے اور اسلامی رعایتوں میں سے جو اُنکے ساتھ رب رحیم نے کیں ایک یہہ بہی رعایت تہی کہ اگر کسی کو توفیق اسلام نصیب ہو تو وہ بچ سکتا ہے۔ اسمیں جبر کہاں تہا عرب پر تو انہیں کے سابقہ جرائم کی وجہ سے فتوی قتل کا ہوگیا تہا۔ ہاں باوجود اسکے یہہ رعایتیں بھی تھیں کہ اُنکے بچے نہ مارے جائیں۔ اُنکے بڈہے نہ مارے جائیں۔ اُنکی عورتیں نہ ماری جائیں اور ساتھ اسکے یہہ بھی رعایت کہ بصورت ایمان لانے کے وہ بھی نہ مارے جائیں۔ (باقی آیندہ)

(دستخط بحروف انگریزی) غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ ازجانب اہل اسلام (دستخط بحروف انگریزی) ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ ازجانب عیسائی صاحبان

بیان ڈپٹی صاحب عبداللہ آتھم

۲ جون سنہ ۱۸۹۳ء

وقت ۷ بجے

جواب اول عرض ہے کہ مینے نہیں کہا کہ مظہر اللہ ہے بلکہ یہ کہا ہے کہ اقنوم ثانی اور انسانیت کا باہم علاقہ رہا ہے۔ مظہر اللہ تو تب ہی ظاہر ہوئے کہ جب مسیح ہوئے۔ یعنے ۳۰ برس کی عمر میں۔

دوم۔ کافی ثبوت تثلیث کا دیا گیا ہے عقل سے امکان اور کلام سے وقوعہ اُسکا۔ اگر آپ نہیں مانتے تو طبع ہونے کے بعد ہر ایک بجائے خود انصاف کرلیگا۔

سوم۔ کسی نبی کے اوپر بشکل مجسم کبوتر کی مانند روح نازل ہوا۔ پھر آپ کوئی نشان نہیں دیتے کہ کونسا نبی اُسکے مساوی ہے۔ اور ناحق کی حجت پیش کرتے ہیں۔

چہارم۔ مینے جو آیت سند کی پیش کی ہے اُسمیں مسلمانوں کا تذکرہ یہہ تہا کہ کیا کوئی بہی امر ہمارے ہاتھ میں ہے۔ جواب اسکا یہہ دیا گیا ہے کہ سب امر اللہ کے

ہاتھ میں ہے۔ امر کے معنے جو حکم کے جناب نے کئے ہیں۔ امور جسکا جمع ہے وہ بھی امر ہے یعنے کام۔ تو معنے یہہ ہوئے کہ ہر کام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ یہہ بالضرور فعل مختاری انسان مین مداخلت ہے۔

جناب مرزا صاحب آپ جو حوالہ اشیاء مخلوق و مثل کھیتی و پانی وغیرہ کے دیتے ہیں وہ اختیار و نا اختیاری کی مثال نہیں۔ میں جناب کو یہہ الزام نہیں دیتا کہ جناب فریب دیتے ہیں مگر فریب کھاتے ضرور ہیں۔

پنجم۵۔ توحید کا ثبوت اس سے کچھ نہیں ہوتا کہ سبب اولی ہو کر خدا تعالی سبب ثانی کے واسطے کچھ گنجایش باقی نہ رکھے سبب اولی اگر قادر مطلق ہے تو دوسرے کو فعل مختار بھی پیدا کر سکتا ہے اور جب فعل مختار بنا دیا تو اُسکی فعل مختاری میں مداخلت کرنا اُسکے منصوبہ بنانے کے بر خلاف ہے۔

ششم۶۔ ہمنے کبھی یہ نہیں کہا کہ فعل مختاری انسان کی لاحد ہے مگر اپنے حدود میں وہ فعل مختار مطلق ہے اور اسکا انکار آپ عبث کرتے ہیں۔

ہفتم۔ یسعیا کا بیان کہ وہ سلامتی اور بلا پیدا کرتا ہے فعل مختاری کے برخلاف کچھ نہیں۔ نہ معلوم جناب نے کیوں حوالہ اس آیت کا دیا۔ فرعون کا دل سخت کیونکر ہوا۔ ہمنے اُسکی شرح کل کر دی ہے یعنے اُسکو جب شرارت سے نہ روکا اور فضل کا ہاتھ پرے کر لیا تو اُسکا نتیجہ یہہ ہے کہ وہ خواہ نخواہ سخت دل ہو گیا۔ کیا جناب اس امر کو نہیں سمجھتے کہ کرنے اور ہونے دینے میں بڑا فرق ہے۔ انگریزی میں صاف فرق ہے کہ کمیشن اُسکو کہتے ہیں کہ خود کرے اور پرمیشن اُسکو کہتے ہیں کہ ہونے دے۔ تو ہونے دینے کا کیا الزام مساوی اسکے ہے کہ اُس نے کیا۔ اور اگر ایسا ہی الزام ہو تو صحیح نہیں ہو سکتا۔

ہشتم۔ آپ کی تیسری مثل میں کہ شریروں کو اپنے لئے بنایا اسکا مطلب صاف ہے جسکے معنے یہ ہیں کہ شریر ہونے دیا یہ بھی وہی پرمیشن ہے نہ کہ کمیشن۔ کلام مجازی کو اور عامہ کو چھوڑ کے آپ فلاسفی میں کس لئے گھُستے ہیں۔ کیا عوام سے جناب کلام اسی طرح پر کرتے ہیں کہ ہر ایک لفظ اسکا فلوزافی کل ہووے یعنے مطابق فلاسفی کے

تاہم وہ آیت جو زیر داب تنازعہ کے ہے اسمیں اصول قائم کیا گیا ہے کہ گویا خدا فرماتا ہے کہ ہر ایک امر میرے اختیار میں ہے اور اس اصول کا بیان اس فروع پر ہے۔ جو کہتے تھے کچھ بھی کام ہمارے ہاتھ میں ہے۔ یہاں یہہ کلیہ کبریٰ ہے اور قیاس مردمان صغریٰ ہے نتیجہ جو اسکا ہے آپ انصاف کر لیجے

نہم ۹۔ مسیح بہ نسبت اپنی انسانیت کے سارے فرائض الٰہی ادا کرنیوالا ہے پس وہ امتحان بھی دیگا اور شیطان سے آزمایا بھی جائیگا۔ لہٰذا کیا ضرور ہے کہ اس امر کو اختیار و نا اختیاری کی بحث میں داخل کیا جائے۔

دہم ۱۰۔ نہ ہمنے کہیں خدا کے اختیار کو کسی حد میں قید کیا مگر وہ قیود جو ہر صفت پر اسکے خاصہ سے لازمی ہے۔ مثلاً ہم اسکو قادر مطلق کہتے ہیں۔ اسکے معنے یہ نہیں ہو سکتے کہ وہ نقیضین کو آن واحد میں جمع بھی کر سکتا ہے کیونکہ اجتماع نقیضین دوسرا نام بطلان کا ہے اور بطلان کوئی صفت نہیں چاہتا ہے کہ جو اسکو بناوے۔ مگر صرف کہنا صداقت کا تو قادر مطلق کے یہ معنے ہیں کہ جو ممکن ہے اسکو بناوے اور جو ناممکن ہے اسکے بنانے کی احتیاج کچھ نہیں وہ تو صرف جھوٹ بولنے سے ہو سکتا ہے واضح ہو کہ جیسا ہم قدرت الٰہی کو حدود نامناسب میں قید نہیں کرتے ویسے ہی فعل مختاری انسان کی حدود نامناسب میں قید نہیں ہو سکتی۔

یازدہم ۱۱۔ پورے اختیار پر دعا بے فائدہ ہے اسکے معنے یہ ہوئے کہ ہم علم و قدرت بھی اسکے ساتھ بے حد رکھتے ہوں۔ لیکن ہمنے کبھی ایسا دعویٰ نہیں کیا مگر یہہ کہ اسکا علم اور اسکی قدرت اور اسکا اختیار کل محدود ہیں۔ پس آپ کے فرایض و مسلمات محض خیالی ہیں۔

دوازدہم ۱۲۔ ہمنے کبھی نہیں کہا کہ دلوں پر آنکھوں پر مُہر کرنا کلام مجازی نہیں تو ہم پر اسکا اعتراض کیا ہے۔

سیزدہم ۱۳۔ ہم بالکل تسلیم کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی ذات مستغنی الذات مطلق ہے۔ لیکن وہ وہیں تک آزاد ہے کہ جہاں تک اسکی ساری صفات بالاتفاق اجازت

ہیں چنانچہ اگر وہ کسی شخص پر ظلم کرنے کو چاہے تو چاہیئے کہ عدل اسکا مانع ہوگا یا کسی کے ایذار ناحق میں وہ خوش ہووے تو صفت گڈنس کی اسکے مانع ہوگی۔ علے ہذالقیاس بہت سی صفات متبرکہ اسکے ہیں جو ان کلیوسب ہو کر چل سکتی ہیں اور اکس کلیوسب ہو کر نہیں چل سکتیں جیسا کہ اگر ایک صفت کچھ کام کرتی ہے تو ساری بالاتفاق اُسکی ممد ہیں۔ گو ظہور خاص اُس ایک کا ہی جو کام کر رہی ہے۔ اور اگر کوئی صفت کام کرتی ہے تو نہیں کہا جاتا کہ وہ اٹنک ہے اور کوئی صفت اُسکے ساتھ نہیں اور مخالف ہونا تو نعوذ باللہ دو صفات میں کہیں بھی جائز نہیں کہ ایک دوسری کی مخالف ہو۔

چہاردہم۔ اول تو جناب ہمیشہ ان دو صفات کی تمیز کے بارہ میں جو ایک رحم ہے دوسری گڈنس لاعلمی دکھلاتے ہیں۔ اور تمیز اسمیں یہہ ہے کہ رحم کسی مواخذہ اور تکلیف پر آتا ہے۔ اور گڈنس صرف اپنے متعلقین کو خوشنود رکھنے کے واسطے ہوتا ہے جیسا کہ اگر کوئی شخص کسی مصیبت میں پکڑا ہوا ہووے اُسکی رہائی کے واسطے رحم کی صفت ہے۔ اور اگر کوئی اپنے جانوروں کو بھی بہر حال خوش رکھنے چاہتا ہے اور اُن غذاؤں سے جنکے وہ لائق ہیں عمدہ تر غذائیں وہ اُنکو دیتا ہے یہ گڈنس کے باعث ہے۔ چنانچہ اس لفظ گڈنس کا **داؤد** نبی نے ذکر کیا ہے جیسا کہ وہ کہتا ہے کہ ارے آؤ۔ چکھو۔ دیکھو کہ **یھو** بھلا ہے۔ اب عدالت کا کام یہ ہے کہ جس وقت گناہ سرزد ہووے اُسکا تدارک فرماوے اور رحم اس ماقبل نہیں مگر مابعد اس تدارک و مواخذہ سے رہائی کرنے کو آوے۔ اور جب تک کوئی گناہ صادر نہیں ہوا۔ جو بھلائی اس سے کی جاتی ہے وہ مطابق گڈنس کے کی جاتی ہے اور یہہ بھی یاد رہے کہ جو شئے عدم سے بوجود آئی ہے اُس کا اپنے خالق پر یہ حق ہے کہ اُس سے کہے فلانا دکھ مجکو کیوں ہوا کہ تو عادل اگر ہے اس بات کا عدل کر۔ بکری جو ذبح کی جاتی ہے اُسکے واسطے یہہ عذر کافی نہیں کہ تیرا خالق و مالک ہوں۔ تھوڑی سی ایذا میں دوسروں کی معیشت کے واسطے تجھے دیتا ہوں تو ناحق کی شاکی نہ ہووے۔ عدل یہہ نہیں چاہتا ہے کہ کسی کو ایذا ہووے جسکا وہ مستوجب نہیں یا کہ وہ ایذا اسکے واسطے کچھ زیادہ خوبی پیدا نہ کرے۔ اور اسی لئے ہمنے اقسام دکھ

تین بیان کر دیئے ہیں کہ جنکو آپ مٹا نہیں سکتے اور آپ پھر دُکھ کو ایک ہی قسم کا تصوّر فرما کر آپ خالقیت اور مالکیت کے برقعہ میں اُسکو ہر لائق و نالائق امر کی اجازت کسطرح دے سکتے ہیں۔ ہمنے بار بار جناب کو کہا کہ عدالت وصداقت غیر مفید الظہور نہیں ہو سکتی۔ پھر کس لئے تقاضاے عدل کا لحاظ آپ چھوڑتے ہیں کیا آپ کے چھوڑنے سے عدل بھی اُسکو چھوڑ دیگا۔ یقیناً جب تک اسکا تقاضا پورا نہو رحم نہو سکیگا۔

پانزدہم[۱۵] ۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ میں بقول آپ کے عدل کو عدول نہیں فرمایا اور نہ رحم کو عدل پر غالب کیا۔ بلکہ وہاں رحم کا آسرا لوگوں کو دلایا ہے اور یہہ بجا ہے۔ باقی جو جناب خوش فہمیاں فرماویں آپکا اختیار ہے۔

شانزدہم[۱۶] ۔ یہ تو حق ہے جو اللہ تعالے اپنے مخلوق سے چاہتا ہے کہ وہ ایسا یا ویسا کرے وہ مسکے فائدہ کے لئے بھی ہے۔ مگر اس سے حقوق الٰہی کا رد کرنا غلط ہے کیا کچھ حقوق الٰہی بھی عباد اللہ کے اوپر ہیں۔ اگر نہیں تو گناہوں میں کیا حرج خدا تعالیٰ کا ہے تو پھر کس لئے وہ تیغ عدل سے اُسکو ڈرایا چاہتا ہے۔ جب ہرجہ ہی کچھ نہیں تو پھر سزا کس لئے ہو۔ تنبیہ پدری واسطے بھلائی پسر کے تو ہوتی ہے لیکن سزا کا لفظ کیا بے معنی مطلق ہے۔ تنبیہ کا مخرج رحم سے ہے اور سزا کا مخرج عدل سے۔ چنانچہ ہم بھی اپنے بچوں کو تنبیہ کرتے مارتے ہیں اسکا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ مر ہی جائیں اور جب ناخلف کر کے نکال دیں تو اسکا مطلب سزا ہے۔ یہ تیرے اعمال کی پاداش ہے۔ تو پس ان دو امر میں تمیز موجود ہے۔ تو انکو نظر انداز کس لئے کیا جائے۔

ہفدہم[۱۷] ۔ اسلام کی لڑائیاں بہت قسم کی تھیں ہم تسلیم کرتے ہیں چنانچہ دافعیہ انتقامیہ۔ انتظامیہ وغیرہ۔ لیکن جو آیت داب مناظرہ میں ہے اُسکی وجہ یہہ دی گئی ہے کہ مارو انکو جو اللہ و قیامت کو نہ مانیں اور حرام و حلال کا لحاظ نہ کریں۔ (باقی آئندہ)

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام	ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان

بیان حضرت مرزا صاحب

۲ جون ۱۸۹۳ء

ڈپٹی صاحب فرماتے ہیں کہ مظہریت سے پہلے اقنوم ثانی کا علاقہ تھا مگر ہم اسکو قبول نہیں کر سکتے جب تک وہ انجیل کی صریح عبارت پیش نہ کریں کہ مظہریت بعد میں آئی۔ اور اقنوم ثانی کا پہلے سے علاقہ تھا اور پھر انکا یہہ فرمانا کہ عقل سے امکان تثلیث ہمنے ثابت کر دیا ہے اور کلام سے وقوعہ ثابت ہو گیا ہے یہہ دونو ابھی تک دعوی ہی دعوی ہیں ناظرین انکے جوابات کی اوراق گردانی کر کے دیکھ لیں کہ کہاں عقل کے رو سے امکان **تثلیث** ثابت کر دیا ہے؟ عقل کا فیصلہ تو ہمیشہ کلی ہوتا ہے۔ اگر عقل کے رو سے حضرت مسیح کے لئے داخل تثلیث ہونا روا رکھا جائے تو پھر عقل اوروں کے لئے بھی امکان اسکا واجب کریگی۔

پھر ڈپٹی صاحب فرماتے ہیں کہ کس نبی پر بشکل مجسم کبوتر کے روح القدس نازل ہوا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر روح القدس کسی عظیم الجثہ جانور کی شکل پر جیسے ہاتھی یا اونٹ حضرت مسیح پر نازل ہوتا تو کچھ ناز کی جگہ تھی لیکن ایک چھوٹے سے پر ناز کرنا اور اسکو بے مثل کہنا بے محل ہے۔ دیکھو حواریوں پر بقول انکے **روح القدس** بطور آگ کے شعلوں کے نازل ہوا اور شعلہ کبوتر پر غالب ہے کیونکہ اگر کبوتر شعلہ میں پڑے تو جل جاتا ہے اور آپکا یہہ فرمانا کہ کونسا نبی مسیح کے مساوی ہے صرف اپنی خوش اعتقادی ظاہر کرنا ہے میں کہتا ہوں کہ کیا حضرت موسیٰ ع مسیح ع سے بڑھکر نہیں جنکے لئے بطور تابع اور مقتدی کے حضرت مسیح آئے اور انکی شریعت کے تابع کہلائے۔ معجزات میں بعض نبی حضرت مسیح سے ایسے بڑھے ہے کہ بموجب آپ کی کتابوں کے ہڈیوں کے چھونے سے مُردے زندہ ہو گئے اور مسیح ع کے معجزات پراگندگی میں پڑے ہیں کیونکہ وہ تالاب جسکا یوحنا ۵ باب میں ذکر ہے حضرت مسیح کے تمام معجزات کی رونق کھوتا ہے اور پیشگوئیاں کا تو آگے

ہی بہت نرم اور پتلا حال ہے اور پھر کس علمی اور فعلی فضیلت کے رو سے حضرت مسیح کا افضل ہونا ثابت ہوا۔ اگر وہ ضمناً افضل ہوتے تو حضرت **یوحنا** سے اصطباغ ہی کیوں پاتے اُسکے روبرو اپنے گناہوں کا اقرار ہی کیوں کرتے اور نیک ہونے سے کیوں انکار کرتے اگر **الوہیت** ہوتی تو شیطان کو یہ کیوں جواب دیتے کہ لکھا ہے بجز خدا کے کسی اور کو سجدہ مت کر۔ اور آپ نے جو میرے اس بیان پر جرح فرمایا ہے کہ **قرآن شریف** میں یہہ آیت درج ہے کہ تمہارے اختیار میں کچھ بھی نہیں۔ یہہ آپکی غلط فہمی تو نہیں مگر **تجاہل عارفانہ** ہے۔ میں کل کے بیان میں لکھ چکا ہوں کہ اسکے وہ معنے نہیں جو آپ کرتے ہیں بلکہ صرف اسقدر مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے امر اور حکم کے موافق چلنا چاہئیے تمہیں کچھ بھی اختیار نہیں کہ اپنی طرف سے کوئی دخل دو۔ اب دیکھئے کجا یہہ بات کہ بندہ مجبور محض ہے اور کجا یہہ بات کہ ایک موقعہ پر بعض لوگوں کو بیجا دخل سے روکا گیا۔ اور پھر میں کہتا ہوں چاہے آپ سُنیں یا نہ سُنیں کہ قرآن شریف نے بصراحت بارہا اس اختیار کا ذکر کر دیا ہے جسکی وجہ سے انسان مکلف ہے لیکن دوسرے مقامات میں بعض **مذاہب باطلہ** کے رد کرنے کے لئے جو عرب میں موجود تھے یہہ بھی کہا گیا کہ جیسا کہ تم لوگوں کا خیال ہے کہ اور اور معبود بھی کارخانہ الوہیت میں کچھ دخل رکھتے ہیں یہہ غلط محض ہے ہر ایک امر کا مرجع اور مبدء خدا ہی ہے اور وہی علت العلل اور سبب الاسباب ہے۔ یہی غرض تھی جسکے لحاظ سے بعض اوقات خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں بعض درمیانی وسائط اُٹھا کر اپنے علت العلل ہونے کا ذکر کیا جیسے کہ کہا کشتی جو دریا میں چلتی ہے یہہ ہمارا ہی احسان ہے۔ غرض اس جگہ ہمنے آپ کو **کافی جواب دیدیا ہے** کہ قرآن شریف پر جبر کا اعتراض نہیں ہو سکتا اور نہ ہم جبریہ کہلاتے ہیں۔ آپ کو اب تک مسلمانوں کے عقیدہ کی بھی کچھ خبر نہیں۔ یہہ بھی آپ نہیں جانتے جس حالت میں اللہ تعالیٰ چور کے ہاتھ کاٹنے کے لئے اور زانی کے سنگسار کرنے کے لئے قرآن کریم میں صاف حکم فرماتا ہے تو پھر اگر جبری تعلیم ہوتی تو کونسا سنگسار ہو سکتا تھا۔ قرآن شریف میں نہ ایک نہ دو بلکہ صدہا آیات انسان کے اختیار کی پائی جاتی ہیں اگر آپ چاہینگے تو کوئی مکمل فہرست

پیش کردی جائیگی اور اس قدر تو آپ خود بھی مانتے ہیں کہ انسان من کل الوجوہ مختار مطلق نہیں اور اُسکے قویٰ اور جوارح اور دوسرے اسباب بیرونی اور اندرونی پر خدا تعالیٰ کی حکومت کا سلسلہ جاری ہے اور یہی مذہب ہمارا ہے تو پھر کیوں ناحق کج بحثی سے بات کو طول دیتے ہیں دیکھئے جب الزامی طور پر آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا کہ **توریت** میں لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرعون کا دل سخت کر دیا اور **امثال** میں لکھا ہے کہ شریر جہنم کے لئے بنائے گئے۔ تو آپ کیسی رکیک تاویلیں کرتے ہیں اور پھر تعجب کہ قرآن کریم کی آیات بینہ پر ایسی سخت گیری کر رہے ہیں جس نے ایک گروہ تعصب کی حد تک آپکو پہنچا دیا ہے کسی کا یہہ **مقولہ** ٹھیک ہے "گر حفظ مراتب نکنی" قرآن شریف صرف ایک شق کے بیان کرنے کے لئے نہیں آیا بلکہ ایسے ایسے موقعوں پر دونوں شقوں کا بیان کرنا اُسکا فرض ہے۔ کبھی برعایت اپنے علت العلل ہونے کے اپنے تصرفات کا حال بیان کرتا ہے اور کبھی بلحاظ انسان کے مکلف بالاختیار ہونے کے اُسکے اختیارات کا ذکر فرماتا ہے۔

پھر ایک بات کو دوسری بات میں دھسا دینا اور اپنے اپنے موقعہ پر چسپاں نہ رکھنا۔ اگر تعصب نہیں تو اور کیا ہے۔ اور اگر اعتراض اسی کو کہتے ہیں تو ہم ایک ذخیرہ اس قسم کی آیات کا آپ کی توریت و انجیل سے ایک فہرست مرتب کرکے پیش کر سکتے ہیں مگر ان فضول اور کج بحثیوں سے ہمکو سخت نفرت ہے۔ اسمیں کچھ شک نہیں کہ اس مسئلہ میں بلا تفاوت توریت و انجیل اور قرآن کا لفظاً و معنیً پورا اتفاق ہے اور نزاع ایسے کھلے کھلے اتفاق میں ایک **شرمناک جھگڑا** ہے۔ دیکھئے کہ توریت کے لفظ یہہ موجود ہیں کہ "میںنے فرعون کا دل سخت کردیا" اب آپ اُن لفظوں کو کاٹ کر دوسرے لفظ بنا کر یہہ فرماتے ہیں کہ "سخت نہیں کیا بلکہ اُسکو شریر ہونے دیا" حالانکہ پھر بھی مآل ایک جا ٹھہرتا ہے۔ ایک شخص کے روبرو ایک بچہ کوئیں کے قریب بیٹھا ہے اور گرنے کو ہے اور وہ اسکو بچا سکتا تھا۔ اور اُسنے نہ بچایا تو کیا اُسکا قصور نہیں۔ بہر حال جب آپ لفظوں پر گرفت کرتے ہیں۔ کیا ہمارا حق نہیں کہ ہم بھی گرفت کریں اگر قرآن کے لفظوں پر پکڑ ہو سکتی ہے تو ایسے ہی لفظ توریت میں بھی موجود ہیں۔ خاصکر امثال کا حوالہ آپکی **توجہ** کے لائق ہے۔ جسمیں صاف

لکھا ہے۔ مَیں نے شریروں کو بُرے دن کے لئے بنایا۔ اب آپ یہہ لکھاتے ہیں کہ خدا تو کہتا ہے کہ مَیں نے شریروں کو اپنے لئے بنایا۔ دیکھئے کجا بُرے دنوں کے لئے اور کجا اپنے لئے یہ اگر تحریف نہیں تو اور کیا ہے اور پھر آپ نے خدا تعالی کی مالکیت پر بے جا بحث شروع کر کے لوگوں کو دھوکہ دینا چاہا ہے۔ آپ کو واضح ہو کہ خدا تعالی اگرچہ قدوس ہے لیکن بغیر نازل کرنے اپنے قانون کے کسی کو مواخذہ نہیں کرتا اور یہہ بھی بات ہے کہ وہ بجز اسکے کہ بالذات یہ چاہتا ہے کہ کوئی شخص اُس سے شرک نہ کرے اور کوئی اُسکا نافرمان نہ ہو اور کوئی اُسکے وجود سے انکار نہ کرے اور اقسام کے معاصی کو حقیقی معصیت بجز احکام نازل کرنے کے نہیں قرار دیتا۔ دیکھئے حضرت آدم کے وقت میں خدا تعالے اس بات پر راضی ہو گیا کہ حقیقی ہمشیروں کا اُنکے بھائیوں سے نکاح ہو جائے اور پھر مختلف زمانوں میں کبھی شراب پینے پر راضی ہوا کبھی اُسکی ممانعت کی اور کبھی طلاق دینے پر راضی ہوا اور کبھی طلاق کی ممانعت کی اور کبھی انتقام پر راضی ہوا اور کبھی انتقام سے ممانعت کی۔ اور یہ تو انسان کی نوع میں ہے۔ حیوانات کی نوع میں اگر دیکھا جائے تو ماں اور بہن وغیرہ میں کچھ بھی فرق نہیں۔ برابر اور ہر طرح سے خدا تعالے کی نظر کے سامنے نا جایز کام ہوتے ہیں اور انہیں سے اولاد ہوتی ہے۔ پس اس سے **ثابت ہے** کہ کتاب کے نزول سے پہلے مواخذہ قایم نہیں ہوتا اور یہہ تو آپ اقرار کر چکے ہیں کہ یہہ تمام احکام بندہ کے فائدہ کے لئے ہوتے ہیں اور اس بات کا آپ نے کوئی صحیح جواب نہیں دیا کہ جس حالت میں ان تمام امور میں بندہ کا فایدہ ہی متصوّر ہے اور خدا تعالے کے وعد اور وعید سے پہلے مواخذہ بھی نہیں ہوتا تو پھر جبکہ بڑے آسان طریق سے یہہ طریق اس طرح پر چل سکتا ہے کہ خدا تعالے اپنے وعدوں کے موافق توبہ کرنے والوں کی توبہ کو قبول کرے تو پھر کسی دوسرے نامعقول طریق کی کیا حاجت ہے۔ اب **بقیہ** اسکا کسی دوسرے وقت میں بیان کیا جاویگا۔ اس وقت ہم **جہاد** کے بارہ میں جو باقی حصہ ہے بیان کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں جہاد کی بنا صرف امن قایم کرنے اور بتوں کی شان توڑنے اور حملہ مخالفانہ کے روکنے کے لئے ہے اور یہہ آیت یعنی قاتلوا الذین

لا یؤمنون باللہ ولا بالیوم الآخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون آپ کو کیا فائدہ پہنچا سکتی ہے اور کونسا جبر اس سے ثابت ہو سکتا ہے اسکے معنے تو صاف ہیں کہ ان ایسے یہودیوں سے لڑو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں لاتے یعنے عملی طور پر فسق و فجور میں مبتلا ہیں اور حرام کو حرام نہیں جانتے اور سچائی کی راہیں اختیار نہیں کرتے جو اہل کتاب میں سے ہیں جب تک کہ وہ جزیہ اپنے ہاتھ سے دیں اور وہ ذلیل ہوں۔ دیکھو اس سے کیا ثابت ہوتا ہے۔ اس سے تو یہی ثابت ہوا کہ جو اپنی بغاوتوں کی وجہ سے حق کے روکنے والے ہیں اور ناجائز طریقوں سے حق پر حملہ کرنے والے ہیں۔ اُنسے لڑو اور اُن سے دین کے طالبوں کو نجات دو۔ اس سے یہہ کہاں ثابت ہو گیا کہ یہہ لڑائی ابتداءً بغیر اُنکے کسی حملہ کے ہوئی تھی۔ لڑائیوں کے سلسلہ کو دیکھنا ازبس ضروری ہے اور جب تک آپ سلسلہ کو نہ دیکھوگے اپنے تئیں عمداً یا سہواً بڑی غلطیوں میں ڈالوگے۔ سلسلہ تو یہہ ہے کہ اول کفار نے ہمارے نبی صلعم کے قتل کا ارادہ کرکے آخر اپنے حملوں کی وجہ سے انکو مکہ سے نکال دیا۔ اور پھر تعاقب کیا اور جب تکلیف حد سے بڑھی تو پہلا حکم جو لڑائی کے لئے نازل ہوا وہ یہہ تھا۔ اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ (س ۱۷ ع ۱۳) یعنے اُن لوگوں کو مقابلہ کی اجازت دی گئی جنکے قتل کے لئے مخالفوں نے چڑہائی کی اس وجہ سے اجازت دی گئی کہ اُن پر ظلم ہوا اور خدا مظلوم کی حمایت کرنے پر قادر ہے یہہ وہ لوگ ہیں جو اپنے وطنوں سے ناحق نکالے گئے۔ اور اُنکا گناہ بجز اسکے اور کوئی نہ تھا جو ہمارا رب اللہ ہے۔ دیکھئے کہ یہہ پہلی آیت ہے جس سے سلسلہ لڑائیوں کا شروع ہوا اور پھر اسکے بعد خدا تعالیٰ نے اس حالت میں کہ مخالف لڑائی کرنے سے باز نہ آئے یہہ دوسری آیت نازل فرمائی وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین یعنے جو لوگ تم سے لڑتے ہیں انکا مقابلہ کرو اور پھر بھی حد سے مت بڑھو کیونکہ خدا تعالیٰ حد سے بڑہنے والوں کو دوست نہیں رکھتا اور پھر فرمایا واقتلوھم حیث

تثقفتموھم واخرجوھم من حیث اخرجوکم یعنے قتل کرو انہیں جہاں پاؤ اور اسی طرح نکالو جس طرح
اُنہوں نے نکالا۔ پہر فرمایا وقاتلوھم حتی لاتکون فتنۃ ویکون الدین للہ یعنے اس حد تک اُنکا مقابلہ کرو
کہ اُنکی بغاوت دور ہو جاوے اور دین کی روکیں اُٹھ جائیں اور حکومت اللہ کے دین کی ہو جائے اور پہر فرمایا
قل قتال فیہ کبیر وصد عن سبیل اللہ وکفر بہ والمسجد الحرام واخراج اھلہ منہ اکبر عند اللہ والفتنۃ
اکبر من القتل ولا یزالون یقاتلونکم حتی یردوکم عن دینکم ان استطاعوا یعنے شہر حرام میں
قتل تو گناہ ہے لیکن خدا تعالیٰ کی راہ سے روکنا اور کفر اختیار کرنا اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو مسجد حرام سے
خارج کرنا یہہ بہت بڑا گناہ ہے اور بغاوت کو پہیلانا یعنی امن کا خلل انداز ہونا قتل سے بڑہکر ہے اور ہمیشہ قتل
کے لئے یہہ لوگ مقابلہ کرینگے تا اگر ممکن ہو تو تمہیں دین حق سے پہیر دیں اور پہر فرمایا ولولا دفع اللہ الناس
بعضہم۔ الخ یعنے اگر اللہ تعالیٰ بعض کے شر کو بعض کی تائید کے ساتھ دفع نہ کرتا تو زمین فاسد ہو جاتی اور پہر
فرمایا ان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ یعنی اگر تم اُنکا تعاقب کرو تو اسی قدر کرو جو اُنہوں نے کیا ہو۔
ولئن صبرتم لھو خیر للصابرین اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنیوالوں کے لئے اچہا ہے اور پہر اہل کتاب
کا گناہ جتلانے کے لئے فرمایا یا اھل الکتاب لم تصدون عن سبیل اللہ من آمن تبغونھا عوجا۔
اے اہل کتاب کیوں ایمان لانے والوں کو ایمان لانے سے روکتے ہو اور کجی اختیار کرتے ہو۔ پس یہی باعث تہا کہ اہل کتاب
کے ساتھ لڑائی کرنی پڑی کیونکہ وہ دعوت حق کے مزاحم ہوئے اور مشرکوں کو اُنہوں نے مددیں کیں اور اُنکے ساتھ
ملکر اسلام کو نابود کرنا چاہا جیسا کہ مفصل ذکر اسکا قرآن شریف میں موجود ہے تو پہر بجز لڑنے اور دفع حملہ کے اور کیا تدبیر تہی
مگر پہر بہی اُنکو قتل کرنیکا حکم نہیں دیا بلکہ فرمایا حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون یعنے اُس وقت
تک اُن سے لڑو جبتک یہہ جزیہ ذلت کے ساتھ دیدیں اور صاف طور پر فرمادیا یعنے جہاد میں یعنی لڑنے میں اسلام
سے ابتدا نہیں ہوئی جیسا کہ فرماتا ہے وھم بدؤکم اول مرۃ یعنی انہیں مخالفوں نے لڑنے میں ابتدا کی پہر جبکہ
اُنہوں نے آپ ابتدا کی وطن سے نکالا صدہا بے گناہوں کو قتل کیا تعاقب کیا اور اپنے بتوں کی کامیابی کی شہرت
دی تو پہر بجز اُنکے سرکوبی کے اور کونسا طریق حق اور حکمت کے مناسب حال تہا۔ اسکے مقابل حضرت موسیٰ ع کی
لڑائیاں دیکہئے جن لوگوں کے ساتھ ہوئیں کونسی تکلیفیں اور دُکہ اُنسے پہنچے تہے اور کیسی بے رحمی اُن
لڑائیوں میں کی گئی کہ کئی لاکہہ بچے بے گناہ قتل کئے گئے۔ دیکہو ۳۱ باب ۷ آیت گنتی استثنا ۳ باب ۱
سمویل اول ۱۵ ۱ پہر سمویل اول ۲۷ ۸ پہر استثنا ۲۰ اور ان آیات کے رو سے یہہ بہی ثابت ہو گیا۔ کہ ہم

دستخط بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ ازجانب عیسائی صاحبان

دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ ازجانب اہل اسلام

... قاضیوں کی کتاب باب اول ... اور یوشع ... (باقی آئندہ)

ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب نے ۶ بجے ۲ منٹ پر شروع کیا اور ۶ بجے ۴ منٹ پر ختم ہوا اور بلند آواز سے سُنایا گیا ۔ مرزا صاحب نے ۷ بجے ۲ منٹ پر لکھانا شروع کیا اور ۸ بجے ۲۰ منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سُنایا گیا اور ڈپٹی صاحب نے ۹ بجے ۴۲ منٹ پر شروع کیا اور ۱۰ بجے ۲۰ منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سُنایا گیا اور تحریروں پر میر مجلس صاحبان کے دستخط ہو کر جلسہ برخاست ہوا ۔

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک	غلام قادر فصیح
پریزیڈنٹ	پریزیڈنٹ
از جانب عیسائی صاحبان	از جانب اہل اسلام

از جانب ڈپٹی عبد اللہ آتہم صاحب

پرچہ اول

۳ - جون ۱۸۹۳ء

یکم جون کا بقیہ :- ایمان بالجبر پر دیکھو (۱) سورہ انفال میں لکہا ہے کہ وقاتلوہم
حتی لا تکون فتنۃ و یکون الدین کلہ للہ یعنی قتل کرو انکو یہانتک کہ نرہے فتنہ۔
اور دین ہو جاوے کل اللہ کیواسطے۔ (سورہ توبہ کا رکوع ایک) ؞
یعنی جب گذر جائیں مہینہ پناہ کے تو مارو مشرکوں کو اور ڈہونڈہو انکو اور گہات پر
لگے رہو انکے۔ الا اگر تائب ہوں اور نماز و زکوۃ ادا کریں تو انکی راہ کو چہوڑ دو۔ اور اگر کوئی
مشرک پناہ مانگے تو کلام اللہ کے سننے تک پناہ دو۔ پہر پہنچا دو ان کو جائے امن میں ؞
پہر سورہ توبہ کے رکوع اول میں لکہا ہے کہ کہدے پیچہے رہے گنواروں کو کہ آگے تم کو
مقابلہ کرنا ہوگا ایک سخت لڑاکے گروہ کا تم انکو مارو گے یا وہ مانیں گے۔ ماسوا آیۃ ممتازہ
کے یہ اور آیات ہیں جو صاف صاف ایمان بالجبر پر ایما کرتی ہیں ماسوا ان کے وہ جو جہاد
دفعیہ اور انتقامیہ اور انتظامیہ قرآن میں بہت سے بیان ہیں انکا انکار ہمکو کبہی نہ تہا۔ اقسام
جہاد سے یہ خاص قسم ہے جسپر ہمارا زور ہے اور جو ایمان بالجبر پر ایما کرتی ہے۔ کیا معنی اس کے
ہیں کہ یہانتک قتل کرو کہ مخالفت دین اللہ کی باقی نرہے اور کل دین اللہ کا ہی ہوجاوے۔ پہر کیا معنے
اس کے ہیں کہ اگر تائب ہوں اور نماز و زکوۃ ادا کریں تو انکی راہ چہوڑ دو۔ ورنہ ہر راہ سے انکو مارو۔ پہر
انہیں سے ہی اگر کوئی مشرک پناہ مانگے تو کلام اللہ کے سن لینے تک انکو پناہ دیدو اور بعد اس کے امن
میں پہنچا دو یعنی ایسے امن کی جگہہ میں کہ غیر لوگ انکو تکلیف ندیں۔ اور وہ اسلام سے پہر کر
مسلمانوں کو تکلیف ندیں۔ پہر کیا معنے اس کے ہیں کہ تم انکو قتل کروگے یا وہ تسلیم کرینگے۔ خلاصہ
صاف صاف یہ کل امور ایمان بالجبر کے اوپر حکم کرتے ہیں ؞

پرچہ دوم - ۲ جون کا بقیہ جواب :- پہر جناب نے کلام کے مجسم ہونے پر تکرار کیا ہے۔ کلام یعنی اقنوم ثانی

جبکہ پہلے باب انجیل یوحنا میں ایسا لکھا ہے کہ کلام مجسم ہوا مگر مظہریت اسکی واسطے عہدہ مسیحت کے تیس برس کی عمر میں ظاہر ہوئی - جب روح القدس نازل ہوا اور آواز آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے میں اس سے راضی ہوں - جناب بار بار جو تثلیث فی التوحید کے مسئلہ پر اعتراض فرماتے ہیں جناب کو لازم ہے کہ پہلے توحید مطلق کو بدون صفات متعددہ کے اور کچھ ثابت کریں یا کسی شئے میں ماسوائے صفات متعددہ کے اور کچھ دکھلادیں ٭ واضح رہے کہ صفت کی تعریف یہ ہے کہ وہ ایک قوت ہو کہ جو خاص قسم واحد پر حاوی ہو - یعنی جیسے روشنی صرف روشنی ہی کا کام کرتی ہے وغیرہ ویسے ہی ذات جو جامع صفات ہونیکا ایک ہی کام کرتی ہے ٭

یہ نہ بھولنا کہ ہم صفت کو اقنوم قرار دیتے ہیں ہمارے معنے اقنوم کے شخص معین کے ہیں کہ جو مجموعہ صفات ہو اور ہماری دلیل جزو صفت سے جو لی گئی ہے اُس سے ایما ہماری یہ ہے کہ جو جزو پر صادق آتا ہے وہ کل پر بھی آتا ہے ٭ اقانیم ثلثہ کے بارہ میں ہم یہ صورت بیان کرتے ہیں کہ جیسے ایک شئے قائم فی نفسہ ہوتی ہے اور دوسری مساوی اُس کے لازم و ملزوم اُسمیں ہوتی ہے ویسے ہی اوّل اقنوم کہ جسکو اب کہتے ہیں قائم فی نفسہ ہے اور دوسرے اقانیم یعنی ابن اور روح القدس اسمیں لازم ملزوم ہیں اور ایسی چیزیں جو ایک قائم فی نفسہ ہے ہو اور دوسری لازم ملزوم ماہیت کلی کو تقسیم نہیں کرتی گو تمیز اپنی علیحدہ علیحدہ رکھتی ہے

۴ - روح القدس کے بشکل کبوتر نازل ہونے پر جناب نے ایک تمسخر کیا ہے کہ کبوتر کیا شئے ہے ایک چھوٹا سا جانور کیوں نہ ہاتھی اور اونٹ کی شکل میں اُس نے نزول کیا تو اسکے جواب میں آپ کو واضح ہو کہ کبوتر کو بے آزار کر کے لکھا ہے اور خبر دہندہ امان کا وقت طوفان نوح کے - اس لئے اسکی ایما یہ تھی کہ وہ کبوتر کی شکل میں اُتری اور ہاتھی اور اونٹ کو توریت میں ناپاک جانور کر کے لکھے ہیں - انکی شکل میں روح القدس نہیں آسکتی تھی مگر آپکے لطافی پر اگر کوئی کہے کہ جناب کے پیشوا نبی عرب نے کس لئے چھوٹے سے وجود انسانی میں ظہور کیا کیوں نہ سیمرغ میں ظہور فرمایا تو آپ اس لطافی کو کیا کہیں گے ٭

۴ - موسیٰ جبکہ کہتا ہے کہ آنیوالے نبی کی جو میری مانند درمیان تمہارے ہوگا اُسکی سنو
۱
تو کون بڑا ٹہیرا وہ جسکی سُنی جاوے یا وہ جسکا سُننا بند ہو جاوے - پہر خط عبرانیوں کے ۳
۶
میں یہ لکہا ہے کہ موسیٰ گہر کا خادم تہا اور یسوع المسیح مالک - اور پہر موسیٰ یسوع مسیح
کو پہاڑ پر ملنے آیا - یسوع اُس کے ملنے کو نہیں گیا تو بڑائی کس کی زیادہ ہے ؞

۵ - یہ جناب کا خیال غلط ہے کہ کوئی معجزہ چہوٹا اور کوئی بڑا بہی ہوتا ہے - ایک ہی دست
قدرت کی دونو کاریگریاں ہوتی ہیں - مکہی کا بنانا اور ہاتہی کا بنانا ایک ہی قدرت چاہتا
ہے مگر مجہکو بڑا تعجب یہاں یہ ہے کہ جنابنے نبی اسلام کا چہوٹا یا بڑا کوئی بہی معجزہ ثابت نہ
کیا صرف دوسروں کے ہی معجزہ سے اپنا دل خوش فرمایا - یا اپنے کشف و کرامات کا
ذکر کچہہ کیا کہ جس کا ثبوت غیروں پر کبہی کچہہ نہیں ہوا ؞

۶ - یسوع مسیح نے کبہی اقرار اپنے گناہوں کا نہیں کیا نہ لفظاً نہ ضمناً اور نہ اُس کے اوپر کبہی
یہ فتوے لگا ؞

۸ - یہ تو سچ ہے کہ قرآن انسان کو صرف جبریہ ہی نہیں ٹہیراتا بلکہ ایک طرف جبریہ اور دوسری
طرف قدریہ یعنی صاحب اختیار - لیکن ہمارا کہنا یہ ہے کہ جبر اسمیں تقدیم رکہتا ہے اور یہ دو
باہم متناقض بہی ہیں - چنانچہ جبر کے غلبہ کا حوالہ ہم اور آیات سے بہی دیتے ہیں :-

(۱) سورہ نساء کے رکوع ۱۰ میں ہے جسکا حاصل معنی یہ ہیں جو کہتے ہیں کہ بہلائی اللہ
کیطرف سے ہے اور بُرائی تیری طرف سے - تو کہہ کہ سب کچہہ اللہ ہی کیطرف سے ہے (۲) پہر سورہ
نساء کے رکوع ۱۱ میں ہے کہ جسکو اللہ نے گمراہ کیا تم اُسکو راہ پر نہیں لا سکتے اور اُس کے واسطے کوئی
راہ باقی نہیں (۳) پہر سورہ مائدہ کے رکوع ۷ میں ہے اگر خدا چاہتا تو ایک ہی دین ہر کو دیتا
مگر اُسکو آزمانا تمہارا مدنظر تہا ؞ پہر سورہ انعام کے ۱۸ رکوع میں ہے کہ کہتے ہیں کہ اگر چاہتا اللہ
تو ہم شریک نہ ٹہیر الیتے ایسا ہی پہلے بہی کافر کہتے رہے ؞

۹ - انسان کی فعل مختاری پر اطلاق کا لفظ جناب نے غلط لگایا ہے بلکہ وہ اپنی حدود
معینہ میں پورا فعل مختار ہے - میں نے یہ کبہی نہیں مانا جو جناب فرماتے ہیں کہ فعل مختاری
میں دخل غیر بہی کچہہ ہے اور نہ میں کچہہ کج بحثی کرتا ہوں مگر فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

یہ ضد فعل مختاری اور نامختاری انسان میں تو صرف قرآن میں ہی پائی جاتی ہے ۔

۱۰- سخت دلی فرعون کے معنی ہم بار بار کر چکے ہیں آئندہ اسکا تکرار عبث عبث ہے ۔

۱۱- امثال کے باب ۱۶/۴ میں یہ نہیں لکھا کہ شریر کو شرارت کیواسطے بنایا گیا مگر برے دن کیواسطے - جبکی شرح حزقیل کے ۱۸/۲۳ و ۳۲ اور ۳۳/۱۱ اور پطرس کے دوسرے خط ۳/۹ میں اور پہلا طمطاوس کے ۲/۴ میں یہ لکھا ہے کہ شریروں کو مہلت نجات کی دیجاتی ہے اور خدا کی خوشی اسمیں نہیں - جیسا کہ قرآن آپکے نبی کی بابت کہتا ہے کہ واستغفر لذنبک وللمومنین والمومنات معافی مانگ اپنے گناہوں کے لیئے اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لیئے - بپتسما پانے میں یسوع نے اپنی مراد آپ ظاہر کردی ہے یعنی یہ کل راستبازی پوری ہو یعنی متابعت شریعت موجودہ کی کیجاوے - اور واضح رہے کہ شریعت موسوی اور انبیاء سلف کا عمل عیدپنتیکوسٹ کے دن تک رہا ہے جبکہ مسیح نے جی اٹھکر آسمان کیطرف صعود کیا تب سے شریعت عیسوی جاری ہوئی - ورنہ پہلے اس کے شریعت سلف کی تھی خلف کا ذکر تک نہ تھا اب پھر جو جناب یوحنا کو باعث بپتسما دینے یسوع کے بڑا فرماتے ہیں - یوحنا خود یہ کہتا ہے کہ میں اس کے جوتے کا تسمہ کھولنے کے قابل نہیں اور کہ وہ برہ ہے جو سب کے گناہوں کیواسطے ذبح ہوگا - وہ جو جناب نے پھر لفظ نیک کے اوپر تکرار کیا ہے اسکا جواب بتکرار دیا گیا ہے اب اور کچھ کہنا ضرور نہیں - مگر اسقدر یاد دلانا کافی ہے کہ وہ خطاب جو اس نے اس جوان سے فرمایا کہ تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے جبکہ نیک سوائے ایک خدا کے کوئی نہیں اسی شخص سے یہ بھی اخیر میں فرمایا تھا کہ اگر تو کامل ہوا چاہتا ہے تو اپنا سارا مال عاجزوں کو تقسیم کردے اور میرے پیچھے ہولے - لیکن وہ دلگیر ہوکے چلا گیا - اس سے کیا ظاہر ہوتا ہے کہ جانوں اور مالوں سب کا وہ مالک تھا اور وہ جوان نہیں مانتا تھا کہ یہ مالک ہے اسی لئے اسکو متنبہ کیا گیا کہ از انجا تو مجھے خدا نہیں جانتا - بروئے اعتقاد جمہور یہود کے نیک سوائے خدا کے کوئی نہیں ہو سکتا تو پھر مکاری سے مجھے تو نیک کیوں کہتا ہے یہ اسکی مکاری کی اصلاح تھی نہ کہ الوہیت سے انکار ۔

۷- انسان مسیح کا شیطان سے آزمایا جانا کیا نقصان اُسکی الوہیت کو رکہتا ہی انسان ہوکر تو وے امتحان میں کہڑا کیا گیا اور جو آدم اولی گر کر کہو بیٹہا تہا اس نے کہڑا رکہ یا لیا پہر اعتراض کی جگہہ کونسی ہے اور شریر اپنی شرارت میں مر جاتے - پس یہ غلط ہے کہ شریر کو شریر بنایا گیا ہے - جیسے یہ عام غلطی ہے کہ شیطان کو شیطان بنایا گیا صحیح یہ ہے کہ شیطان کو مقدس فرشتہ بنایا گیا تہا پہر اس نے گناہ کر کے اپنے آپ کو شیطان بنا لیا - اور یہ بہی غلط ہے کہ شریر بنانے اور شریر ہونے دینے کا مآل ایک ہی ہے - اور وہ بچے کی مثال بہی جو جناب نے دی اسقدر اصلاح کے لائق ہے کہ اگر وہ نیک و بد کی ماہیت سے آگاہ نہیں یا طاقت نیکی کرنے اور بدی کرنے کی نہیں رکہتا تو مواخذہ عدل سے بہی بری ہے اُسکا مرنا واسطے جہنم کے نہیں

۱۲- جناب نے مجہے دہوکہ باز جو ٹہیرایا ہے اس کے لئے میری طرف سے آپ کو سلام پہنچے - اور آپکے مانگنے بدون ہی میری طرف سے معافی ہی ۞ (باقی آیندہ)

(دستخط بحروف انگریزی) ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان	حسب از جانب حضرت مرزا صاحب	(دستخط بحروف انگریزی) غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام

ڈپٹی عبد اللہ آتہم صاحب نے جسقدر پہر قرآن شریف کی ایسی آیتیں لکہی ہیں جن سے وہ ایمان بالجبر کا نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں - افسوس وہ اُن آیات کے پیش کرنے میں ایک ذرہ انصاف سے کام نہیں لیتے - ہم نے صاف طور پر تحریر گذشتہ میں جتلا دیا ہے کہ قرآن شریف میں ہرگز ہرگز جبر کی تعلیم نہیں ہے ۞

پہلے کفار نے ابتدا کر کے صدہا مومنوں کو تکلیفیں دیں قتل کیا - وطنوں سے نکالا اور پہر تعاقب کیا اور جب انکا ظلم حد سے بڑہ گیا اور اُنکے جرائم خدا تعالی کی نظر میں سزا دہی کے لائق ٹہیر گئے تب اللہ تعالی نے یہ وحی نازل کی - اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا وان اللہ علی نصرہم لقدیر (س ۱۷-۱۳) یعنی جن لوگوں پر یعنی مسلمانوں پر ظلم ہوا اور اُن کے قتل کرنے کے لئے اقدام کیا گیا - اب اللہ تعالی بہی انہیں مقابلہ کرنے کی اجازت دیتا ہے - پہر چونکہ عرب کے لوگ بباعث ناحق کی خونریزیوں کے جو وہ پہلے کر چکے تہے اور بُری بُری ابتداؤں سے مسلمانوں کو

قتل کر چکے تھے اسلئے ایک شخصی قصاص کے وہ مستحق ہو گئے تھے اور اس لائق تھی کہ جیسا اُنہوں
نے ناحق بے گناہوں کو بڑے بڑے عذاب پہنچا کر قتل کیا ایسا ہی انکو بھی قتل کیا جاوے۔
اور جیسا کہ اُنہوں نے مسلمانوں کو انکے وطنوں سے نکال کر تباہی میں ڈالا اور اُن کے مالوں
اور جائدادوں اور گھروں پر قبضہ کر لیا ایسا ہی انکے ساتھ بھی کیا جاوے لیکن خدا تعالے نے
رحم کے طور پر جیسی اور رعائتیں کی ہیں کہ انکے بچے نہ مارے جاویں اور انکی عورتیں قتل نہوں
ایسا ہی یہ بھی رعائت کر دی کہ اگر انمیں سے کوئی مقتول ہونے سے پہلے خود بخود ایمان
لے آوے تو وہ اس سزا سے بچایا جاوے جو بوجہ اسکے پہلے جرائم اور خونریزیوں کے اُسپر واجب
ہوتی تھی۔ اس بیان سے سارا قرآن شریف بھرا ہوا ہے۔ جیسا کہ یہی آئت جو پیش کر چکا ہوں
صاف صاف بیان فرما رہی ہے اور اس کے ساتھ کی دوسری آئت بھی یعنے الذین
اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ (۱۷/۱۲) یعنی وے مظلوم جو اپنے
وطنوں سے بے گناہ نکالے گئے صرف اس بات پر کہ وہ کہتے تھے ہمارا رب اللہ ہے۔ پھر اسکے
بعد یہ آئتہ پیش کرتا ہوں یعنی قاتلوھم حتی لا تکون فتنة ویکون الدین کلہ للہ یعنے
عرب کے اُن مشرکوں کو قتل کرو یہانتک کہ بغاوت باقی نہ رہجاوے اور دین یعنی حکومت
اللہ تعالیٰ کی ہو جاوے۔ اس سے کہاں جبر نکلتا ہے۔ اس سے تو صرف اسقدر پایا جاتا ہے
کہ اُس حد تک لڑو کہ اُنکا زور ٹوٹ جاوے اور شرارت اور فساد اُٹھہ جاوے اور بعض لوگ جیسے
خفیہ طور پر اسلام لائے ہوئے ہیں ظاہر بھی اسلامی احکام ادا کر سکیں۔ اگر اللہ جلشانہ کا
ایمان بالجبر منشا ہوتا جیسا کہ ڈپٹی صاحب سمجھہ رہے ہیں تو پھر جزیہ اور صلح اور معاہدات
کیوں جائز رکھے جاتے اور کیا وجہ تھی کہ یہود اور عیسائیوں کے لئے یہ اجازت دیجاتی کہ وہ جزیہ
دیکر امن میں آجائیں اور مسلمانوں کے زیر سایہ امن کے ساتھہ بسر کریں اور ڈپٹی صاحب
موصوف نے جو مامنہ کے لفظ کی تشریح کی ہے وہ تشریح غلط ہے یعنی اس آئت کی جسکا مطلب یہ ہے
کہ اگر کوئی مشرک قرآن شریف کو سننا چاہے تو اُسکو اپنی پناہ میں لے آؤ۔
جبتک وہ کلام الٰہی کو سُنے پھر اسکو اُسی کے مامن میں پہنچا دو اور اس آئت کے
آگے یہ آئت ہے ذلک بانھم قوم لا یعلمون (سورہ توبہ رکوع ۱) یعنی یہ رعائت

اسلئے ہے کہ یہ قوم بےخبر ہے - اب ڈپٹی صاحب اسکے یہ معنی کرتے ہیں کہ گویا اسکو کلام
الٰہی کے سُننے کے بعد ایسی جگہہ پُہنچا دو جہاں سے بہاگ نہ سکے - جبکہ انصاف اور فہم کا
یہ حال ہے تو نتیجہ بحث کا معلوم - آپ نہیں سمجھتے کہ کلام الٰہی کے تو یہ لفظ ہیں کہ
ثم ابلغہ مامنہ یعنی اُس مشرک کو اُسکی جگہہ امن میں پُہنچا دے اب ایسے صاف اور
سیدھے اور کھلے کھلے لفظ کی تحریف کرنا اور یہ کہنا کہ ایسی جگہہ پُہنچا دو کہ وہ بہاگ نہ سکے
اور مسلمانوں کے قبضہ میں رہے کس قدر ایک بدیہی صداقت کا خون کرنا ہے - پہر ڈپٹی
صاحب اس آئتہ کو پیش کرتے ہیں کہ جسمیں چار مہینے کے گذرنے پر قتل کا حکم ہے - اور
نہیں سمجھتے کہ وہ تو اُن مجرموں کے متعلق ہے جو معاہدوں کو توڑتے تھے جیسا کہ اللہ جلشانہ
فرماتا ہے کیف یکون للمشرکین عہد عند اللہ وعند رسولہ (توبہ رکوع ۲)
جس کا مطلب یہی ہے کہ بعد عہدوں کے توڑنے کے اُن کے قول و اقرار کا کیا اعتبار
رہا اور پہر فرماتا ہے لا یرقبون فی مؤمن الاّ و لا ذمہ و اولیک ھم المعتدون
یہ مشرک نہ کسی عہد کا پاس کرتے ہیں اور نہ کسی قرابت کا اور حد سے نکل جانیوالے
ہیں اور پہر فرماتا ہے وان نکثوا ایمانہم من بعد عہدھم وطعنوا فی دینکم
فقاتلوا ایمۃ الکفر انہم لا ایمان لہم لعلہم ینتھون الا تقاتلون قوماً نکثوا
ایمانہم وھموا باخراج الرسول وھم بدؤکم اوّل مرۃ (توبہ ر ۲) یعنی اگر یہ
مشرک توڑیں قسمیں اپنی بعد عہد کرنے کے اور تمہارے دین میں طعن کریں تو تم
کفر کے سرداروں سے لڑو کیونکہ وہ اپنی قسموں پر قائم نہیں رہے تاکہ وہ باز آجاویں
کیا تم ایسے لوگوں سے نہیں لڑوگے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ دیا اور رسول
کو نکال دینے کا قصد کیا اور اُنہوں نے ہی اول ایذا اور قتل کے لئے اقدام کیا -
اب تمام ان آیات پر نظر غور ڈال کر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اس مقام سے جبر
کو کچھہ بہی تعلق نہیں بلکہ مشرکین عرب نے اپنے ایذا اور خونریزیوں کو یہانتک
پہنچا کر اپنے تئیں اس لائق کر دیا تہا کہ جیسا کہ اُنہوں نے مسلمانوں کے مردوں
کو قتل کیا اور اُنکی عورتوں کو سخت بیرحمی سے مارا اور اُنکے بچوں کو قتل کیا - وہ اس

لائق ٹھیر گئے تھے کہ حضرت موسیٰ کے قانون جہاد کے موافق اُنکی عورتیں بھی قتل کیجائیں
انکے بچے بھی قتل کئے جائیں اور انکے جوان و بڈھے سب تہِ تیغ کئے جاویں اور ان کو
اپنے وطنوں سے جلاوطن کرکے اُنکے شہروں اور دہات کو پھونکا جاوے لیکن ہمارے
نبی صلعم نے ایسا نہ کیا بلکہ ہر طرح سے انکو رعائت دی یہانتک کہ باوجود اُنکے واجب القتل
ہونے کے جو اپنی خونریزیوں کی وجہ سے وہ اسکے لائق ہو گئے تھے انکو یہ بھی رعائت دگئی
کہ اگر کوئی انمیں سے اپنی مرضی سے دین اسلام اختیار کرے تو امن میں آجاوے۔
اب اس نرم اور پُر رحم طریق پر اعتراض کیا جاتا ہے اور حضرت موسیٰ کی لڑائیوں کو
مقدس سمجھا جاتا ہے۔ افسوس ہزار افسوس اگر اسوقت انصاف ہو تو اس فرق کا
سمجھنا کچھ مشکل نہ تھا تعجب کہ وہ خدا جس نے حضرت موسےٰ کو حکم دیدیا کہ تم مصر سے
ناحق بے موجب لوگوں کے برتن اور زیور مستعار طور پر لیکر اور دغگوئی کے طور پر
ان چیزوں کو اپنے قبضہ میں کرکے پھر اپنا مال سمجھ لو اور دشمنوں کے مقابل پر ایسی بیرحمی
کرو کہ کئی لاکھ بچے اُنکے قتل کردو اور لوٹ کا مال لے لو اور ایک حصّہ خدا کا اُس
میں سے نکالو اور حضرت موسیٰ جس عورت کو چاہیں اپنے لئے پسند کریں اور بعض
صورتوں میں جزیہ بھی لیا جاوے اور مخالفوں کے شہر اور دیہات پھونکے جائیں۔ اور
وہی خدا ہمارے نبی صلعم کے وقت میں باوجود اپنی ایسی نرمیوں کے فرماتا ہے بچّوں کو
قتل نہ کرو۔ عورتوں کو قتل نہ کرو۔ راہبوں سے کچھ تعلق نہ رکھو۔ کھیتیوں کو مت جلاؤ۔
گرجاؤں کو مسمار مت کرو اور اُنہیں کا مقابلہ کرو۔ جنہوں نے اول تمہارے قتل کرنے
کے لئے پیش قدمی کی ہے اور پھر اگر وہ جزیہ دیدیں یا اگر عرب کے گروہ میں سے ہیں
جو اپنی سابقہ خونریزیوں کیوجہ سے واجب القتل ہیں تو ایمان لانے پر اُنکو چھوڑ دو
اگر کوئی شخص کلام الٰہی سننا چاہتا ہے تو اُسکو اپنی پناہ میں لے آؤ اور جب وہ سُن چکے
تو اُسکو اُسکی امن کی جگہہ میں پہنچا دو۔ افسوس کہ اب وہی خدا مورد اعتراض ٹھیرایا
گیا ہے۔ افسوس کہ ایسی عمدہ اور اعلےٰ تعلیم پر وہ لوگ اعتراض کر رہے ہیں جو
توریت کی اُن خونریزیوں کو جن سے بچے بھی باہر نہیں رہے خدا تعالیٰ کیطرف سے

سمجھتے ہیں۔ پھر ڈپٹی صاحب نے اپنے رحم بلا مبادلہ کے بیان کی تائید میں فرمایا تھا کہ یہ
بات غلط ہے کہ عدل سے پہلے رحم ہوتا ہے بلکہ عدل سے پہلے جو سلوک کیا جاتا ہے اسکا نام
گوڈنس ہے۔ رحم عدل کے بعد شروع ہوتا ہے افسوس کہ ڈپٹی صاحب موصوف غلطی پر غلطی
کرتے جاتے ہیں میں انکی کس کس غلطی کی اصلاح کروں۔ واضح ہو کہ گوڈنس یعنی نیکی یا احسان صفات
میں داخل نہیں ہے بلکہ ایک کیفیت کے نتائج و ثمرات میں سے ہے وہ چیز جسکا نام صفت
رکھا جاوے وہ اسجگہہ بجز رحم کے اسم سے اور کسی نام سے موسوم نہیں ہو سکتے اور رحم اس کیفیت
کا نام ہے کہ جب انسان یا اللہ تعالیٰ کسیکو کمزور اور ضعیف اور ناتوان یا مصیبت زدہ اور
محتاج مدد پاکر اسکی تائید کے لیئے توجہ فرماتا ہے۔ پھر وہ تائید خواہ کسی طور سے ظہور میں آوے
اسکا نام گوڈنس رکھہ لو یا اسکو نیکی اور احسان کہدو۔ ہو سکتا ہے احسان کوئی صفت نہیں ہے
اور کسی کیفیت راسخہ فی القلب کا نام نہیں ہے بلکہ وہ اس کیفیت راسخہ یعنی رحم کا لازمی
نتیجہ ہے مثلاً جب ایک شکست دیا محتاج ہو کا ہماری نظر کے سامنے آئیگا تو اسکی پہلی
حالت ناتوانی اور ضعف دیکھہ کر ہمارے دل میں ایک کیفیت رحم کی اسکے لیئے پیدا ہوگی
تب اس رحم کے جوش سے ہم نیکی کرنے کی توفیق پائیں گے اور آپکا وہ گوڈنس ظہور میں آئیگا
تو اب دیکھو وہ گوڈنس رحم کی صفت کا ایک ثمرہ اور نتیجہ لازمی ہوا۔ یا خود بجائے رحم
کے ایک صفت ہے۔ منصفین اسکو خود دیکھہ لیں گے اور پھر آپ فرماتے ہیں کہ رحم عدل
کے بعد پیدا ہوتا ہے اس تقریر سے آپ کا مطلب یہ ہے کہ تا قرآن شریف یعنی سورہ
فاتحہ میں جو آیۃ الرحمٰن الرحیم ہے اسپر زد کریں لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت سے
اس سے تو خود آپ کی حالت علمیت کی پردہ دری ہوئی جاتی ہے اس بات کو کون
نہیں جانتا کہ رحم جیسا کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں ضعیف یا ناتوان یا مصیبت زدہ
کو دیکھہ کر پیدا ہوتا ہے یہ نہیں کہ عدل کے بعد ظہور میں آوے۔ ایسا ہی توریت میں ہے
عزرا ۱۱/۳ و نحمیاہ ۹/۲ و ۹/۱۹ زبور ۵/۶ و ۱/۱۰۶ - اور نیز آپکا یہ قول جو بار بار پیش کر رہے ہیں
جو رحم اور عدل کی گویا باہم لڑائی ہے اور اس لڑائی کے فرو کرنے کے لیئے کفارہ کی تجویز
ہوئی یہ آپکا بیان سراسر غلط ہے اس بات میں کچھہ بھی شک نہیں کہ گناہ اسوقت پیدا

پیدا ہوتا ہی کہ جب اول قانون فرمانبرداری کا شائع ہو جائے کیونکہ نافرمانی فرمانبرداری کے بعد ہوا کرتی ہے پھر جبکہ یہ صورت ہے تو صاف ظاہر ہے کہ جب قانون نازل ہوگا اور خدا تعالیٰ کی کتاب اپنے وعدوں کے مطابق عملدرآمد کریگی یعنی اسطرح کے احکام ہونگے کہ فلاں شخص فلاں نیک کام کرے تو اسکا اجر یہ ہوگا یا بدکام کرے تو اسکی سزا یہ ہوگی تو اس صورتمیں کفارہ کا دخل کسی طور سے جائز نہیں جبکہ وعدہ وعید کے مطابق فیصلہ ہوتا ہے تو اس صورتمیں ایک بیٹا نہیں اگر ہزار بیٹے بھی صلیب پر کھینچے جاویں تب بھی وعدہ میں تخلف نہیں ہو سکتا اور کسی کتاب میں نہیں لکہا کہ خدا تعالیٰ اپنے وعدونکو توڑتا ہے اور جبکہ تمام مدار وعدوں پر ہے کسی حق پر نہیں ہے تو وعدوں کے مطابق فیصلہ ہونا چاہیے آپ کا یہ باربار فرمانا کہ حقوق کے مطابق فیصلہ ہوتا ہے مجھے تعجب دلاتا ہے آپ نہیں سوچتے کہ خدا تعالیٰ کے مقابل کسی کا حق نہیں ہے اگر حق ہوتا تو پھر خدا تعالیٰ پر صدہا اعتراض ہر طرف سے قائم ہوتے جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں کیڑے مکوڑے اور ہر ایک قسم کے حیوانات جو خدا تعالیٰ نے پیدا کئے کیا یہ مواخذہ کر سکتے ہیں کہ ہمیں ایسا کیوں بنایا- اسی طرح خدا تعالیٰ بھی قبل از تنزیل کتاب یعنی کتاب بھیجنے سے پہلے کسی پر مواخذہ نہیں کرتا- اور یوں تو خدا تعالیٰ کے حقوق اُسکے بندوں پر اسقدر ہیں کہ جسقدر اُسکی نعمتیں ہیں یعنی شمار میں نہیں آسکتے لیکن گناہ صرف وہی کہلائیں گے جو کتاب نازل ہونیکے بعد نافرمانیوں کی مد میں آجائیں گے اور جبکہ یہ صورت ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ دراصل عام طور پر اپنے حقوق کا مطالبہ نہیں کرتا کیونکہ وہ لاتعد ولاتحصی ہیں بلکہ نافرمانیوں کا مواخذہ کرتا ہی اور نافرمانیاں جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں- وعد اور وعید سے وابستہ ہیں یعنے اگر نیکی کرے تو اُسکو ضرور نیک جزا ملیگی اور اگر بدی کرے تو اُسکو بد ثمرہ ملیگا اور ساتھ اسکے یہ بھی وعدہ ہے کہ ایمان اور توبہ پر نجات ملیگی تو پھر اس صورتمیں کفارہ کا کیا تعلق رہا- کیا کسی کے مصلوب ہونے سے اللہ تعالیٰ اپنے وعدوں سے دست کش ہو سکتا ہے صاحب یہ تو قانونی سزائیں ہیں جو انسانوں کو ملینگی- حقوق کی سزائیں نہیں جیسا کہ آپکا بھی یہی مذہب ہے پھر جبکہ یہ حالت ہی تو یہ جزائیں اور سزائیں صرف

وعدہ وعید کی رعایت سے ہوسکتے ہیں اور کوئی صورت نہیں ہیجو اسکے برخلاف ہو اور یہ بات سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ بدی پر نہ ہی نہیں بلکہ غیر راضی نہیں اس سے کون انکار کرسکتا ہے مگر جرائم اسوقت جرائم کہلاتے ہیں جب قانون انکو جرائم ٹہیرا دے ورنہ دنیا میں صد ہا طور کے ناجائز امور ہوتے اور ہورہے ہیں وہ اگر کتاب الٰہی سے خارج ہوں تو کیونکر جرائم ہوسکتے ہیں مثلاً جیسے انسان قتل و خونریزی کرتا ہے ایک درندہ بھی مثلاً شیر ہمیشہ خونریزی کرکے اپنا پیٹ بہرتا ہے اور جیسے انسان کو اپنے امور نکاح کے متعلق ماں بہن اور اور رشتوں سے پرہیز ہوتا ہے جانوروں میں یہ بھی نہیں پایا جاتا اور یہ بھی ہے کہ انسانوں میں شریعت کے ذریعے بھی ایسے احکام بدلتے رہے ہیں کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام کو اجازت ہوئی کہ لڑائی میں جو عورتیں پکڑی جائیں انمیں سے جنکو پسند کریں اپنے لئے رکھہ لیں بچوں کو قتل کردیں بیگانہ مال دروغگوئی کے طور لیکر اپنے قبضہ میں کریں اور دور دراز منازل تک بسیر اکل و شرب کا اندازہ ہو لوگوں کے شہروں کو پہونکدیں مگر یہ اجازت دوسری شریعتوں میں کہاں ہوئی ؎ (باقی آئندہ)

بیان ڈپٹی عبد اللہ آتہم صاحب

بقایا بیان سابقہ امروزہ :-

۱۴- موسیٰ کی لڑائیوں میں امان بشرط ایمان جناب نہ دکہلا سکینگے اور دباؤ میں ہیں جیساکہ طوفان نوح تہا یا اور مریانی میں جناب نہیں کہہ سکتے کہ بحکم خدا نہیں یا معصوم ان میں مارے جانے سے نامعصوم ٹہیر جاتے ہیں - پس یا تو انکار فرمایئے کہ توریت کلام اللہ نہیں یا اعتراضوں کو بند کیجئے - ہمارے اعتراض قرآن کے اوپر صفات ربانی کے مخالف ہونے کے باعث ہیں اور اس سے ہمارا نتیجہ یہ ہے کہ وہ کلام اللہ نہیں ہوسکتا اور نبی اسلام صلعم رسول اللہ نہیں ہوسکتے اور ان اعتراضوں کے برخلاف ہمنے کبھی تسلیم نہیں کیا کہ وہ کلام الہامی ہے اور یہ رسول حقیقی - پس یہ ویسا اعتراض نہیں کہ جیسے آپ توریت پر کرتے ہیں کہ جسکو آپ بروئے قرآن کلام اللہ بھی جانتے ہیں اور موسیٰ کو رسول اللہ بھی اور پہر معترض ہوتے ہیں - جیسے ہمنے صفات الٰہی کے مخالف تعلیمات قرآنی کو تہوڑا سا

ظاہر کیا ہے ہم چند تعلیمات قرآنی اور بھی بیان کرتے ہیں۔ مثلاً ایک یہ کہ قرآن بجائے حق پرستی کے ناحق کے خوف کی پرستش جائز کرتا ہے جیسے کہ سورہ نحل میں لکھا ہے کہ جو شخص ایمان اللہ کے بعد منکر ہو نام اللہ کے کرے بشرطیکہ وہ مجبور نہ ہوا اور اپنے دل میں مطمئن ہو ایسے پر اللہ کا غضب ہے یعنی حالت مجبوری میں اور اطمینان دلی میں بابت حق ہونے اللہ کے انکار اللہ سے قابل غضب الٰہی کے نہیں اور یہ صاف ناحق کی خوف پرستی ہے بجائے حق پرستی کے جو حق کہ قادر مطلق ہے اور پھر سورہ کہف میں لکھا ہے کہ ذوالقرنین جب مغرب میں پہنچا تو اُسنے پایا کہ غروب ہونا سورج کا دلدل کی ندی میں ہوتا ہے۔ اگرچہ یہاں پانا ذوالقرنین کا لکھا ہے لیکن کلام قرآنی کی تصدیق کے سوا نہیں یعنی تصدیق قرآنی اسکے ساتھ ہے اور یہ امر واقعی نہیں پھر اسکو حق کے ساتھ کیونکر موافق کیا جائے ۔۔

(۳) روزہ کے رکھنے کی حدود زمانہ قرآن میں یہ بیان ہوئی ہیں کہ دن کی سفید دھاری کے نکلنے سے پہلے شروع کیا جائے اور شام کی سیاہی کی دھاری کے آنے تک اسکو رکھا جائے اسمیں سوال یہ ہے کہ اگر قرآن کل انسانوں کیواسطے ہے تو گرمنیڈ لینڈ اور آئیس لینڈ کا حال کیا ہوگا؟ جہاں چھ مہینے تک سورج طلوع نہیں کرتا۔ اگر کہو کہ وہاں وقت کا اندازہ کر لینا چاہئے تو اسکا جواب یہ ہے کہ قرآن وقت کا اندازہ خود کرتا ہے اور کسی دوسرے کو اسکا اندازہ کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ چند برائے نمونہ وہ تعلیمات قرآنی ہیں جو بالبداہت صداقت کے برخلاف ہیں ۔۔ (۴) اسوا اسکے ظاہر ہے کہ چھوٹا بڑے کی قسم کھا سکتا ہے اور معنی قسم کے یہ ہیں کہ اگر اسکا بیان جھوٹا ہو تو اس بڑے کی مار اُسپر پڑے لیکن جبکہ قرآن میں اونچی چھت۔ اُبلتے پانی اور زیتون اور قلم وغیرہ کی قسمیں لکھی ہیں تو یہ چیزیں خدا کو کیا نقصان پہنچا سکتی ہیں اور ایسی قسمیں صرف ہنسی کی سی معلوم نہیں ہوتیں تو اور کیا ہیں؟

جواب امروزہ

۱۔ جناب فرماتے ہیں کہ ایمان بالجبر کی تعلیم قرآن میں نہیں ہے۔ اسپر اور کچھ کہنا ضرور نہیں۔ منصف ہر دو کے بیانوں کو دیکھ لیں گے۔ خود ہی انصاف کر لینگے۔ قہر الٰہی

کے حکم کی تعمیل اور بات ہے اور پالیسی کی تجویز کی تعبیر اور بات ہے موسیٰؑ کو حکم الٰہی تہا کہ ان سات قوموں کو بالکل عدم کر دیں جیسے کہ طوفان کا حکم ہو یا خاص وبا کا حکم ہو کہ جسمیں گنہگار تو مارے جاتے ہیں اور بے گناہوں کا امتحان ختم ہو جاتا ہے انکو گنہگار نہیں بنایا جاتا مگر جناب کے حکم پالیسی کے ہیں جسمیں لکھا ہے کہ بچے اور عورتیں وغیرہ محفوظ رکہے جاویں اور جو شخص اسلام پر آجائے اسکو امان دیا جاوے۔ پس یہی تو امان منحصر بر ایمان ہے جسپر اعتراض قائم ہوتا ہے اور خدا کے وباؤں کے اوپر خواہ کسی اسباب سے ہوں کوئی اعتراض قائم نہیں ہوتا۔ مامنہ کے معنے یہ نہیں کہ اُسی شخص کا وطن اور گہر امن کا ٹہیرایا جاوے بلکہ سورہ انفال میں ایک آیت ہے کہ جسکا حوالہ میں ابہی ڈہونڈھکے دونگا جسمیں لکھا ہے کہ جو گہر چہوڑکے ہمارے بیچ میں آکر رہے ہمارے جنگ سے محفوظ نہیں یہاں سے ثابت ہے کہ مامنہ وہی جگہ ہے کہ جہاں انپر غیر لوگ تکلیف نہ پہنچا سکیں اور اُنکو دین سے پہر جانیکا پہر موقع نہ ملے۔

ہم نے بہت قسم کے جہاد جناب کے تسلیم کر لئے ہیں ہمارا اعتراض جہاد ایمان بالجبری پر ہے جو اس سے سوا آپنے فرمایا وہ سو ہی ہے۔ ہماری آیات سند کا آپنے اچہیطرح سے جواب نہیں دیا۔ اور وہ جو آپنے فرمایا ہے کہ موسیٰؑ نے اچہی اچہی عورتیں جو لوٹ سے بچالی گئیں خود رکہہ لیں توریت سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ جو اُس نے ایک شادی رعوایل یا تیرو کی لڑکی سے شادی کی تہی اسکے سوا اور کوئی شادی نہیں کی اور نہ لونڈی رکہی۔ البتہ اس نے بعض عورات کو جو لوٹ میں بنی اسرائیل لائے رکہہ چہوڑنے کی اجازت دی لیکن اُنکا پیچہے رونے والا بہی کوئی نہ تہا کیونکہ سب کا قتل عام کا حکم تہا۔ اور ایسا ہی ہر وباء میں ہوتا ہے کہ بمشیت الٰہی بعضے بچ بہی جاتے ہیں۔ لیکن قرآن میں جو لوٹ کی عورتیں اور خرید کی عورتیں جائز رکہی گئی ہیں اُن کو آپ کسطرح سے چہپا سکتے ہیں کہ جنکے پیچہے رونیوالے بہی موجود تہے دیکہو سورہ احزاب میں جسمیں یہ لکہا ہے۔ یاایہا النبی انا احللنا لک ازواجک التی اتیت اجورہن وما ملکت یمینک جسمیں ملک ہونا بذریعہ خرید کے ہے اور فئی بذریعہ لوٹ کے ہے اور جو سر سید احمد خاں صاحب نے اس آیت کی تفسیر کی ہے اسکا موقع ابہی نہیں مگر پیچہے سہی

انکی غلطی ہم دکھادینگے ۔

موسیٰ کی لڑائیوں میں ہمنے فرق دکھلادیا کہ وہ بحکم الٰہی تہیں دبانشان اور قرآن کی لڑائیاں ظاہر ہے کہ ہا لیسی کی تہیں - جسکے واسطے کبہی تصدیق کسی معجزہ کی نہیں ہوئی اور تعلیمات اسکے برخلاف صفات ربانی کے ہیں لہذا ہم اسکو الہام نہیں کہہ سکتے ۔

۲ - یہ تو سچ ہے کہ برتن سونے چاندی کے بنی اسرائیل نے مصریوں سے مستعار لئے تہے لیکن وہ سونا چاندی جس حقیقی مالک کی ملک ہیں یعنے خدا کی - اسی خدانے انکو اجازت دی کہ اپنے پاس رہنے دو پہر اسمیں ظلم کونسا ہے - اہل کتاب کیواسطے جزیہ گذاری اور ذلت قرآن نے قرار دی ہے وہ بیشک قتل عام سے تو مستثنے کئے گئے ہیں لیکن آپ نہیں کہہ سکتے کہ جزیہ گذاری اور ذلت وخواری سے گذارنا کوئی ہلکی نہیں اور وہ ایذا مطلق ہے خواہ نخواہ کچھہ تو ایذا اسمیں ہے آگے ہم تواریخ کا حوالہ آپکو کچھہ نہ دینگے کہ کیا کچھہ گذرا ہے ہمنے صرف قرآن کو لیا ہے اسی کے اوپر اعتراض کرتے ہیں اور نہیں کرتے ۔

۳ - جناب گوڈنس کو شعبہ مربی یعنے رحم کا قرار دیتے ہیں لیکن مجہکو معاف رکہئے کہ ایک ایسی غلطی ہے کہ عام غور کرنیوالا سمجھہ سکتا ہے گوڈنس وہ ہے جو حق سے زیادہ احسان دکھلاتی ہے اور رحم وہ ہے جو مواخذہ عدل سے چہوڑتا ہے - لیکن جناب کو خواہ نخواہ منظر یہ ہے کہ کہیں تعلیم کفارہ کی ثابت نہو جائے اسلئے آپ ان باتوں کے سمجھنے کو پسند نہیں فرماتے ۔

یہ ایک عجیب امر آپ فرماتے ہیں کہ رحم کو تقدیم ہے عدل کے اوپر - اور عجب اسمیں یہ ہے کہ رحم مواخذہ پر آتا ہے یعنی مواخذۂ عدل پر تو اسکو تقدیم کیونکر ہوئی - درست کہنا تو یہ ہے کہ ہر صفت اپنے اپنے موقع پر ظہور کرتی ہے اور وہ جو چند باتیں جناب رحم کے متعلق سمجہتے ہیں - درحقیقت گوڈنس کے متعلق ہیں رحم سے انکا علاقہ کچھہ نہیں - تہوڑی سی شرح کیواسطے گوڈنس کی تعریف ہم اور بہی کردیتے ہیں - مثال - اگر کوئی شخص اپنے جانوروں کو اچہیطرح سے نہلاتا کہلاتا - پلاتا ہے اس سے زیادہ کہ اگر اسکو چہوڑ دیا جائے تو کبہی میسر نہو تو یہ گوڈنس ہے اور اگر کوئی شخص اپنے جانوروں کو جو اسکی حفاظت میں ہیں ایذا دیوے اور اس ایذا میں وہ خوش ہو - یہ وہ امر ہے کہ گوڈنس کے برخلاف ہے - ہر ایک مخلوق جو عدم سے بوجود

آتا ہے اسکے کچھہ حقوق اپنے خالق پر ہیں چنانچہ ایک یہ کہ وہ انکو ہر حاجت میں دُکھہ دینے والے سے بری رکھے یہانتک عدل ہے مگر جو اس سے بڑھکر انکو سُکھ کی افزونی دیوے یہ گوڈنس ہے - اور جب کوئی شخص اپنے اعمال سے جو اُس نے دیدہ و دانستہ و باختیار خود کیا ہو مواخذہ عدل میں ہو اس سے چھوڑانے کو رحم کہتے ہیں ؁

۴ - جانوروں کی بابت میں جو شکم سیری و معیشت نفسی کی بابت فرمایا ہے اگر اُن کے معقولوں کو کچھہ دکھہ ہے تو جناب کو ثابت کرنا چاہیے کہ ان تین دکھوں کے ماسوا ہے جو ہمنے پہلے ذکر کیا ہے اور مواخذہ عدل کے لائق ہے ورنہ انپر الزام ہی کیا ہے - اور جو ماہیت ظلم سے بہی آگاہ نہیں یا تفاق جناب اسکو مواخذہ ہی کیونکر ہو سکتا ہے - پس اس فلاسفہ کے غواصی میں جناب چو طرف ایک شئے کے نہیں پہرے اور اندر باہر اسکے نظر نہیں کی - جب کلی ماہیت اسکی معلوم کریں گے تب ایسے دلائیل کو پیش بہی نہ کرینگے ؁

۵ - ہمنے ایک سوال کیا تہا بابت فرشتوں اور پیدائش مسیح کے اُسپر ہمارا بہت کچھہ کہنا ہے - اسکا جواب ہنوز آپنے نہیں دیا - ہم انتظار اس کا کرتے ہیں ؁

دستخط بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک
پریزیڈنٹ
از جانب عیسائی صاحبان

دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح
پریزیڈنٹ
از جانب اہل اسلام

روئداد آخری دن جلسہ مباحثہ

۵ - جون سنہ ۱۸۹۳ء

مرزا صاحب نے ۶ بجے ۱۰ منٹ پر جواب لکھنا شروع کیا اور ۷ بجے ۱۰ منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سُنایا گیا - اور باہمی اتفاق سے قرار پایا کہ آج بحث ختم ہو اور آجکا دن بحث کا آخری دن سمجھا جاوے ۔

مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب نے ۷ بجے ۵۵ منٹ پر شروع کیا اور ۸ بجے ۵۵ منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سُنایا گیا ۔

مرزا صاحب نے ۹ بجے ۲۳ منٹ پر شروع کیا اور ۱۰ بجے ۲۳ منٹ پر ختم کیا ۔

جناب خواجہ یوسف شاہ صاحب آنریری مجسٹریٹ امرتسر نے کھڑے ہوکر ایک مختصر تقریر فرمائی اور حاضرین جلسہ کیطرف سے دونو میر مجلسوں کا خصوصاً ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب کا شکریہ ادا کیا کہ اُنکی خوش اخلاقی اور عمدہ انتظام کیوجہ سے یہ جلسہ ۱۵ دن تک بڑی خوش اسلوبی اور خوبی کے ساتھ انجام پذیر ہوا اور اگر کسی امر پر اختلاف پیدا ہوا تو دونو میر مجلسوں نے ایک امر پر اتفاق کر کے ہر دو فریق کو رضامند کیا اور ہر طرح انصاف کو مد نظر رکھکر صورت امن قائم رکھی ۔

بعد ازاں تحریروں پر میر مجلسوں کے دستخط ہو کر جلسہ برخاست ہوا ۔ ۵ جون ۱۸۹۳ء

دستخط

بحروف انگریزی — بحروف انگریزی

غلام قادر فصیح
پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام

ہنری مارٹن کلارک
پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان

ازجانب حضرت مرزا صاحب

ڈپٹی صاحب اور میرے سوال و جواب بطور حرف عین اور غین سے ہیں یعنی ڈپٹی صاحب سے مراد ع اور مجھسے مراد غ ہے ۔

ع - قرآن میں لکھا ہے کہ ویکون الدین کلہ للہ یعنی یہانتک قتل کرو کہ کل دین اللہ ہی کا ہو جاوے اور زمین پر کفر باقی نرہے ۔

غ - اگر درحقیقت کل دینوں سے قرآن نے یہی معاملہ کیا ہے کہ یا ایمان اور یا قتل تو آپ ایسے معنی کرنے میں سچے ہیں ورنہ جو حال ہے سمجھ لیجیے ۔

ع - اگر ایمان بالجبر نہ تہا تو عربوں کے لئے یہ کیوں شرط لگائی گئی کہ یا ایمان یا قتل ۔

غ - قتل کا حکم عربوں کی نسبت اُنکی خونریزیوں کی وجہ سے تہا جو اسلامی لڑائیوں سے پہلے انہوں نے اسلام کے غریب اور گوشہ گزین جماعت کو قتل کرنا شروع کیا اور ایمان پر رہائی دینا اُنکے لئے ایک رعایت تہی جو صفات الٰہیہ کے مخالف نہیں دیکہو کتنی دفعہ توبہ کیوقت یہود یونکو خدا تعالےٰ نے اپنی قہر سے نجات دی اور عتاب بہی نرمی کا حکم فرمایا گیا ۔

ع - موسیٰ کی لڑائیوں میں امان بشرط ایمان جناب کہلا نہ سکے ۔

غ - امان بشرط جزیہ تو آپ دیکہہ چکے - دیکہو قاضیوں کی کتاب باب ۱ ۲۸ تا ۳۵ پہر صلح کا پیغام بہی سن چکے اگر قہر تہا تو پہر صلح کیسی دیکہو استثناء ۲۰ : ۱ صلح کرنیوالا ایمان سے قریب ہو جاتا ہے اور پہر ایمان لانے سے کون روکتا ہے ۔

ع - معصوم بچوں کو قتل کرنا دیا انکی موت کیطرح ہے ۔

غ - ننہے ننہے شیرخوار بچوں کو انکی ماؤں کے سامنے تلواروں اور برچہیوں سے قتل کرنا نہ ایک دو بلکہ لاکہا بچوں کو اگر یہ خدا تعالےٰ کے حکم سے ہے تو پہر قرآنی جہاد کیوں جائے اعتراض سمجہے جاتے ہیں کیا خدا تعالےٰ کے یہ صفات ہیں اور وہ نہیں ۔ ع - موسیٰ کو حکم تہا کہ ان سات قوموں کو بالکل عدم کر دیوے ۔

غ - کہاں وہ قومیں عدم کیگئیں صلح کیگئی جزیہ پر چہوڑے گئے - عورتیں باقی رکہی گئیں ۔

غ - اسلام لانے کیلئے جبر کیا گیا ہے ۔

غ - جس نے لا اکراہ فی الدین فرمایا صلح کو قبول کیا جزیہ دینے پر امان دیدی اسکو کون جابر کہہ سکتا ہے

ع - قرآن کی یہ تعلیم ہے کہ بہ بہتان مکار کی کثرت سے اتر رہیں میں نے ڈپٹی صاحب کے قول سے ایسا سمجھا ہے

غ - اگر یہی تعلیم ہے تو آیت قرآن شریف کی پیش کیجئے بلکہ جنھوں نے تلوار سے قتل کیا وہ تلوار ہی سے مارے گئے جنھوں نے ناحق غریبوں کو لوٹا وہ لوٹے گئے جیسا کیا ویسا پایا بلکہ اُنکے ساتھ بہت نرمی کا برتاؤ ہوا جسپر آج اعتراض کیا جاتا ہے کہ کیوں ایسا برتاؤ ہوا سب کو قتل کیا جاتا۔

ع - قرآن نے جائز رکھا کہ خوف زدہ ایمان کا اظہار نہ کرے۔

غ - اگر قرآن کی یہی تعلیم ہے تو پھر یہی قرآن میں یہ حکم کیوں ہے وجاہدوا فی سبیل اللہ باموالہم وانفسہم (سورہ توبہ رکوع ۶) اور کانہم بنیان مرصوص ۲۸/۹ اور یہ کہ ولا یخشون احدا الا اللہ (۲۲/۴) اصل بات یہ ہے کہ ایمانداروں کے مراتب ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فمنہم ظالم لنفسہ ومنہم سابق بالخیرات ۲۲/۱۴ یعنی بعض مسلمان تو ایسے ہیں جنپر نفسانی جذبات غالب ہیں اور بعض درمیانی حالت کے ہیں اور بعض ہیں کہ انتہائی کمالات ایمانیہ تک پہنچ گئے ہیں پھر اگر اللہ تعالیٰ نے رعایت اُس طبقہ مسلمانوں کی جو ضعیف اور بزدل اور ناقص الایمان ہیں یہ فرمادیا کہ کسی جان کے خطرہ کے بچانے میں اگر وہ دل میں اپنے ایمان پر قائم رہیں اور زبان سے گو اس ایمان کا اقرار نہ کریں تو ایسے آدمی معذور سمجھے جاوینگے مگر ساتھ اسکے یہ بھی فرمادیا کہ وہ ایماندار بھی ہیں کہ بہادری سے دین کی راہ میں اپنی جانیں دیتے ہیں اور کسی سے نہیں ڈرتے اور پھر حضرت پولوس کا قول آپ پر پوشیدہ نہیں جو فرماتے ہیں کہ میں یہودیوں میں یہودی اور غیر قوموں میں غیر قوم ہوں اور حضرت پطرس صاحب بھی مخالفوں سے ڈر کر تین مرتبہ انکار کر دیا بلکہ آگے بڑھ کر (نقل کفر کفر نباشد) حضرت مسیح پر لعنت بھی بھیجی اور اب بھی ہم نے تحقیقاً سُنا ہے کہ بعض انگریز اسلامی ملکوں میں مصالح کیلئے جا کر اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرتے ہیں

ع - قرآن میں لکھا ہے کہ ذوالقرنین نے آفتاب کو دلدل میں غروب ہوتے پایا۔

غ - یہ صرف ذوالقرنین کے واقعات کا بیان ہے آپ بھی اگر جہاز میں سوار ہوں تو آپ کو بھی معلوم ہو کہ سمندر ہی سے آفتاب نکلا اور سمندر میں ہی غروب ہوتا ہے قرآن نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ علم ہیئت کے موافق بیان کیا جاتا ہے ہر روز صدہا استعارہ بولے جاتے ہیں مثلاً اگر آپ یہ کہیں کہ آج میں ایک کابلی پلاؤ کی کھا کر آیا ہوں تو کیا ہم یہ سمجھ لیں کہ آپ

نکالی کو کہا گئے اگر آپ یہ کہیں کہ فلاں شخص شیر ہے کیا ہم یہ سمجھ لیں کہ اسکے پنجے شیر کیطرح اور ایک دم بھی ضرور ہوگی - انجیل میں لکھا ہے کہ وہ زمین کے کنارہ سے سلیمان کی حکمت سُننے آئی حالانکہ زمین گول ہے کنارہ کے کیا معنے - پھر یسعیاہ باب ۱۲/۴۸ میں یہ آئت ہے ساری زمین آرام سے اور ساکن ہے مگر زمین کی تو جنبش ثابت ہو چکی ❊

ع - جہاں چھہ ماہ تک سورج نہیں چڑھتا روزہ کیونکر رکھیں ❊

غ - اگر ہم نے لوگوں کی طاقتوں پر اُنکی طاقتوں کو قیاس کرنا ہے تو انسانی قوے کی جڑھ جو حمل کا زمانہ ہے مطابق کر کے دکھلانا چاہیے پس ہمارے حساب کی اگر پابندی لازم ہے تو ان بلاد میں صرف ڈیڑھ دن ہی میں حمل ہونا چاہیے اور اگر اُنکے حساب کی تو دو سو چھیاسٹھ برس تک بچہ پیٹ میں رہنا چاہیے اور یہ ثبوت آپکے ذمہ ہے - حمل صرف ڈیڑھ دن تک رہتا ہے لیکن دو سو چھیاسٹھ برس کیحالت میں یہ تو ماننا کچھ بعید از قیاس نہیں کہ وہ چید ماہ تک روزہ بھی رکھ سکتے ہیں کیونکر انکا دن کا بھی مقدار ہے اور اس کے مطابق انکے قوے بھی ہیں ❊

ع - رحم عدل کے بعد ہوتا ہے اور گوڈنس یعنی احسان پہلے ❊

غ - احسان کوئی صفت نہیں بلکہ رحم کی صفت کا نتیجہ ہے مثلاً یہ کہینگے کہ فلاں شخص پر مجھکو رحم آیا - یہ نہیں کہینگے کہ فلاں شخص پر مجھکو احسان آیا - رحم بیمار و نپر آتا ہے - رحم کمزوروں پر آتا ہے - رحم بچوں پر آتا ہے اور اگر کسی بد معاش قابل سزا پر بھی آوے تو ایسی حالتیں آتا ہے کہ جب وہ ضعیفوں اور ناتوانوں کیطرح رجوع کرے - پھر اصل مورد رحم ضعف اور ناتوانی ہوئی ناکچھ اور رہا ❊

ع - انسان فعل مختار ہے ❊

غ - اگر اسکے یہ معنے ہیں کہ جس حد تک اسکو قوے بخشے گئے ہیں اُس حد تک وہ اس قوے کے استعمال کا اختیار رکھتا ہے تو یہ قرآنی تعلیم کے مخالف نہیں - اللہ جلشانہ فرماتا ہے اعطی کل شی خلقہ ثم ھدی ۱۶/۱۱ یعنی وہ خدا جس نے ہر چیز کو اسکے مناسب حال قوی اور جوارح بخشے اور پھر انکو استعمال میں لانے کی توفیق دی ایسا ہی فرماتا ہے کل یعمل علی شاکلتہ ۱۵/۹ یعنے ہر ایک اپنی قوت اور اشکال کے موافق عمل کرنے کی توفیق دیا جاتا ہے اور اگر کچھ اور معنے ہیں تو آپ کو خوشگوار رہیں ❊

ع - کیا خدا تعالیٰ مالکیت کے برتنے میں ناجائز کاموں کی اجازت دے سکتا ہے ؛

غ - نالائق مت کہئے جو کچھ اُس نے کیا اور کر رہا ہے وہ سب لائق ہے - صحیفہ قدرت کو دیکھئے کہ وہ کر ڈنڈ ہا پرند اور چرند اور دوسرے جانوروں کی نسبت کیا کر رہا ہے اور اسکی عادت حیوانات کی نسبت کیا ثابت ہوتی ہے اگر غور سے آپ دیکھینگے تو آپ اقرار کرینگے کہ وضع اس دنیا کی اسطرح پائی جاتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہر ایک حیوان کو انسان پر قربان کر رکھا ہے اور اُسکے منافع کے لئے بنایا ہے ؛

ع - کلام مجسم ہوا ؛

غ - اس سے ثابت ہوا کہ حضرت مسیح کا جسم بھی خدا تھا لیجئے حضرت یک نشد دو شد ؛

ع - اقنوم کے معنی شخص معین ہیں سو یہ تین جُدا جُدا شخص اور ماہیت ایک ہے اب قائم فی نفسہ اور ابن اور روح القدس اسمیں لازم ملزوم ہیں ؛

غ - جبکہ تینوں شخص اور تینوں کامل اور تینوں میں ارادہ کرنیکی صفت موجود ہے - اب ارادہ کرنیوالا ابن ارادہ کرنیوالا - روح القدس ارادہ کرنیوالا - تو پھر ہمیں سمجھاؤ کہ باوجود اس حقیقی تفرقہ کے اتحاد ماہیت کیونکر ہے اور نظیر بیجدی اور بینظیری کی اس مقام سے کچھ تعلق نہیں رکھتی کیونکہ وہاں حقیقی تفریق قرار نہیں دیگئی ؛

ع - نبی اسلام کا چھوٹا یا بڑا معجزہ ثابت نہیں ہوا ؛

غ - قرآن معجزات سے بھر رہا ہے اور خود وہ معجزہ ہے توجہ سے دیکھیں اور پیشگوئیاں تو اُسمیں دریا کیطرح بہ رہی ہیں اسلام کے غلبہ کے ضعف اسلام کیوقت خبر دی - سلطنت روم کے غلبہ کی اُنکے مغلوب ہونیکی پہلے خبر دی شق القمر کا معجزہ بھی موجود ہے اگر نظام کے مخالف وسوسہ گذرے تو یوشع بن نون اور یسعیاہ نبی کی نظیر دیکھ لیجئے مگر حضرت مسیح کے معجزات کا ہمیں کچھ پتہ نہیں لگتا - بیت صدر کے عوض نے انکی رونق کھو دی - پیشگوئیاں نری اٹکل معلوم ہوتی ہیں اور زیادہ افسوس یہ ہے کہ بعض پوری بھی نہوئیں مثلاً یہ پیشگوئی کب اور کسوقت پوری ہوئی کہ تم سے ابھی بعض نہیں مرینگے کہ میں آسمان پر سے اُتر آؤنگا - بادشاہت کہاں ملی جسکے لئے تلواریں خریدی گئی تھیں - بارہ حواریوں کو بہشتی تختوں کا وعدہ ہوا تھا - یہودا اسکریوطی کو تخت کہاں ملا ؛

ع - قرآن نے فصاحت وبلاغت کا دعوے نہیں کیا ؛

غ - اگلے پرچہ میں دکھلاؤنگا کہ کیا ہے ؛

ع - کیا ستون میں خدا نہیں بول سکتا *

غ - کیوں نہیں ہے مگر ستون میں بول کر بھی ستون سے ہی علاقہ رہیگا اور ستون ابن اللہ نہیں کہلائیگا بلکہ جیسے پہلے تھا ویسے رہیگا اور ایک ستون میں بولنا ایک ہی وقت میں دوسرے ستون میں بولنے سے منع نہیں کریگا بلکہ ایک ہی سکینڈ میں کروڑہا ستونوں میں بول سکتا ہے مگر آپکا اصول اسکے مطابق نہیں ہے *

ع - کس نبی کے بارہ میں لکھا ہے کہ میرا بیٹا تھا *

غ - جناب جب بعض نبیوں کو خدا کہا گیا تو کیا بیٹا ہونا پیچھے رہ گیا بلکہ خدا کہنے سے تو قادر مطلق وغیرہ سب صفات آگئے *

ع - مسیح کے مظہر اللہ ہونیمیں بائبل میں بہت سی پیشگوئیاں ہیں *

غ - پیش از وجود مسیح جو چودہ سو برس تک علماء یہود کی ان کتابوں کو پڑھتے ہیں اور قریباً کروڑہا علماء کی نظر سے وہ کتابیں گذریں کیا کسی کا ذہن اسطرف نہیں گیا کہ کوئی خدا بھی آنیوالا ہے *
کیا یہودی لغت نہیں جانتے تھے کتابیں نہیں کہتے تھے نبیوں کے شاگرد نہیں تھے پھر گھر کی پھوٹ اور بعض علمائے عیسائی کا یہود سے متفق ہونا اور بھی اسکی تائید کرتا ہے *

ع - شریعت موسوی نشانات تصویری کیسے تھے پھر قرآن کیا لایا *

غ - قرآن نے مردوں کو زندہ کیا - باطل خیالات کو مٹایا *

ع - مذہب عیسوی میں تقدیری جبر کی تعلیم نہیں *

غ - انجیل سے پایا جاتا ہے کہ شیاطین ضلالت پر مجبور ہیں اور ناپاک روحیں ہیں اگر یہ بات صحیح نہیں تو ثابت کرو کہ حضرت مسیح کے ذریعہ سے کس شیطان نے نجات یافتہ ہونیکی خوشخبری پائی بلکہ وہ تو بکتے ہیں کہ وہ ابتدا سے قاتل تھا اور شیاطین میں سچائی نہیں حضرت مسیح شیاطین کیلئے بھی کفارہ تھے یا نہیں اسکا کیا ثبوت ہے - مگر قرآن جنات کی ہدایت کا ذکر کرتا ہے *

ع - مسیح زمین آسمان کا خالق ہے *

غ - سوال یہ تھا کہ مسیح نے دنیا میں آکر مظہر اللہ ہونیکی کونسی چیز بنائی جواب یہ ملتا ہے کہ سب کچھ مسیح کا ہی بنایا ہوا ہے *

ع - نیک ہونیسے انکار اسلئے کیا تھا کہ وہ مسیح کو خدا نہیں جانتا تھا *

غ - انجیل ہی اسکا ثبوت دیجئے مرقس میں تو صاف لکھا ہے کہ اسنے گھٹنے ٹیکے اور مسیح نے خدائی کا کچھہ ذکر نہیں کیا بلکہ کہا کہ اگر تو کامل ہونا چاہتا ہے تو اپنا سارا مال غریبوں کو بانٹ دے *

ع - مسیح کا بن باپ پیدا ہونا مانتے ہیں یا نہیں *

غ - مسیح کا بن باپ پیدا ہونا میری نگاہ میں کچھ عجوبہ بات نہیں حضرت آدمؑ ماں اور باپ دونو نہیں رکھتے تھے اب قریب برسات آتی ہے ضرور باہر جاکر دیکھیں کہ کتنے کیڑے مکوڑے بغیر ماں باپ کے پیدا ہو جاتے ہیں پس اس سے مسیح کی خدائی کا ثبوت نکالنا صرف غلطی ہے *

ع - صرف توبہ سے بے ادائے ہرجہ کیونکر گناہ بخشے جاسکتے ہیں *

غ - کیسلئے گناہ بخشنے میں خداتعالیٰ کا کوئی ہرجہ نہیں تھا اور گناہ پہلے قانون نازل ہونیکے کچھہ وجود نہیں رکھتا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا ۱۵/۲ یعنی ہم گناہ ہونیر عذاب نہیں کیا کرتے جبتک رسول نہیں بھیجتے - اور جب رسول آیا اور خیر و شر کا راہ بتلایا تو اس قانون کے وعدوں اور وعیدوں کے موافق عملدرآمد ہوگا کفارہ کی تلاش میں لگنا ہنسی کی بات ہے کیا کفارہ عہدوں کو توڑ سکتا ہے بلکہ وعدہ وعید سے بدلتا ہے اور نہ کسی اور تدبیر سے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سلٰم علیکم کتب ربکم علی نفسہ الرحمۃ انہ من عمل منکم سوءً بجھالۃٍ ثم تاب من بعدہٖ واصلح فانہ غفور الرحیم ۱۲/۷ اور یکناکہ اعمال حسنہ ادائے قرضہ کیصورتمیں ہیں غلط فہمی ہے قرضہ تو اُس صورتمیں ہوتا کہ جب حقوق کا مطالبہ ہوتا اب جبکہ گناہ صرف ترک قانون سے پیدا ہوتا ہے نہ ترک حقوق سے اور عبادت صرف کتابی فرمانوں پر عمل کرنیکا نام ہے تو نجات مدار نجات کا صرف قانونی وعدہ وعید

ع - قرآن کی قسمیں صرف ہنسی کی سی ہیں *

غ - اسکی حقیقت آپکو معلوم نہیں ایک خاص اصطلاح ہے جو قسمونکی صورتمیں اللہ جلشانہ ایک امر بدیہہ کو نظری کے ثبوت کیلئے پیش کرتا ہے یا ایک امر مسلم کو غیر مسلم کے تسلیم کرنیکے لئے بیان فرماتا ہے اور جس چیز کی قسم کہائی جاتی ہے وہ درحقیقت قائمقام شاہد ہوتی ہے جیسا کہ میں آیتہ لا اقسم بمواقع النجوم میں مفصل بیان کرچکا ہوں اگر تفصیل دیکھنا ہو تو آئینہ

ع - دُکھہ تین قسم کے ہیں *

غ - آپ یہ تو ثابت کرنا ہے کہ جو کروڑہا حیوانات بغیر الزام کسی گناہ کے ذبح کئے جاتے ہیں وہ اگر مالکیت کیوجہ سے نہیں تو کیوں ذبح ہوتے ہیں اور مرنیکے بعد کس بہشت میں رکھا جائیگا * (باقی آئندہ)

دستخط بحروف انگریزی

غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ

از جانب اہل اسلام

دستخط بحروف انگریزی

ہنری مارٹن کلارک - پریزیڈنٹ

از جانب عیسائی صاحبان

ہو جاتا ہی تو اسکے ساتھ تصدیق خاص قرآنی کی بھی ہے جو یہ کہتا ہی یسئلونک ۔ الخ یعنی تجھ سے سوال کرتے ہیں ابت ذوالقرنین کی اور اسکے وعدہ ہوتا ہی کہ ہم ابھی بیان کرینگے پس اسمیں تصدیق انہی خدا کی ہے نہ صرف بابا ذوالقرنین کا ۔ اس سے ظاہر ہو جیو کہ جناب اس اعتراض کو اوٹھا نہیں سکتے ۔ یہ محاورہ کی بابت نہیں ہے بلکہ محاورہ کے برخلاف ہے کہ آفتاب دلدل کی ندی میں غروب کر گیا کیونکہ بدو نظر اور محاورہ کسی بان یا مکان کا ایسا کبھی نہیں ہوا کہ سورج کسی دلدل کی ندی میں غروب کرتا ہی ہاں البتہ یہ تو عام محاورہ اور مجاز ہے جو لوگ کہتے ہیں سورج نکلا اور سورج غروب ہوا ۔ اور نہ وہ محاورہ جو آپ فرماتے ہیں اور جو امور بدو نظر میں کچھ صورت ظہور کی دکھلاتے ہیں انکا کلام اس صورت کے مجاز میں ہوتا ہی جیسا رکابی پلاؤ کا کھانا ہر ایک سمجھتا ہے کہ بھری ہوئی رکابی پلاؤ میں سے کچھ نہ چھوڑنا یا جیسا کہتے ہیں کہ پتنالے چل رہے ہیں یا یہ کنواں میٹھا یا کھارا ہے یہ بھی ایسے محاورات ہیں جو عامہ ہیں ۔ اور سبا کی ملکہ جو زمین کے کنارہ سے آئی اسکے معنی صاف ظاہر ہیں کہ دوسرے ملک کے کنارہ سے آئی جو فلسطین کے دوسری طرف تھا اسمیں جغرافیہ اور علم ہندسہ کا کیا علاقہ ہے یہ نظیریں جناب کیچڑ دلدل کی ندی غروب کے لیے پیدا نہیں کر سکینگے ۔ زمین کا ساکن ہونا بھی بدو نظر ہے اور عوام اس سے سوا نہیں بولتے اور کلام الٰہی عوام کیلیے ہے ۔

۵ ۔ جنابنے الیس لینڈ اور گرین لینڈ کے دنونکی کیا اچھی تعبیر فرمائی ہی اور وہ نظیر جو حمل کی اسمیں دی ہے اس سے بھی بڑہکر ہے ۔ مجھے حیرانی یہ ہی کہ کلام نص کو آپ چھوڑکر کہاں جا پڑتے ہیں ۔ قرآن کے کلام نص میں یہ لکھا ہی کہ دن کی سفیدی کی دہاری سے پہلے شروع کرکے شام کی سیاہی کی دہاری کے پیچھے روزہ افطار کرنا چاہیے کہ جن دہ نو دہاریو نکا ان ملکو نمیں نشان تک کچھہ نہیں اور حمل کی بابت جو آپنے نظیر دی ہے وہ زمانہ متعینہ ہمارا ہے نہ کسی کلام الٰہی کا ۔

۱۰ ۔ جناب فرماتے ہیں کہ گو ڈانس کوئی صفت نہیں تب تو جب ایک شخص جو کسی مواخذہ میں گرفتار نہیں وہ کسی خوش سلوکی کے لائق بھی نہیں ہے ۔ رحم کی اصطلاح صاف یہ ظاہر کرتی ہے کہ کسی مواخذہ میں گرفتار ہے جسکو رحم سے چھوڑا یا جاتا ہی ۔ آپکا اختیار ہے جتنا چاہیں ضد فرمادیں مگر یہ امور بدیہی ہیں ۔

۱۱ ۔ یہ ایک عجیب دلیل ہے کہ جو ایک امر بدیہی نالائق ہو اسکو نالائق نہ کہا جائے ۔ کیا اگر ہم فرض کر لیویں کہ خدا نے کوئی ظلم کیا یا جھوٹ بولا تو اسی لحاظ سے یہ فرض خدا کی بابت نہیں ہی کہ ہم نالائقی اسکی کا ذکر نہ کرینگے ۔ ہم تو ان افعالونکو نالائق کہینگے اور مفروضہ خدا کو جھوٹا خدا کہینگے ۔ یہ تو ہم ایک امر واقعی

دیکھتے ہیں کہ گوشت حیوانوں کا خدا تعالیٰ نے انسانوں کیواسطے کلام الٰہی میں مباح کر دیا ہے اور بعض بعض جانور جنکو بھی جیسا کہ شیر یا باز ہے فطرت نے مباح کر دیا ہے لیکن ایک واقعہ مرئی ہی اسکا عدل نامرئی منقطع نہیں سکتا کوئی جو اسکے صادق ٹھیرانیکی ہو گی جو ہمکو نا معلوم ہو تو اس نا معلومی سے اسکی نفی نہیں ہو سکتی"

۱۲- مجسم ہونے سے جسم کو بھی الوہیت ٹھیرانا جناب کی اصطلاح ہو گی ہمارے تو معنے یہ ہیں کہ مجسم ہونے سے مظہریت بر ایا ہے:۔

۱۳- کیوں جناب آپ ہماری بنظر بینظیری اور بیحدی کو باطل کسطرح ٹھیرا سکتے ہیں جو ایک واقعہ بھر ہے اور کیا ان دونو صفات کی ایک ہی ماہیت نہیں کیونکہ بینظیر مطلق بیحدی سے علیحدہ نہیں ہو سکتا زمان و مکان ان ہر دو کا ایک ہی رہتا ہے۔ جناب غور فرما کر جواب دیں:۔

۱۴- جب ثبوت دکھلاوینگے کہ قرآن میں معجزہ ہیں اور قرآن خود ایک معجزہ ہے تو ہم مان لیں گے لیکن کسی شخص نے ایک بادشاہ کے سامنے ایک لطیفہ کہا تھا کہ سات رومال لپیٹے ہوئے کھول کے رکھ دئے اور کہا کہ جناب اسمیں نور ظہور کی پگڑی ہے مگر وہ حرام کے کو نظر نہیں آتی۔ اِلا حلال کے کو نظر آتی ہے:۔ ایسا ہی اگر جناب کا فرمانا ہے کہ اگر ہمکو وہ معجزات نہ نظر آویں تو ہماری نظر کا قصور ہے تو ہمکو ایک گالی کہا لینا منظور ہے مگر جھوٹا اقرار کر لینا منظور نہیں:۔ شق القمر کے معجزہ کی بابت میں جناب کو معلوم نہیں کہ شق القمر ہونا مستلزم ساتھہ قرب قیامت کے ہے اور آگے اُس کے صیغہ ان پر وصیغہ مضارع کا ہے اور اس معجزہ سے پہلے سے تحدی یا تعارض کیسیکے نہیں ہوئی پس ایسی نظریں جناب دیگر کس کو اطمینان بخشینگے سو تو معلوم۔ البتہ پیشگویاں قرآن میں بہت سی ہیں۔ لیکن پیشگویاں دو قسم کی ہیں ایک وہ پیشگوئی جو علم الٰہی سے ہوتی ہیں اور دوسری وہ جو عقل عامہ سے ہوتی ہیں:۔ جو علم الٰہی کا انحصار کرے اسکی نظیر اگر جناب پیش کرینگے ہم اسپر غور کرینگے اور روم کے فارس سے مغلوب ہونیکی پیشگوئی دور اندیشی عقل عامہ کی ہے (آگے بولنے نہ دیا کہ وقت پورا ہو گیا)۔

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ	غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ
از جانب عیسائی صاحبان	از جانب اہل اسلام

مضمون آخری حضرت مرزا صاحب

(۵ - جون سنہ ۹۳ ۱۸ء)

آج یہ میرا آخری پرچہ ہے جو میں ڈپٹی صاحب کے جواب میں لکھتا ہوں مگر مجھے بہت افسوس ہے کہ جن شرائط کے ساتھہ یہ بحث شروع کیگئی تھی اُن شرائط کا ڈپٹی صاحب نے ذرہ پاس نہیں فرمایا شرط یہ تھی کہ جیسے میں اپنا ہر ایک دعوے اور ہر ایک دلیل قرآن شریف کی معقولی دلائل سے پیش کرتا گیا ہوں ڈپٹی صاحب بھی ایسا پیش کریں لیکن وہ کسی موقع پر اس شرط کو پورا نہیں کرسکے خیر اب ناظرین خود دیکھ لیں گے۔

اس جواب کے جواب الجواب میں صرف اتنا کہنا مجھے کافی ہے کہ ڈپٹی صاحب نے یہ جو توبہ کی سورۃ کو پیش کردیا ہے اور یہ خیال کرتے ہیں کہ ایمان نہ لانے پر قتل کا حکم ہے یہ اُنکی غلط فہمی ہے بلکہ اصل مدعا وہی اس آیۃ سے ثابت ہوتا ہے جو ہم بیان کرچکے ہیں یعنی جو شخص اپنی مرضی سے باوجود واجب القتل ہونیکے ایمان لے آوے وہ رہائی پاجائیگا سو اللہ تعالی اسجگہہ فرماتا ہے کہ جو لوگ اس رعایت سے فائدہ نہ اُٹھاویں اور اپنی مرضی سے ایمان نہ لاویں اُنکو سزائے موت اپنے پاداش کردار میں دیجائیگی اسجگہہ یہ کہاں ثابت ہوا کہ ایمان لانے پر جبر ہے۔ بلکہ ایک رعایت ہے جو اُنکی مرضی پر چھوڑی گئی ہے اور سات قوموں کا جو آپ ذکر فرماتے ہیں کہ اُنکو قتل کیا گیا اور کوئی رعایت نہ کی گئی یہ تو آیۃ کی تشریح کے برخلاف ہے۔ دیکھو قاضیون $\frac{1}{28 و 30}$ کہ کنعانیوں سے جو ان ساتوں قوموں سے ایک قوم ہے خراج لینا ثابت ہے؛ پھر دیکھو یشوع $\frac{1}{16}$ اور قلضیوں $\frac{1}{35}$ جو قوم اموریوں سے جزیہ لیا گیا۔

پھر آپ اعادہ اس بات کا کرتے ہیں کہ قرآن نے یہ تعلیم دی ہے کہ خوف زدہ ہونے کی حالتمیں ایمان کو چھپاوے میں لکھہ چکا ہوں کہ قرآن کی یہ تعلیم نہیں ہے۔ قرآن نے بعض ایسے لوگونکو جن پر یہ واقعہ وارد ہوگیا تھا ادنے درجہ کے مسلمان سمجھ کر اُن کو مومنوں میں داخل رکھا ہے۔ آپ اسکو سمجھ سکتے ہیں کہ ایک طبقہ کے ایماندار نہیں ہوا کرتے اور آپ اس سے بھی نہیں انکار کرینگے کہ بعض دفعہ حضرت مسیح یہودیوں کے پتھراؤ سے

ڈر کر اُن سے کنارہ کر گئے اور بعض دفعہ توریہ کے طور پر اصل بات کو چھپا دیا اور متی ١٦/٢٠ میں لکھا ہے تب اُسنے اپنے شاگردوں کو حکم کیا کہ کسو نے نہ کہنا کہ میں یسوع مسیح ہوں اب انصاف سے کہیں کہ کیا یہ سچے ایمانداروں کا کام ہے اور اُنکا کام ہے جو رسول اور مبلغ ہو کر دنیا میں آتے ہیں کہ اپنے تئیں چھپائیں۔ اس سے زیادہ آپکو ملزم کرنیوالی اور کونسی نظیر ہوگی بشرطیکہ آپ فکر کریں اور پھر آپ لکھتے ہیں کہ دلدل میں آفتاب کا غروب ہونا سلسلہ مجازات میں داخل نہیں مگر عین حمیئۃ سے تو کانا پانی مراد ہے اور اسمیں اب بھی لوگ یہی نظارہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں اور مجازات کی بنا مشاہدات عینیہ پر ہے جیسے ہم ستاروں کو کبھی نقطہ کے موافق کہدیتے ہیں اور آسمان کو کبود رنگ کہدیتے ہیں اور زمین کو ساکن کہہ دیتے ہیں۔ پس جبکہ انہیں اقسام میں سے یہ بھی ہے تو اس سے کیوں انکار کیا جائے :. آپ فرماتے ہیں کہ کلام مجسم بھی ایک استعارہ ہے مگر کوئی شخص ثبوت دے کہ دنیا میں یہ کہاں بولا جاتا ہے کہ فلاں شخص کلام مجسم ہو کر آیا ہے اور گوڈنس کی تاویل پھر آپ تکلف سے کرتے ہیں میں کہہ چکا ہوں کہ گوڈنس یعنی احسان کوئی صفت صفات ذاتیہ میں سے نہیں ہے یہ کہہ سکتے ہیں کہ مجھے رحم آتا ہے یہ نہیں کہہ سکتے کہ مجھے احسان آتا ہے مگر آپ پوچھتے ہیں کہ اگر یوں ہی بغیر کسی کی مصیبت دیکھنے کے اس سے خوش سلوکی کیجائے تو اسکو کیا کہیں گے۔ سو آپ کو یاد رہے کہ وہ بھی رحم کے وسیع مفہوم میں داخل ہے کوئی انسان کسی سے خوش سلوکی ایسی حالت میں کریگا کہ جب اول کوئی قوت اُس کے دل میں خوش سلوکی کے لئے وجوہات پیش کرے اور اسکو خوش سلوکی کرنے کے لئے رغبت دے تو یہ قوت رحم ہے جو نوع انسان کے ہر ایک قسم کی ہمدردی کیلئے جوش مارتی ہے اور جبتک کوئی شخص قابل خوش سلوکی کے قرار نہ پاوے اور کسی جہت سے قابل رحم نظر نہ آوے بلکہ قابل قہر نظر آوے تو کون اس سے خوش سلوکی کرتا ہے۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ حیوانات کو قتل ہوتے دیکھ کر کیا ہم فرض کر لیں کہ خدا نے ظلم کیا میں کہتا ہوں میں نے کب اسکا نام ظلم رکھا ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ یہ عملدرآمد

مالکیت کی بنا پر ہے جب آپ اس بات کو مان چکے کہ تفاوت مراتب مخلوقات یعنی انسان وحیوانات کا بوجہ مالکیت ہے اسکی تناسخ وجہ نہیں تو پھر اس بات کو مانتے ہوئے کونسی بات سد راہ ہے جو دوسرے لوازم جو حیوان بننے سے پیش آگئی وہ بھی بوجہ مالکیت ہیں اور بالآخر قرآن کریم کے بارہ میں آپ پر ظاہر کرتا ہوں کہ قرآن کریم نے اپنے کلام اللہ ہونے کی نسبت جو ثبوت دیئے ہیں اگرچہ میں اسوقت ان سب ثبوتوں کو تفصیل وار نہیں لکھہ سکتا لیکن اتنا کہتا ہوں کہ منجملہ اُن ثبوتوں کے بڑی دلائل ہیں جیسے پیش از وقت نبیوں کا خبر دینا جو انجیل میں بھی لکھا ہوا آپ پاؤ گے دوسرے ضرورت حقہ کیوقت پر قرآن شریف کا آنا یعنی ایسے وقت پر جبکہ علمی حالت تمام دنیا کی بگڑ گئی تھی اور نیز اعتقادی حالت میں بھی بہت اختلاف آگئے تھے اور اخلاقی حالتوں میں بھی فتور آگیا تھا تیسرے اسکی حقانیت کی دلیل اسکی تعلیم کامل ہے کہ اسنے آکر ثابت کر دکھلایا کہ موسیٰ کی تعلیم بھی ناقص تھی جو ایک شق سزا دہی پر زور ڈال رہی تھی اور مسیح کی تعلیم بھی ناقص تھی جو ایک شق عفو اور درگذر پر زور ڈال رہی تھی اور گویا ان کتابوں نے انسانی درخت کی تمام شاخوں کی تربیت کا ارادہ ہی نہیں کیا تھا صرف ایک ایک شاخ پر کفایت کی گئی تھی لیکن قرآن کریم انسانی درخت کی تمام شاخوں یعنی تمام قویٰ کو زیر بحث لایا اور تمام کی تربیت کے لئے اپنے اپنے محل وموقع پر حکم دیا جسکی تفصیل ہم اس تھوڑے سے وقت میں کر نہیں سکتے *

انجیل کی کیا تعلیم تھی جسپر مدار رکھنے سے سلسلہ دنیا کا ہی بگڑتا ہے اور پھر اگر یہی عفو اور درگذر عمدہ تعلیم کہلاتی ہے تو جین مت والے کئی نمبر اس سے بڑھے ہوئے ہیں جو کیڑوں مکوڑوں اور جوؤں اور سانپوں تک آزار دینا نہیں چاہتے۔ قرآنی تعلیم کا دوسرا کمال کمال تفہیم ہے یعنی اس نے ان تمام راہوں کو سمجھانے کے لئے اختیار کیا ہے جو تصور میں آسکتے ہیں اگر ایک عامی ہے تو اپنی موٹی سمجھ کے موافق اُس سے فائدہ اٹھاتا ہے اور اگر ایک فلسفی ہے تو اپنے دقیق خیال کے مطابق اُس سے صداقتیں حاصل کرتا ہے اور اس نے تمام اصول ایمانیہ کو دلائل عقلیہ سے ثابت کر کے دکھلادیا ہے

اور آیۃ تعالوا الی کلمۃ میں ۳/۱۵ اہل کتاب پر یہ حجت پوری کرتا ہے کہ اسلام وہ کامل مذہب ہے کہ زوائد اختلافی جو تمہارے ہاتھہ میں ہیں یا تمام دنیا کے ہاتھہ میں ہیں اُن زوائد کو نکال کر باقی اسلام ہی رہجاتا ہے اور پہر قرآن کریم کے کمالات میں تیسرا حصّہ اُس کی تاثیرات ہیں اگر حضرت مسیح کے حواریوں اور ہمارے نبی صلعم کے صحابہ کا ایک نظر صاف سے مقابلہ کیا جاوے تو ہمیں کچھہ بتلانے کی حاجت نہیں اُس مقابلہ سے صاف معلوم ہوجائیگا کہ کس تعلیم نے قوت ایمانی کو انتہا تک پُہنچا دیا ہے یہانتک کہ ان لوگوں نے اس تعلیم کی محبت کیلئے اور اس رسول ؐ کے عشق سے اپنے وطنوں کو بڑی خوشی سے چھوڑ دیا اپنے آراموں کو بڑی راحت کے ساتھہ ترک کر دیا۔ اپنی جانوں کو فدا کر دیا اپنے خونوں کو اس راہ میں بہا دیا اور کس تعلیم کا یہ حال ہے اس رسول کو یعنے حضرت مسیح کو جب یہودیوں نے پکڑا تو حواری ایک منٹ کیلئے بہی نہ ٹہیر سکے اپنی اپنی راہ لی اور بعض نے تیس روپیہ لے کر اپنے نبی مقبول کو بیچدیا اور بعض نے تین دفعہ انکار کیا اور انجیل کہولکر دیکھہ لو کہ اُس نے لعنت بھیجکر اور قسم کہا کر کہا کہ اس شخص کو نہیں جانتا پہر جبکہ ابتدائے زمانہ کا یہ حال تہا۔ یہانتک کہ تجہیز تکفین تک بہی شریک نہوے تو پہر اس زمانہ کا کیا حال ہوگا۔ جبکہ حضرت مسیح انمیں موجود نہ رہے۔ مجھے زیادہ لکھانے کی ضرورت نہیں اس بارہ میں بڑے بڑے علماء عیسائیوں نے اسی زمانہ میں گواہی دی ہے کہ حواریوں کیحالت صحابہ کیحالت سے جسوقت ہم مقابلہ کرتے ہیں تو ہمیں شرمندگی کے ساتھہ یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ حواریوں کیحالت اُن کے مقابل پر ایک قابل شرم عمل تہا۔ پہر آپ قرآنی معجزات کا انکار کرتے ہیں آپ کو معلوم نہیں کہ وہ معجزات جس تواتر اور قطعیت سے ثابت ہوگئے ہیں اُنکے مقابل پر کسی دوسرے کے معجزات کا ذکر کرنا صرف قصہ ہے اس سے زیادہ نہیں مثلاً ہمارے نبی صلعم کا اُس زمانہ میں اپنی کامل کامیابیوں کی نسبت پیشگوئی کرنا جو قرآن شریف میں مندرج ہے یعنے ایسے زمانہ میں کہ جب کامیابی کے کچھہ بہی آثار نظر نہیں آتے تھے بلکہ کفار کی شہادتیں قرآن شریف میں موجود ہیں کہ

وہ بڑے دعوے سے کہتے ہیں کہ اب یہ دین جلد تباہ ہو جائیگا اور ناپدید ہو جائیگا ایسے وقتوں میں انکو سنایا گیا کہ یریدون ان یطفؤا نور اللّٰہ بافواھھم ویابی اللّٰہ الا ان یتم نورہ ولو کرہ الکافرون ۱۰/۱۱ یعنی یہ لوگ اپنی منہ کی لاف گزاف سے بکتے ہیں کہ اس دین کو کبھی کامیابی نہ ہوگی یہ دین ہمارے ہاتھہ سے تباہ ہو جاویگا۔ لیکن خدا کبھی اس دین کو ضائع نہیں کریگا اور نہیں چھوڑیگا جبتک اسکو پورا نہ کرے پھر ایک اور آئتہ میں فرمایا ہے وعد اللّٰہ الذین آمنو... الخ ۱۸/۱۳ یعنی خدا وعدہ دے چکا ہے کہ اس دین میں رسول اللّٰہ صلعم کے بعد خلیفے پیدا کریگا اور قیامت تک اس کو قائم کریگا۔ یعنی جسطرح موسیٰؑ کے دین میں مدت ہائے دراز تک خلیفے اور بادشاہ بھیجتا رہا ایسا ہی اسجگہہ بھی کریگا اور اسکو معدوم ہونے نہیں دیگا اب قرآن شریف موجود ہے حافظ بھی بیٹھے ہیں دیکھہ لیجے کہ کفار نے کس دعوے کے ساتھہ اپنی رایئں ظاہر کیں کہ یہ دین ضرور معدوم ہو جائیگا اور ہم اسکو کالعدم کردینگے اور ان کے مقابل پھر یہ پیشگوئی کی گئی جو قرآن شریف میں موجود ہے کہ ہرگز تباہ نہیں ہوگا یہ ایک بڑے درخت کی طرح ہو جائیگا اور پھیل جائیگا اور اسمیں بادشاہ ہونگے اور جیسا کہ کزرع اخرج شطأہ ۲۶/۱۲ میں اشارہ ہے اور پھر فصاحت بلاغت کے بارہ میں فرمایا ھٰذا لسان عربی مبین ۱۹/۱۵ اور پھر اسکی نظیر مانگی اور کہا کہ اگر تم کچھہ کرسکتے ہو اسکی نظیر دو۔ پس عربی مبین کے لفظ سے فصاحت بلاغت کے سوا اور کیا معنے ہوسکتے ہیں؟ خاصکر جب ایک شخص کہے کہ میں یہ تقریر ایسی زبان میں کرتا ہوں کہ تم اسکی نظیر پیش کرو تو بجز اس کے کیا سمجھا جائیگا کہ وہ کمال بلاغت کا مدعی ہے اور مبین کا لفظ بھی اسی کو چاہتا ہے۔ بالآخر چونکہ ڈپٹی عبد اللّٰہ آتھم صاحب قرآن شریف کے معجزات سے عمداً منکر ہیں اور اسکی پیشگوئی سے بھی انکاری ہیں اور مجھسے بھی اسی مجلس میں تین بیمار پیش کرکے ٹھٹھا کیا گیا کہ اگر دین اسلام سچا ہے اور تم فی الحقیقت ملہم ہو تو ان تینوں کو اچھے کرکے دکھلاؤ۔ حالانکہ میرا یہ دعوے نہ تھا کہ میں قادر مطلق ہوں اور قرآن شریف کے مطابق مواخذہ تھا۔ بلکہ یہ تو عیسائی صاحبوں کے ایمان

کی نشانی ٹھیرائی گئی تھی کہ اگر وہ سچے ایماندار ہوں تو وہ ضرور لنگڑوں اور اندھوں اور بہروں کو اچھا کرینگے - مگر تاہم میں اس کے لیئے دعا کرتا رہا ؛ اور آج رات جو مجھپر کھلا وہ یہ ہے کہ جبکہ میں نے بہت تضرع اور ابتہال سے جناب الٰہی میں دعا کی کہ تو اس امر میں فیصلہ کر اور ہم عاجز بندے ہیں تیرے فیصلہ کے سوا کچھ نہیں کر سکتے - تو اُسنے مجھے یہ نشان بشارت کے طور پر دیا ہے کہ اس بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور سچے خدا کو چھوڑ رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے وہ انہیں دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنے فی دن ایک مہینہ لے کر یعنے ۱۵ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جاویگا اور اُسکو سخت ذلت پہنچیگی بشرطیکہ حق کیطرف رجوع نکرے اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے اُسکی اس سے عزت ظاہر ہوگی اور اُسوقت جب یہ پیشگوئی ظہور میں آویگی بعض اندھے سوجاکھے کیئے جائینگے اور بعض لنگڑے چلنے لگیں گے اور بعض بہرے سننے لگیں گے ؛ اسیطرح پر جسطرح اللہ تعالے نے

ارادہ فرمایا ہے سو الحمد للہ والمنۃ کہ اگر یہ پیشگوئی اللہ تعالیٰ کیطرف سے ظہور نہ فرماتی تو ہمارے یہ پندرہ دن ضائع گئے تھے۔ انسان ظالم کی عادت ہوتی ہے کہ باوجود دیکھنے کے نہیں دیکھتا اور باوجود سننے کے نہیں سنتا اور باوجود سمجھنے کے نہیں سمجھتا اور جرات کرتا ہے اور شوخی کرتا ہے اور نہیں جانتا کہ خدا ہے لیکن اب میں جانتا ہوں کہ فیصلہ کا وقت آگیا میں حیران تھا کہ اس بحث میں کیوں مجھے آنیکا اتفاق پڑا معمولی بحثیں تو اور لوگ بھی کرتے ہیں اب یہ حقیقت کھلی کہ اس نشان کے لئے تھا۔ میں اسوقت اقرار کرتا ہوں کہ اگر یہ پیشگوئی جھوٹی نکلی یعنی وہ فریق جو خدا تعالیٰ کے نزدیک جھوٹ پر ہے وہ پندرہ ماہ کے عرصہ میں آجکی تاریخ سے بسزائے موت ہاویہ میں نہ پڑے تو میں ہر ایک سزا کے اٹھانیکے لئے تیار ہوں مجھکو ذلیل کیا جاوے روسیاہ کیا جاوے۔ میرے گلے میں رسہ ڈال دیا جاوے مجھکو پھانسی دیا جاوے۔ ہر ایک بات کیلئے تیار ہوں اور میں اللہ جلشانہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ضرور وہ ایسا ہی کریگا۔ ضرور کریگا۔ ضرور کریگا۔ زمین آسمان ٹل جائیں پر اسکی باتیں نہ ٹلیں گی۔ اب ڈپٹی صاحب سے پوچھتا ہوں کہ اگر یہ نشان پورا ہوگیا تو کیا یہ سب آپکے منشاء کے موافق کامل پیشگوئی اور خدا کی پیشگوئی ٹھیریگی یا نہیں ٹھیریگی اور رسول اللہ صلعم کے سچے نبی ہونے کے بارہ میں جنکو اندرونہ بائبل میں دجال کے لفظ سے آپ نامزد کرتے ہیں محکم دلیل ہو جائیگی یا نہیں ہو جائیگی۔ اب اس سے زیادہ میں کیا لکھ سکتا ہوں جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ہی فیصلہ کر دیا ہے۔ اب ناحق ہنسنے کی جگہہ نہیں اگر میں جھوٹا ہوں تو میرے لیے سولی تیار رکھو اور تمام شیطانوں اور بدکاروں اور لعنتیوں سے زیادہ مجھے لعنتی قرار دو لیکن اگر میں سچا ہوں تو انسان کو خدا مت بناؤ توریت کو پڑھو کہ اسکی اول اور کھلی کھلی تعلیم کیا ہے اور تمام نبی کیا تعلیم دیتے آئے اور تمام دنیا کس طرف جھک گئے۔ اب میں آپ سے رخصت ہوتا ہوں۔ اس سے زیادہ نہ کہونگا۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔

دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح۔ پریزیڈنٹ از جانب
اہل اسلام

دستخط بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ از جانب
عیسائی صاحبان

جنگ مقدس

یا

حضرت اقدس مرزا صاحب کا آخری پرچہ جو آسمانی تائید کے ساتھ تمام زمینی نزاعوں کا قطعی فیصلہ کرنیوالا۔ راستی کے طالبوں۔ حق کے بھوکوں اور پیاسوں کو مژدۂ رضائے الٰہی دینیوالا اور شریروں۔ ستہزا کرنیوالوں اور ناراستی کے حامیوں کو جہنم کی خطرناک لپٹ سے ڈرانیوالا ہے

اگرچہ اس بات کی کوئی ضرورت نہیں کہ اُن کاغذبادی کے ایسے خفیف الوزن اشتہاروں یا ریویو پر ہم توجہ کرنیکی ذرا بھی تکلیف اُٹھائیں کیونکہ آج پبلک بفضل خدا علوم سے روشن ہے۔ اُسے کسی مضمون کے انداز اور لہجے سے اسکی واقعی صداقت کا پالینا کچھ بھی مشکل نہیں۔ مگر پھر بھی ہم اتنا کہنے سے باز نہیں رہ سکتے کہ ناظرین بڑی غور کے ساتھ ہر ایک پرچہ کو اسکے حریف متقابل سے ٹکرا کر پورا موازنہ اور مقابلہ کریں اور سب سے زیادہ اس بات پر اپنی غور رس توجہ کو معطوف کریں کہ مباحثین میں اولاً کیا شرائط قرار پذیر ہوئی تھیں اور کہانتک جوابات کیوقت انکی رعایت رکھی گئی اور بالآخر اسپر غور کریں کہ حضرت مرزا صاحب نے اپنے اس دعوے میں کہ قرآن کریم اصول ایمانیہ میں خصوصاً اور دیگر مسائل الٰہیہ میں عموماً اپنے ہر زور دعاوی کے دلائل بینہ کا ایک جرار لشکر بھی ساتھ ہی رکھتا ہے، اور انجیل و توریت اور دوسری کتابیں اس امر سے عاجز و عاری ہیں ÷

کہانتک فخر کا زرین تاج اپنے سر پر رکھا ہے اور کسطرح حریف مخالف کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھا گیا ہے۔ اب ہم اس مضمون کو اُس زبردست پیشگوئی کی خاطر شائع کرتے ہیں جسنے ہم میں اور نصاریٰ میں قطعی فیصلہ کی بنیاد ڈالدی ہے

المشتہر

عبدالکریم سیالکوٹی

مضمون آخری حضرت مرزا صاحب

(۵ - جون ۱۸۹۳ء)

آج یہ میرا آخری پرچہ ہے جو میں ڈپٹی صاحب کے جواب میں لکھتا ہوں مگر مجھے بہت افسوس ہے کہ جن شرائط کے ساتھہ یہ بحث شروع ہوگئی تھی اُن شرائط کا ڈپٹی صاحب نے ذرہ پاس نہیں فرمایا شرط یہ تھی کہ جیسے میں اپنا ہر ایک دعوے اور ہر ایک دلیل قرآن شریف کی معقولی دلائل سے پیش کرتا گیا ہوں ڈپٹی صاحب بھی ایسا پیش کریں لیکن وہ کسی موقع پر اس شرط کو پورا نہیں کر سکے ۔ خیر اب ناظرین خود دیکھ لیں گے ۔

اس جواب کے جواب الجواب میں صرف اتنا کہنا مجھے کافی ہے کہ ڈپٹی صاحب نے یہ جو توبہ کی سورۃ کو پیش کردیا ہے اور یہ خیال کرتے ہیں کہ ایمان نہ لانے پر قتل کا حکم ہے یہ اُنکی غلط فہمی ہے بلکہ اصل مدعا وہی اس آیۃ سے ثابت ہوتا ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں یعنی جو شخص اپنی مرضی سے باوجود واجب القتل ہونیکے ایمان لے آوے وہ رہائی پا جائیگا سو اللہ تعالی اسجگہہ فرماتا ہے کہ جو لوگ اس عائت سے فائدہ نہ اُٹھا دیں اور اپنی مرضی سے ایمان نہ لاویں اُنکو سزائے موت اپنے پاداش کردار میں دیجائیگی اسجگہہ یہ کہاں ثابت ہوا کہ ایمان لانے پر جبر ہے ۔ بلکہ ایک عائت ہے جو اُنکی مرضی پر چھوڑی گئی ہے اور سات قوموں کا جو آپ ذکر فرماتے ہیں کہ اُنکو قتل کیا گیا اور کوئی رعایت نہ کی گئی یہ تو آیۃ کی تشریح کے برخلاف ہے ۔ دیکھو قضیون ۱/۲۸ و ۳۰ کہ کنعانیوں سے جو ان ساتوں قوموں سے ایک قوم ہے خراج لینا ثابت ہے ۔ پھر دیکھو یشوع ۱۶/۱۰ اور تلمنیوں ۱/۴۵ جو قوم اموریوں سے جزیہ لیا گیا ۔ پھر آپ اعادہ اس بات کا کرتے ہیں کہ قرآن نے یہ تعلیم دی ہے کہ خوف زدہ ہونے کی حالتمیں ایمان کو چھپا دے میں لکھہ چکا ہوں کہ قرآن کی یہ تعلیم نہیں ہے ۔ قرآن نے بعض ایسے لوگونکو جن پر یہ واقعہ وارد ہو گیا تھا ادنے درجے کے مسلمان سمجھ کر اُن کو مومنوں میں داخل رکھا ہے ۔ آپ اسکو سمجھ سکتے ہیں کہ ایک طبقے کے ایماندار نہیں ہوا کرتے اور آپ اس سے بھی نہیں انکار کرینگے کہ بعض دفعہ حضرت مسیح یہودیوں کے پتھراؤ سے

ڈر کر اُن سے کنارہ کر گئے اور بعض دفعہ توریہ کے طور پر اصل بات کو چھپا دیا اور متی ۱۶/۲۰ میں لکھا ہے تب اُسنے اپنے شاگردوں کو حکم کیا کہ کسو نے نہ کہنا کہ میں یسوع مسیح ہوں اب انصاف سے کہیں کہ کیا یہ سچے ایمانداروں کا کام ہے اور اُنکا کام ہے جو رسول اور مبلغ ہو کر دنیا میں آتے ہیں کہ اپنے تئیں چھپائیں۔ اس سے زیادہ آپکو ملزم کرنیوالی اور کونسی نظیر ہوگی بشرطیکہ آپ فکر کریں اور پھر آپ لکھتے ہیں کہ دلدل میں آفتاب کا غروب ہونا سلسلہ مجازات میں داخل نہیں مگر عین حمیئۃ سے تو کالا پانی مراد ہے اور اسمیں اب بھی لوگ یہی نظارہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں اور مجازات کی بنا مشاہدات عینیہ پر ہے جیسے ہم تاروں کو بھی نقطہ کے موافق کہدیتے ہیں اور آسمان کو کبود رنگ کہدیتے ہیں اور زمین کو ساکن کہہ دیتے ہیں۔ پس جبکہ انہیں اقسام میں سے یہ بھی ہے تو اس سے کیوں انکار کیا جاوے ؀ آپ فرماتے ہیں کہ کلام مجسم بھی ایک استعارہ ہے مگر کوئی شخص ثبوت دے کہ دنیا میں یہ کہاں بولا جاتا ہے کہ فلاں شخص کلام مجسم ہو کر آیا ہے اور گوڈلنس کی تاویل پھر آپ تکلف سے کرتے ہیں میں کہہ چکا ہوں کہ گوڈلنس یعنی احسان کوئی صفت صفات ذاتیہ میں سے نہیں ہے یہ کہہ سکتے ہیں کہ مجھے رحم آتا ہے یہ نہیں کہہ سکتے کہ مجھے احسان آتا ہے مگر آپ پوچھتے ہیں کہ اگر یوں ہی بغیر کسی کی مصیبت دیکھنے کے اس سے خوش سلوکی کیجاوے تو اوسکو کیا کہیں۔ سو آپ کو یاد رہے کہ وہ بھی رحم کے وسیع مفہوم میں داخل ہے کوئی انسان کسی سے خوش سلوکی ایسی حالت میں کریگا کہ جب اول کوئی قوت اُس کے دل میں خوش سلوکی کے لئے وجوہات پیش کرے اور اسکو خوش سلوکی کرنے کے لئے رغبت دے تو پھر قوت رحم ہے جو نوع انسان کے ہر ایک قسم کی ہمدردی کیلئے جوش مارتی ہی اور جبتک کوئی شخص قابل خوش سلوکی کے قرار نہ پاوے اور کسی جہت سے قابل رحم نظر نہ آوے بلکہ قابل قہر نظر آوے تو کون اس سے خوش سلوکی کرتا ہی۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ حیوانات کو قتل ہوتے دیکھ کر کیا ہم فرض کرلیں کہ خدا نے ظلم کیا میں کہتا ہوں میں نے کب اسکا نام ظلم رکھا ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ یہ عملدر آمد

مالکیت کی بنا دیر ہے جب آپ اس بات کو مان چکے کہ تفاوت مراتب مخلوقات یعنی انسان وحیوانات کا بوجہ مالکیت ہے اسکی تناسخ وجہ نہیں تو پھر اس بات کو مانتے ہوئے کونسی بات سد راہ ہے جو دوسرے لوازم جو حیوان بننے سے پیش آگئے وہ بھی بوجہ مالکیت ہیں اور بالآخر قرآن کریم کے بارہ میں آپ پر ظاہر کرتا ہوں کہ قرآن کریم نے اپنے کلام اللہ ہونے کی نسبت جو ثبوت دیئے ہیں اگرچہ میں اسوقت ان سب ثبوتوں کو تفصیل وار نہیں لکھ سکتا لیکن اتنا کہتا ہوں کہ منجملہ اُن ثبوتوں کے بڑی دلائل ہیں جیسے پیش از وقت نبیوں کا خبر دینا جو انجیل میں بھی لکھا ہوا آپ پا دینگے دوسرے ضرورت حقہ کیوقت پر قرآن شریف کا آنا یعنی ایسے وقت پر جبکہ عملی حالت تمام دنیا کی بگڑ گئی تھی اور نیز اعتقادی حالت میں بھی بہت اختلاف آگئے تھے اور اخلاقی حالتوں میں بھی فتور آگیا تھا تیسرے اسکی حقانیت کی دلیل اسکی تعلیم کامل ہے کہ اسنے آکر ثابت کر دکھلایا کہ موسیٰ کی تعلیم بھی ناقص تھی جو ایک شق سزادہی پر زور ڈال رہی تھی اور مسیح کی تعلیم بھی ناقص تھی جو ایک شق عفو اور درگذر پر زور ڈال رہی تھی اور گویا ان کتابوں نے انسانی درخت کی تمام شاخوں کی تربیت کا ارادہ ہی نہیں کیا تھا صرف ایک ایک شاخ پر کفایت کی گئی تھی لیکن قرآن کریم انسانی درخت کی تمام شاخوں یعنی تمام قویٰ کو زیر بحث لایا اور تمام کی تربیت کے لئے اپنے اپنے محل وموقع پر حکم دیا جسکی تفصیل ہم اس تھوڑے سے وقت میں کر نہیں سکتے ۔

انجیل کی کیا تعلیم تھی جسپر مدار رکھنے سے سلسلہ دنیا کا ہی بگڑتا ہے اور پھر اگر یہی عفو اور درگذر عمدہ تعلیم کہلاتی ہے تو جین مت والے کئی نمبر اس سے بڑھے ہوئے ہیں جو کیڑوں مکوڑوں اور جوؤں اور سانپوں تک آزار دینا نہیں چاہتے۔ قرآنی تعلیم کا دوسرا کمال کمال تفہیم ہے یعنی اس نے ان تمام راہوں کو سمجھانے کے لئے اختیار کیا ہے جو تصور میں آسکتے ہیں اگر ایک عامی ہے تو اپنی موٹی سمجھ کے موافق اُس سے فائدہ اُٹھاتا ہے اور اگر ایک فلسفی ہے تو اپنے دقیق خیال کے مطابق اُس سے صد ہا تیر حاصل کرتا ہے اور اس نے تمام اصول ایمانیہ کو دلائل عقلیہ سے ثابت کر کے دکھلا دیا ہے

اور آیتہ تعالوا الی کلمۃ میں ۳/۱۵ اہل کتاب پر یہ حجت پوری کرتا ہے کہ اسلام وہ کامل
مذہب ہے کہ زوائد اختلافی جو تمہارے ہاتھ میں ہیں یا تمام دنیا کے ہاتھ میں ہیں اُن زوائد
کو نکال کر باقی اسلام ہی رہجاتا ہے اور پھر قرآن کریم کے کمالات میں تیسرا حصہ اُس کی
تاثیرات ہیں اگر حضرت مسیح کے حواریوں اور ہمارے نبی صلعم کے صحابہ کا ایک نظر صاف
سے مقابلہ کیا جائے تو ہمیں کچھہ بتلانے کی حاجت نہیں اُس مقابلہ سے صاف معلوم
ہو جائیگا کہ کس تعلیم نے قوت ایمانی کو انتہا تک پہنچا دیا ہے یہانتک کہ ان لوگوں
نے اس تعلیم کی محبت کیلئے اور اس رسول ص کے عشق سے اپنے وطنوں کو بڑی خوشی سے
چھوڑ دیا اپنے آراموں کو بڑی راحت کے ساتھہ ترک کر دیا۔ اپنی جانوں کو فدا کر دیا
اپنے خونوں کو اس راہ میں بہا دیا اور کس تعلیم کا یہ حال ہے اس رسول کو یعنے
حضرت مسیح کو جب یہودیوں نے پکڑا تو حواری ایک منٹ کیلئے بھی نہ ٹھیر سکے
اپنی اپنی راہ لی اور بعض نے تیس روپیہ لے کر اپنے نبی مقبول کو بیچدیا اور بعض نے
تین دفعہ انکار کیا اور انجیل کھولکر دیکھہ لو کہ اُس نے لعنت بھیجکر اور قسم کھا کر کہا کہ
اس شخص کو نہیں جانتا پھر جبکہ ابتدائے زمانہ کا یہ حال تھا۔ یہانتک کہ تجہیز تکفین
تک بھی شریک نہوئے تو پھر اس زمانہ کا کیا حال ہوگا۔ جبکہ حضرت مسیح انمیں موجود
نہ رہے۔ مجھے زیادہ لکھانے کی ضرورت نہیں اس بارہ میں بڑے بڑے علماء
عیسائیوں نے اسی زمانہ میں گواہی دی ہے کہ حواریوں کیحالت صحابہ کیحالت سے
جسوقت ہم مقابلہ کرتے ہیں تو ہمیں شرمندگی کے ساتھہ یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ حواریوں
کیحالت اُنکے مقابل پر ایک قابل شرم عمل تھا۔ پھر آپ قرآنی معجزات کا انکار کرتے
ہیں آپ کو معلوم نہیں کہ وہ معجزات جس تواتر اور قطعیت سے ثابت ہوگئے ہیں اُنکے
مقابل پر کسی دوسرے کے معجزات کا ذکر کرنا صرف قصہ ہے اس سے زیادہ نہیں
مثلاً ہمارے نبی صلعم کا اُس زمانہ میں اپنی کامل کامیابیوں کی نسبت پیشگوئی کرنا
جو قرآن شریف میں مندرج ہے یعنے ایسے زمانہ میں کہ جب کامیابی کے کچھہ بھی
آثار نظر نہیں آتے تھے بلکہ کفار کی شہادتیں قرآن شریف میں موجود ہیں کہ

وہ بڑے دعوے سے کہتے ہیں کہ اب یہ دین جلد تباہ ہو جائیگا اور ناپدید ہو جائیگا ایسے وقتوں میں انکو سُنایا گیا کہ یریدون ان یطفؤا نور اللہ بافواھھم ویابی اللہ الا ان یتم نورہ ولو کرہ الکافرون ۱۰/۱۱ یعنی یہ لوگ اپنے مُنہ کی لاف و گزاف سے بکتے ہیں کہ اس دین کو کبھی کامیابی نہوگی یہ دین ہمارے ہاتھ سے تباہ ہو جاویگا۔ لیکن خدا کبھی اس دین کو ضائع نہیں کریگا اور نہیں چھوڑیگا جبتک اسکو پورا نہ کرے پھر ایک اور آیتہ میں فرمایا ہے وعد اللہ الذین آمنو... الخ ۱۸/۱۳ یعنی خدا وعدہ دے چکا ہے کہ اس دین میں رسول اللہ صلعم کے بعد خلیفے پیدا کریگا اور قیامت تک اُس کو قائم کریگا۔ یعنی جسطرح موسیٰ ؑ کے دین میں مدت ہائے دراز تک خلیفے اور بادشاہ بھیجتا رہا ایسا ہی اسجگہہ بھی کریگا اور اسکو معدوم ہونے نہیں دیگا اب قرآن شریف موجود ہے حافظ بھی بیٹھے ہیں دیکھ لیجے کہ کفار نے کس دعوے کے ساتھ اپنی رائیں ظاہر کیں کہ یہ دین ضرور معدوم ہو جائیگا اور ہم اسکو کالعدم کر دینگے اور اُن کے مقابل پر یہ پیشگوئی کی گئی جو قرآن شریف میں موجود ہے کہ ہرگز تباہ نہیں ہوگا یہ ایک بڑی درخت کی طرح ہو جائیگا اور پھیل جائیگا اور اسمیں بادشاہ ہونگے اور جیساکہ کزرع اخرج شطأہ ۱۱/۱۲ میں اشارہ ہے اور پھر فصاحت بلاغت کے بارہ میں فرمایا ھذا لسان عربی مبین ۱۹/۱۵ اور پھر اسکی نظیر مانگی اور کہا کہ اگر تم کچھ کر سکتے ہو اسکی نظیر دو۔ پس عربی مبین کے لفظ سے فصاحت بلاغت کے سوا اور کیا معنے ہو سکتے ہیں؟ خاصکر جب ایک شخص کہے کہ میں یہ تقریر ایسی زبان میں کرتا ہوں کہ تم اسکی نظیر پیش کرو تو بجز اس کے کیا سمجھا جائیگا کہ وہ کمال بلاغت کا مدعی ہے اور مبین کا لفظ بھی اسی کو چاہتا ہے۔ بالآخر چونکہ ڈپٹی عبد اللہ آتھم صاحب قرآن شریف کے معجزات سے عمداً منکر ہیں اور اسکی پیشگوئی سے بھی انکاری ہیں اور مجھے بھی اسی مجلس میں تین بیمار پیش کر کے ٹھٹھا کیا گیا کہ اگر دین اسلام سچا ہے اور تم فی الحقیقت ملہم ہو تو ان تینوں کو اچھے کر کے دکھلاؤ۔ حالانکہ میرا یہ دعوے نہ تھا کہ میں قادر مطلق ہوں نہ قرآن شریف کے مطابق مواخذہ تھا۔ بلکہ یہ تو عیسائی صاحبوں کے ایمان

کی نشانی ٹھیرائی گئی تھی کہ اگر وہ سچے ایماندار ہوں تو وہ ضرور لنگڑوں اور اندھوں اور بہروں کو اچھا کرینگے۔ مگر تاہم میں اس کے لئے دعا کرتا رہا۔ اور

آج رات جو مجھپر کھلا وہ یہ ہے کہ جبکہ میں نے بہت تضرع اور ابتہال سے جناب الٰہی میں دعا کی کہ تو اس امر میں فیصلہ کر اور ہم عاجز بندے ہیں تیرے فیصلہ کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔ تو اُسنے مجھے یہ نشان بشارت کے طور پر دیا ہے کہ اِس بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور سچے خدا کو چھوڑ رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے وہ انہیں دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنے فی دن ایک مہینہ لیکر یعنے ۱۵ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جاویگا اور اُسکو سخت ذلت پہنچیگی بشرطیکہ حق کیطرف رجوع نکرے اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے اُسکی اس سے عزت ظاہر ہوگی اور اُسوقت جب یہ پیشگوئی ظہور میں آویگی بعض اندھے سوجاکھے کئے جائینگے اور بعض لنگڑے چلنے لگیں گے اور بعض بہرے سننے لگیں گے۔ اسیطرح پر جسطرح اللہ تعالےٰ نے

نوٹ:- آج جلسہ مباحثہ سے واپس آنیکے بعد قریب ایک بجے دنکے حضرت اقدس کو اس مباحثہ کی فتح پر ایک بشارت بخش الہام ہوا جو حضور نے اُسیوقت حاضرین کو آکر سُنایا اور وہ یہ ہے:-
هنّاك اللّٰه یعنی اللہ تعالےٰ نے تجھے مبارک باد دیتا ہے۔

ارادہ فرمایا ہے سو الحمد للہ والمنة کہ اگر یہ پیشگوئی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظہور نہ فرماتی تو ہمارے
یہ پندرہ دن ضائع گئے تھے۔ انسان ظالم کی عادت ہوتی ہے کہ باوجود دیکھنے کے نہیں دیکھتا
اور باوجود سننے کے نہیں سنتا اور باوجود سمجھنے کے نہیں سمجھتا اور جرأت کرتا ہے اور شوخی کرتا
ہے اور نہیں جانتا کہ خدا ہے لیکن اب میں جانتا ہوں کہ فیصلہ کا وقت آ گیا میں حیران
تھا کہ اس بحث میں کیوں مجھے آنے کا اتفاق پڑا معمولی بحثیں تو اور لوگ بھی کرتے ہیں
اب یہ حقیقت کھلی کہ اس نشان کے لئے تھا۔ میں اس وقت اقرار کرتا ہوں کہ اگر یہ پیشگوئی
جھوٹی نکلی یعنی وہ فریق جو خدا تعالیٰ کے نزدیک جھوٹ پر ہے وہ پندرہ ماہ کے عرصہ
میں آج کی تاریخ سے بسزائے موت ہاویہ میں نہ پڑے تو میں ہر ایک سزا کے اٹھانے کے لئے
تیار ہوں مجھکو ذلیل کیا جاوے روسیاہ کیا جاوے۔ میرے گلے میں رسہ ڈال دیا جاوے
مجھکو پھانسی دیا جاوے۔ ہر ایک بات کیلئے تیار ہوں اور میں اللہ جلشانہ کی قسم کھا کر کہتا
ہوں کہ ضرور وہ ایسا ہی کریگا۔ ضرور کریگا۔ ضرور کریگا۔ زمین آسمان ٹل جائیں پر اسکی
باتیں نہ ٹلیں گی۔ اب ڈپٹی صاحب سے پوچھتا ہوں کہ اگر یہ نشان پورا ہو گیا تو کیا
یہ سب آپ کے منشاء کے موافق کامل پیشگوئی اور خدا کی پیشگوئی ٹھیریگی یا نہیں
ٹھیریگی اور رسول اللہ صلعم کے سچے نبی ہونے کے بارہ میں جنکو اندرونہ بائبل میں
دجال کے لفظ سے آپ نامزد کرتے ہیں محکم دلیل ہو جائیگی یا نہیں ہو جائیگی۔ اب
اس سے زیادہ میں کیا لکھ سکتا ہوں جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ہی فیصلہ کر دیا ہے۔ اب
ناحق ہنسنے کی جگہ نہیں اگر میں جھوٹا ہوں تو میرے لئے سولی تیار رکھو اور تمام
شیطانوں اور بدکاروں اور لعنتیوں سے زیادہ مجھے لعنتی قرار دو لیکن اگر میں سچا ہوں
تو انسان کو خدا مت بناؤ توریت کو پڑھو کہ اسکی اول اور کھلی کھلی تعلیم کیا ہے اور تمام
نبی کیا تعلیم دیتے آئے اور تمام دنیا کس طرف جھک گئے۔ اب میں آپ سے رخصت
ہوتا ہوں۔ اس سے زیادہ نہ لکھونگا۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

مطبوعہ ریاض ہند امرتسر